

HUMAN COOPERATION ASSOCIATION

HCA QUIZ SPECIAL

PDF

MOB +918743058455 +919990373123

تاریخ اسلام



تأليف مؤرخ اسلام اکبر شاه خاں نجيب آبادی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

*** توجہ فرمائیں! ***

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ

لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔

متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی

نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب

تاریخ اسلام

جلد اول

تالیف

مؤرخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی رحمہ اللہ

ناشر دارالاندلس



Dar ul Andlus

ملنے کا پتہ

مرکز القادسیہ 4- لیک روڈ چوبرجی، لاہور

Ph: 042-7230549-7240940

Fax: 7242639

www.dar-ul-andlus.com

عمر فاروق رضی اللہ عنہ

نسب و ولادت:

آپ اشraf قریش میں تھے۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کے خاندان سے سفارت مخصوص و متعلق تھی۔ یعنی جب قریش کی کسی دوسرے قبیلے سے لڑائی ہوتی تھی تو آپ کے بزرگوں کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا، یا جب کوئی تفاخر نسب کے اظہار کی ضرورت پیش آتی تو اس کام کے لیے آپ ہی کے بزرگ آگے نکلتے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی۔ کعب کے دو بیٹے تھے: ایک عدی، دوسرے مرہ۔ مرہ نبی اکرم ﷺ کے اجداد میں ہیں، یعنی آٹھویں پشت میں عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب نبی اکرم ﷺ کے سلسلہ نسب میں مل کر ایک ہو جاتا ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو حفص تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے آپ کو فاروق کے لقب سے ملقب فرمایا تھا۔ آپ ہجرت نبوی ﷺ سے چالیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں اونٹوں کے چرانے کا شغل تھا۔ جوان ہونے کے بعد عرب کے دستور کے موافق نسب دانی، سپہ گری، شہسواری اور پہلوانی کی تعلیم حاصل کی۔ عہد جاہلیت میں بھی اور مسلمان ہونے کے بعد بھی تجارت کا پیشہ کرتے تھے۔

بعض خصوصی فضائل:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پیشتر بازار عکاظ میں جہاں اہل فن کا سالانہ اجتماع ہوتا تھا اور بہت بڑا میلہ لگتا تھا، اکثر دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے اور ملک عرب کے نامی پہلوانوں میں سمجھے جاتے تھے۔ شہسواری میں یہ کمال حاصل تھا کہ گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوتے اور اس طرح جم کر بیٹھتے کہ بدن کو حرکت نہ ہوتی تھی۔ ”فتوح البلدان“ کی روایت کے موافق نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں ایک عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ چالیس مسلمان مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام لائے۔ بقول بعض انتالیس مردوں اور تینیس عورتوں کے بعد اور بقول دیگر ۴۵ مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ سابقین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر ہیں۔ آپ کا شمار علماء اور زہاد صحابہ میں ہوتا ہے۔ ۵۳۹ احادیث آپ سے مروی ہیں جن کو عثمان، علی، طلحہ، سعد، ابن مسعود، ابوذر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، انس، ابو ہریرہ، عمرو بن عاص، ابوموسیٰ اشعری، براء بن عازب، ابوسعید خدری اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے روایت کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جس روز عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایمان لائے، اس روز مشرکین نے کہا کہ آج مسلمانوں نے ہم سے سارا بدلہ لے لیا اور اسی روز آیت ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ^① نازل ہوئی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس روز عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) ایمان لائے، اس روز سے اسلام عزت ہی پاتا گیا۔ ^② آپ کا اسلام گویا فتح اسلام تھی اور آپ کی ہجرت گویا نصرت تھی اور آپ کی امامت رحمت تھی۔ ہماری مجال نہ تھی کہ ہم کعبہ شریف میں نماز پڑھ سکیں لیکن جب عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) ایمان لائے تو آپ نے مشرکین سے اس قدر جدال و معرکہ آرائی کی کہ مجبوراً ان کو ہمیں نماز پڑھنے کی اجازت دینی پڑی۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایمان لائے، اسلام بمنزلہ ایک اقبال مند آدمی کے ہو گیا تھا کہ ہر قدم پر ترقی کرتا تھا اور جب سے آپ نے شہادت پائی، اسلام کے اقبال میں کمی آگئی کہ ہر قدم پیچھے ہی پڑتا ہے۔

ابن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سے عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) ایمان لائے، اسلام ظاہر ہوا۔ ہم کعبہ کے گرد بیٹھنے، طواف کرنے، مشرکین سے بدلہ لینے اور ان کو جواب دینے لگے۔ ابن عساکر نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہر شخص نے خفیہ طور پر ہجرت کی ہے لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا قصد کیا تو ایک ہاتھ میں برہنہ تلوار لی، دوسرے میں تیر اور پشت پر کمان کو لگا کر خانہ کعبہ میں تشریف لائے۔ سات مرتبہ طواف کیا اور دو رکعتیں مقام ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس کھڑے ہو کر پڑھیں، پھر

① ”اے نبی (صلی اللہ تعالیٰ تم کو اور مومنوں کو جو تمہارے پیرو ہیں)، کافی ہے۔“ (الانفال ۸: ۶۴)

② صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، حدیث ۳۸۶۳۔

سرداران قریش کے حلقہ میں تشریف لائے اور ایک ایک سے کہا کہ تمہارے منہ کا لے ہوں۔ جو شخص اپنی ماں کو بے فرزند اور بیوی کو بیوہ کرنا چاہتا ہو، وہ آ کر مجھ سے مقابل ہو۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آپ کو روکتا۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ ہر ایک جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے اور یوم احد میں ثابت قدم رہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے بحالت خواب جنت میں دیکھا کہ ایک عورت ایک قصر کے پہلو میں بیٹھی ہوئی وضو کر رہی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ قصر کس کا ہے؟ معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا ہے، پھر آپ نے عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مجھ کو تمہاری غیرت یاد آگئی اور میں وہیں سے لوٹ آیا۔ عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا کہ میں اور آپ سے غیرت کروں۔^① نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے دودھ پیا ہے اور اس کی تازگی میرے ناخنوں تک پہنچ گئی ہے، پھر میں نے وہ دودھ عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کی تعبیر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دودھ سے مراد علم ہے۔^② ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور وہ قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ بعض کے قمیص سینے تک ہیں۔ بعض کے اس سے زیادہ مگر عمر رضی اللہ عنہ کا قمیص زمین میں گھسٹتا جاتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ قمیص سے مراد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دین۔^③ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ واللہ! جس راستے سے تم جاؤ گے، اس راستے پر شیطان کبھی نہ چلے پائے گا بلکہ وہ دوسرا راستہ اختیار کرے گا۔^④ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہونے والا ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہی ہوتا۔^⑤ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ چراغ اہل جنت ہیں۔^⑥ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تک عمر رضی اللہ عنہ تمہارے درمیان رہے گا، فتنوں کا دروازہ بند رہے گا۔^⑦

① متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب المناقب والفضائل، حدیث ۶۰۳۷۔

② ایضاً، حدیث ۶۰۳۹ ③ یعنی ان کے دور میں دین اسلام کو غلبہ (یعنی فتوحات) حصول ہوگا۔ ایضاً، حدیث

۶۰۳۸ ④ ایضاً، حدیث ۶۰۳۶ ⑤ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیے مشکوٰۃ المصابیح

المحقق الالبانی، کتاب المناقب والفضائل حدیث ۶۰۴۷، البتہ جامع ترمذی المحقق الالبانی، ابواب

المناقب میں اسے حسن قرار دیا گیا ہے۔ ⑥ یہ روایت ضعیف ہے۔ ⑦ صحیح بخاری، کتاب مواقیف

الصلوٰۃ، حدیث ۵۲۵۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان کا ہر فرشتہ عمر (رضی اللہ عنہ) کا وقار کرتا ہے اور زمین کا ہر شیطان اس سے ڈرتا ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں، ان کی امت میں ایک محدث ضرور ہوا ہے۔ اگر میری امت میں بھی کوئی محدث ہو سکتا ہے تو وہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ محدث کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کی زبان سے ملائکہ باتیں کریں۔^①

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی شخص عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ مجھ کو عزیز نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد ہم نے عمر (رضی اللہ عنہ) کو سب سے زیادہ ذہین پایا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر دنیا بھر کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں اور عمر (رضی اللہ عنہ) کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ کر تولا جائے تو عمر (رضی اللہ عنہ) کا پلڑا بھاری رہے گا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دنیا بھر کا علم عمر (رضی اللہ عنہ) کی گود میں پڑا ہوا ہے۔ نیز یہ کہ کوئی شخص سوائے عمر (رضی اللہ عنہ) کے ایسا نہیں ہے جس نے جرأت کے ساتھ راہ الہی میں ملامت سنی ہو۔ علی رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو کپڑا اوڑھے دیکھ کر فرمایا کہ اس کپڑا اوڑھے شخص سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) ارادہ کی پختگی اور ہوش مندی و دلیری سے پر ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت ان چار باتوں سے معلوم ہوتی ہے۔ اول: اسیران جنگ بدر کے قتل کا حکم دیا اور اس کے بعد آیت ﴿لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ﴾^② نازل ہوئی۔ دوم: آپ نے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو پردہ کرنے کے لیے کہا اور پھر آیت پردہ نازل ہوئی۔ اسی پر عمر (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا کہ وحی تو ہمارے گھر میں اترتی ہے اور تم کو پہلے ہی القا ہو جاتا ہے۔ سوم: رسول اللہ ﷺ کا دعا کرنا کہ الہی عمر (رضی اللہ عنہ) کو مسلمان کر کے اسلام کی مدد فرما۔ چہارم: آپ کا اول ہی ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) سے بیعت کر لینا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ہم اکثر یہ ذکر کیا کرتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شیطان قید میں رہے اور آپ کے انتقال کے بعد آزاد ہو گئے۔ ابواسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم بھی ہمو کہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہ) کون تھے؟ وہ اسلام کے لیے بمنزلہ ماں اور باپ کے تھے۔ جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں اس شخص سے بیزار ہوں جو ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہ) کو بھلائی سے نہ یاد کرے۔

① متفق علیہ بہ حوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب المناقب والفضائل، حدیث ۶۰۳۵۔

② ”اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو.....“ (الانفال ۸: ۶۸)

حلیہ فاروقی رضی اللہ عنہ:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رنگت سفید تھی لیکن سرخی اس پر غالب تھی۔ قد نہایت لمبا تھا۔ پیادہ پا چلنے میں معلوم ہوتا تھا کہ سوار جا رہے ہیں۔ رخساروں پر گوشت کم تھا، داڑھی گھنی، مونچھیں بڑی، سر کے بال سامنے سے اڑ گئے تھے۔ ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ دراز قد، موٹے تازے تھے۔ رنگت میں سرخی غالب تھی، گال پچکے ہوئے، مونچھیں بڑی تھیں اور ان کے اطراف میں سرخی تھی۔ آپ کی والدہ شریفہ ابو جہل کی بہن تھیں۔ اس رشتے سے آپ ابو جہل کو ماموں کہا کرتے تھے۔

خلافت فاروقی رضی اللہ عنہ کے اہم واقعات:

۲۳ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ بروز سہ شنبہ مدینہ منورہ میں تمام مسلمانوں نے بلا اختلاف فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ بروز دوشنبہ شعیب بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے آنے اور حالات سنانے کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بلا کر جو حکم دیا تھا، اس کے الفاظ یہ تھے:

”مجھے قوی امید ہے کہ میں آج ہی مر جاؤں گا۔ پس میرے مرنے کے بعد تم کل کا دن ختم ہونے سے پہلے پہلے شعیب کے ساتھ لوگوں کو لڑائی پر روانہ کر دینا۔ تم کو کوئی مصیبت تمہارے دینی کام اور حکم الہی سے غافل نہ کرنے پائے۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کیا کیا تھا، حالانکہ یہی سب سے بڑی مصیبت تھی۔ جب اہل شام پر فتح حاصل ہو جائے تو اہل عراق کو عراق کی طرف واپس بھیج دینا کیونکہ اہل عراق، عراق ہی کے کاموں کو خوب سرانجام دے سکتے ہیں اور عراق ہی میں ان کا دل خوب کھلا ہوا ہے۔“

ان الفاظ سے ایک یہ حقیقت بھی خوب سمجھ میں آ جاتی ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات نبوی ﷺ کے بعد جو کچھ کیا، دینی کام اور دینی مقصد کو مقدم سمجھ کر کیا۔ مرتے وقت بھی ان کو دینی کاموں ہی کی فکر تھی۔ اپنی اولاد و ازاواج کے حق میں کوئی وصیت نہیں فرمائی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت لینے کے بعد لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ مہاجرین و انصار کو خاص طور پر مخاطب کر کے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے پکارا مگر مجمع نے جوش اور آمادگی کا اظہار نہ کیا۔ تین دن تک فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کر کے جہاد کا وعظ سنایا مگر لوگوں کی طرف سے خاموشی رہی۔

چوتھے روز ابو عبیدہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جہاد عراق کے لیے اپنی آمدگی ظاہر کی۔ ان کے بعد سعد بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، پھر سلیم بن قیس رضی اللہ عنہ اور اسی طرح بہت سے لوگ یکے بعد دیگرے آمادہ ہو گئے اور ایک لشکر عراق کے لیے تیار ہو گیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کو جو سب سے پہلے آمادہ ہوئے تھے، اس لشکر کا سردار بنا کر ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عراق کی جانب روانہ کیا۔

تین دن تک لوگوں کا خاموش رہنا مورخین کو خاص طور پر محسوس ہوا ہے اور انہوں نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی دن چونکہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کا فرمان لکھ کر شام کے ملک کی طرف بھیجا تھا، لہذا لوگ ان سے ناخوش ہو گئے تھے اور اسی لیے ان کے آمادہ کرنے سے آمادہ نہیں ہوئے تھے۔ مگر یہ خیال سراسر غلط اور نادرست ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان کی کسی نے بھی مدینہ میں ایسی مخالفت نہیں کی کہ اس کا حال عام لوگوں کو معلوم ہوا ہو۔ اگر واقعی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے لوگ مدینہ میں پہلے ہی دن ناخوش ہو گئے تھے تو یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس کا ذکر خاص الخاص طور پر مورخین کو لکھنا پڑتا اور اس ناراضی کے دور ہونے کے اسباب بھی بیان کرنے ضروری تھے۔ یہ ایک ایسا غلط خیال ہے کہ اصحاب نبوی ﷺ کی شان میں بہت بڑی گستاخی لازم آتی ہے۔ وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ کسی اختلاف رائے کی بناء پر ترغیب جہاد کی تحقیر کرتے۔ بات صرف یہ تھی کہ جہاد کے لیے سب تیار تھے مگر ذمہ داری لینے یا بیڑہ اٹھانے میں متاثر اور ایک دوسرے کے منتظر تھے۔ ان میں ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ مجھ سے زیادہ بزرگ اور مجھ سے زیادہ قابل عزت لوگ موجود ہیں، وہ جواب دیں گے۔ اسی طرح ہر ایک شخص دوسرے کا منتظر تھا۔^① بعض اوقات اس قسم کی گرہ بڑے بڑے مجموعوں میں لگ جایا کرتی ہے اور ہم اپنے زمانے میں بھی اس قسم کی مثالیں دیکھتے رہتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا خاصہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے اعمال نیک اور خیرات و صدقات کے متعلق ایک طرف سے بچنے کے لیے چھپانے کی ترغیب ہے تو دوسری طرف علانیہ بھی ان نیک کاموں کے کرنے کا حکم ہے تاکہ دوسروں کو تحریص و جرأت ہو اور خاموشی کی کوئی گرہ نہ لگنے پائے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اگر اپنی خلافت کے پہلے ہی دن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی

① وہ جمہوریت یا "اسلامی جمہوریت" کا دور نہیں تھا، خلافت کا بابرکت اور پر خیر زمانہ تھا۔ عہدوں کی طلب اور شوق کا نہیں، ذمہ داریوں کو محسوس کرنے کا دور تھا۔ مسلمان ذمہ داریاں طلب کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔

معزولی کا حکم لکھا تھا تو جہاد کی ترغیب تو انہوں نے بیعت خلافت لینے کے بعد ہی پہلی تقریر اور پہلی ہی مجلس میں دی تھی۔ اس تقریر اور اس ترغیب کے بعد ہی انہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کا فرمان لکھوایا ہوگا۔ پس سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس پہلی ترغیب کا جواب مجمع کی طرف سے کیوں نہ ملا؟ بات یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی استاد اپنے شاگردوں کو مدرسے کے کمرے میں حکم دیتا ہے کہ تختہ سیاہ کو کپڑے سے صاف کر دیا نقشے کو لپیٹ دو مگر اس کے اس حکم کی کوئی طالب علم تعمیل نہیں کرتا۔ اس کا یہ سبب نہیں ہوتا کہ اس استاد کی تعمیل کو شاگرد ضروری نہیں سمجھتے بلکہ تعمیل نہ ہونے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ استاد نے سارے کے سارے شاگردوں کو مخاطب کر کے یہ حکم دیا تھا۔ جب وہی استاد کسی ایک یا دو شاگردوں کا نام لے کر یہی حکم دیتا ہے تو فوراً اس حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ بہر حال لوگوں کے مجمع کا تین دن تک خاموش رہنا خواہ کسی سبب سے ہو مگر یہ سبب تو ہرگز نہ تھا کہ وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کے حکم سے ناراض تھے کیونکہ خود مدینہ منورہ میں انصار کی ایک بڑی جماعت ایسی موجود تھی جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مالک بن نویرہ کے معاملے میں قابل مواخذہ یقین کرتی تھی۔ اگر اور لوگ ناراض تھے تو وہ جماعت تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے خوش ہوگی۔ ان لوگوں کو کس چیز نے خاموش رکھا؟

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی:

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو افواج شام کا سپہ سالار اعظم بنا کر بھیجا تھا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک زبردست جنگجو اور بے نظیر بہادر سپہ سالار تھے۔ عراق میں بھی اب تک خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہی سپہ سالار اعظم تھے اور ان کی حیرت انگیز بہادری اور جنگی قابلیت نے دربار ایران اور ساسانی بادشاہی کو حیران و ششدر اور مرعوب بنا دیا تھا۔ رومی سلطنت کو بھی ابتداء میں اسی طرح مرعوب بنانے اور ایک زبردست ٹکڑ لگانے کی ضرورت تھی۔ لہذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیف اللہ کو شام کی طرف سپہ سالار اعظم بنا کر بھیجا اور ان کا اندازہ نہایت صحیح ثابت ہوا کیونکہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شام میں پہنچ کر یرموک کے میدان میں ایسی زبردست ٹکڑ لگائی کہ رومی بادشاہی کی کمر ٹوٹ گئی اور قیصر روم کے رعب و سطوت میں زلزلہ برپا ہو گیا۔ ان ابتدائی لڑائیوں کے بعد لشکر اسلام کے قبضہ میں ایران و روم کے آباد و سرسبز صوبے آنے والے تھے اور دونوں بادشاہتوں کی باقاعدہ افواج سے معرکہ آرائی و میدان داری شروع ہونے والی تھی۔ لہذا اب ضرورت تھی کہ اسلامی افواج نہ صرف ایک فتح مند و ملک گیر سالار کے زیر حکم کام کریں بلکہ ایک مدبر و ملک دار افسر کی ماتحتی میں مصروف

کار ہوں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جنگی قابلیت کے منکر نہ تھے بلکہ وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کسی قدر غیر محتاط اور مشہور شخص سمجھتے تھے۔ ان کو شروع ہی سے یہ اندیشہ تھا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بے احتیاطی کہیں مسلمانوں کی کسی جمعیت کو ہلاکت میں نہ ڈال دے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اس احساس میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مخالف نہ تھے لیکن وہ عراق اور شام کے ابتدائی معرکوں میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ہی سب سے زیادہ موزوں اور مناسب سمجھتے تھے۔ وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرداری کے نقصان کو خوبیوں کے مقابلہ میں کمتر پاتے تھے اور اسی لیے انہوں نے دنیا کی دونوں سب سے بڑی طاقتوں (روم اور ایران) کو سیف اللہ کی تابانی دکھانی ضروری سمجھی۔ یہ مدعا چونکہ حاصل ہو چکا تھا، لہذا اب ضرورت نہ تھی کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہی سپہ سالار اعظم رہیں۔ اس موقع پر ان الفاظ کو ایک مرتبہ پھر پڑھو، جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنے آخری وقت میں لشکر عراق کی نسبت فرمائے تھے اور جو اوپر درج ہو چکے ہیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ:

”اللہ تعالیٰ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے کہ انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت کی پردہ

پوشی کر دی کیونکہ انہوں نے مجھ کو خالد رضی اللہ عنہ کے ہمراہیوں کی نسبت اپنے آخری وقت میں

حکم دیا کہ عراق کی جانب واپس بھیج دینا لیکن خالد رضی اللہ عنہ کا کچھ ذکر نہیں کیا۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کا حکم دیا، وہ منشاء صدیقی رضی اللہ عنہ کے خلاف نہ تھا اور یہ بھی کیسے ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوتے ہی سب سے پہلا کام وہ کرتے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی منشا اور خواہش کے بالکل خلاف ہوتا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا حال شروع کرتے ہوئے عام طور پر مورخین اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ سے اس لیے جدا کر کے اپنے پاس رکھا تھا کہ امور خلافت میں ان کے مشورے سے امداد حاصل کریں اور خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ کے پورے زمانے میں آخر وقت تک فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وزیر و مشیر رہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کوئی کام ایسا نہ تھا جس میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے استعراج و استصواب نہ کر لیا گیا ہو۔ دنیا میں بہت سے لوگ ظاہر بین ہوا کرتے ہیں اور وہ اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے بڑے بڑے آدمیوں سے ایسی باتوں کو منسوب کر دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا کرتے جن کو ان بڑے آدمیوں سے کوئی بھی

تعلق نہیں ہوتا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بعض بے احتیاطیوں پر ضرور اظہار ناراضگی کیا لیکن یہ اظہار ناراضگی بس وہیں تک تھا جہاں تک شریعت اور ان کی تحقیق و اجتہاد کا تعلق تھا۔ اس اظہار ناراضگی کو عداوت و عناد کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا نہ ہوا۔ وہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جو اسیران بدر کی نسبت یہ آزادانہ حکم دے کہ جو جس کا عزیز و رشتہ دار ہے وہ اسی کے ہاتھ سے قتل کیا جائے، اس کی نسبت یہ رائے قائم کرنی کہ ان کو خالد رضی اللہ عنہ سے کوئی کد یا ذاتی عداوت تھی، سراسر ظلم اور نہایت ہی رکیک و بیہودہ خیال ہے۔^①

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے درحقیقت امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا احسان کیا اور ایک ایسی نظیر پیدا کر دی کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے اور خدمت دینی کے مقابلہ میں اپنی ہستی کو ہیچ سمجھنے کی مثال میں سب سے پہلے ہم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہی کا نام لیتے ہیں۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اگر مرتے دم تک افواج اسلام کے سپہ سالار اعظم رہتے، تب بھی ان کی بہادری اور جنگی قابلیت کے متعلق اس سے زیادہ کوئی شہرت نہ ہوتی، جو آج موجود ہے لیکن اس معزولی کے واقعہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی عظمت و عزت میں ایک ایسے عظیم الشان مرتبہ کا اضافہ کر دیا ہے جس کے آگے ان کی سپہ گری و بہادری کے مرتبہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہم ایک طرف خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے جنگی کارناموں پر فخر کرتے ہیں تو دوسری طرف ان کی للہیت اور اطاعت اولی الامر کو فخر یہ پیش کرتے ہیں۔

بعض مورخین نے اپنی ایک یہ لطیف رائے بھی بیان کی ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چونکہ ہر ایک معرکہ میں فتح و فیروزی حاصل ہوتی رہی تھی، لہذا لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ تمام فتوحات خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری کے سبب سے مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی کامیابیاں اور فتح مندیاں کسی شخص سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اسلام کی برکات ان فتوحات کا اصل سبب ہے۔ اس روایت کی تائید اس طرح بھی ہوتی ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جس طرح افواج شام کی سپہ سالاری میں تبدیلی فرمائی، اسی طرح افواج عراق کی سپہ سالاری سے بھی ثنی بن

① یہ سہائی راویوں کا کیا دھرا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو آپس میں شفیق اور کافروں پر سخت تھے، ان کو آپس میں لڑاکا اور جھگڑالو ثابت کرنے کے لیے یہ غیث جھوٹی روایات گھڑتے اور پھیلاتے رہے ہیں۔

حارثہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ابو عبیدہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ماتحت بنادیا تھا، آج بھی اگر مسلمان اسلام کی پیروی میں صحابہ کرام کا نمونہ بن جائیں تو وہی کامیابیاں اور فتح مندیاں جو قرون اولیٰ میں حاصل ہوئی تھیں، پھر حاصل ہونے لگیں۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مقرر ہونے کے بعد جو قابل تذکرہ جنگی انتظامات کیے، ان میں سب سے پہلا کام یہ تھا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو افواج شام کی اعلیٰ سپہ سالاری سے معزول کر کے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ملک شام کی اسلامی افواج کا سپہ سالار اعظم بنایا۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں نہ صرف جان فروشی اور کافر کشی میں پہلے سے زیادہ مستعدی دکھلائی بلکہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ مفید ترین جنگی مشورے دیتے رہے۔ یہی وہ امتیاز خاص ہے جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مرتبہ اور عزت کو تمام دنیا کی نگاہ میں بہت بلند کر دیتا اور ان کو روئے زمین کا بے نظیر سپہ سالار اور سچا پکا مخلص انسان ثابت کرتا ہے کہ جس کے دل میں رضائے الہی کے سوا شہرت طلبی اور ریا کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ دوسرا کام فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ تھا کہ انہوں نے ابو عبیدہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک فوج کے ساتھ عراق کی جانب روانہ کیا اور ان کو ملک عراق کے تمام اسلامی افواج کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا۔ ابو عبیدہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے روانہ کرنے کے بعد تیسرا کام فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ تھا کہ یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کو ملک یمن کی جانب روانہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی اس آخری وصیت کو پورا کریں کہ ملک عرب میں مسلمانوں کے سوا کوئی یہودی اور کوئی نصرانی نہ رہنے پائے۔^① چونکہ مسلمان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلافت کے سوا دو برس دوسرے اعظم امور کی انجام دہی میں مصروف رہے کہ اس وصیت نبوی ﷺ کو پورا کرنے کا ابھی تک موقعہ نہ مل سکا تھا۔

نجران کے عیسائیوں کی جلاوطنی:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ملک یمن کی طرف جا کر نجران کے عیسائیوں سے کہہ دو کہ تم اس ملک کو چھوڑ دو۔ ہم تم کو حدود عرب سے باہر ملک شام میں تمہاری ان زمینوں سے زیادہ زرخیز زمینیں اور ان زمینوں سے زیادہ وسیع زمینیں دیتے ہیں اور تم کو کسی مالی و جسمانی محنت و نقصان میں مبتلا کرنا نہیں چاہتے۔ ملک عرب اب صرف مسلمانوں کے لیے رہے گا،

① صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیئر، باب اجلاء اليهود من الحجاز۔

غیر مسلم ہونے کی حالت میں تمہارا قیام یہاں ممکن نہیں۔

بعض کوتاہ فہم لوگ نجران کے نصرانیوں کی اس جلاوطنی کو ناجائز فعل قرار دے کر معترض ہوا کرتے ہیں، لیکن وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ مدینہ کے یہودیوں نے بھی مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں رومیوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دینے میں خاص طور پر کوشش کی تھی اور اب نجران کے عیسائی بھی مسلمانوں کے بیچ رہ کر رومی سلطنت کے لیے جو برسر پر خاش تھی، جاسوسی اور ہر قسم کی مخالف اسلام سازشوں کو کامیاب بنانے میں مصروف تھے۔ نبی اکرم ﷺ ملک عرب کے عیسائیوں اور یہودیوں کی سود خوری اور مخالف اسلام سازشی کارروائیوں سے واقف تھے۔ آپ ﷺ مسلمانوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کی ہمسائیگی سے اس لیے بچانا چاہتے تھے کہ ان کی یہ بدعادات کہیں مسلمانوں میں سرایت نہ کر جائیں۔ اسی لیے آپ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے جو عہد نامہ کیا تھا، اس میں ایک یہ شرط بھی تھی کہ عیسائی سود خوری کی عادت ترک کر دیں گے اور اسی وجہ سے آپ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ ملک عرب میں یہودی اور عیسائی نہ رہنے پائیں۔ نجران کے نصرانیوں نے ہرقل کے ساتھ ہمدردانہ طرز عمل اختیار کر کے اور سود خوری کو ترک نہ کر کے اپنے آپ کو خود ہی اس سلوک کا مستحق بنا لیا تھا کہ ان کو ملک عرب سے جلاوطن کر دیا جائے۔ آج کل بھی ہم یہودیوں کی جلاوطنیوں کا حال اخبارات میں پڑھا کرتے ہیں جو ان کو یورپ کے متمدن ملکوں سے جبریہ اختیار کرنی اور اپنی جائیدادیں حسرت کے ساتھ چھوڑنی پڑتی ہیں۔ ان جلاوطنیوں کے مقابلہ میں نجران کے نصرانیوں کی جلاوطنی تو ایک رحمت تھی نہ کہ مصیبت۔

فتح دمشق:

جنگ یرموک میں رومی لشکر شکست فاش کھا کر بھاگا اور مقام نخل میں جا کر رکا۔ ہرقل نے احکام جاری کیے جن کے موافق نخل میں بھی اور دمشق میں بھی رومی لشکر عظیم مقابلہ کے لیے فراہم ہو گیا۔ دمشق کی خوب مضبوطی کر لی گئی اور فلسطین و حمص کی طرف سے بوقت ضرورت دمشق والوں کو مزید کمک بھیجنے کا اہتمام بھی ہو گیا۔ افواج دمشق کا سپہ سالار اعظم ہرقل نے نسطاس بن نسطورس کو مقرر کیا اور ہامان نامی بطریق دمشق کا گورنر پہلے سے وہاں موجود تھا۔ اسلامی لشکر ابھی یرموک ہی میں خیمہ زن تھا۔ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم کے حکم کے موافق لشکر عراق پر جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عراق سے آیا تھا، ہاشم بن عتبہ کو امیر مقرر کر کے عراق کی جانب روانہ کر دیا۔ ایک

دستہ فوج نخل کی جانب روانہ کیا، باقی فوج کے چند حصے کر کے ایک حصہ ذوالکلاع کی سرداری میں روانہ کیا کہ دمشق اور حمص کے درمیان مقیم رہ کر اس فوج کو جو ہر قل حمص سے دمشق والوں کی کمک کو روانہ کرے روکیں۔ ایک حصہ کو فلسطین و دمشق کے درمیان متعین کیا کہ فلسطین کی طرف سے رومی فوجوں کو دمشق کی جانب نہ آنے دیں۔ باقی فوج لے کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ خود دمشق کی جانب متوجہ ہوئے۔ دمشق پہنچنے سے پہلے مقام غوطہ کو فتح کیا۔ آخر ماہ رجب سنہ ۱۳ھ میں اسلامی لشکر نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ شہر میں کافی فوج تھی لیکن رومیوں کو جرأت نہ ہوئی کہ میدان میں نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے۔ انہوں نے شہر کی مضبوط فصیلوں اور اپنے سامان مدافعت کی پناہ لینی مناسب سمجھی۔ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ باب الجابیہ کی جانب خیمہ زن ہوئے۔ خالد بن ولید اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما باب تما کی جانب اترے۔ شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ فراولیس کی جانب اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ باب صغیر و باب کیسان کی جانب فروکش ہوئے۔ اس طرح دمشق کے چاروں طرف اسلامی لشکر نے محاصرہ ڈال دیا۔ محصورین شہر کی فصیلوں پر چڑھ کر منہمقوں کے ذریعہ پتھروں کی بارش سے کرتے۔ کبھی تیروں کا مینہ برساتے۔ مسلمان بھی ان کے جواب دینے میں کوتاہی نہ کرتے۔ اس طرح یہ محاصرہ ماہ رجب سنہ ۱۳ھ سے ۱۶ محرم سنہ ۱۴ھ تک چھ مہینے جاری رہا۔ ہر قل نے حمص سے دمشق والوں کو کمک کے لیے جو فوجیں روانہ کیں، ان کو ذوالکلاع نے دمشق تک پہنچنے نہ دیا کیونکہ وہ اسی غرض کے لیے دمشق و حمص کے درمیان مقیم تھے۔ جب چھ مہینے گزر گئے تو دمشق والے ہر قل کی امداد سے مایوس ہو گئے اور ان میں مقابلہ کرنے کا جوش کم ہونے لگا تو ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اس حالت سے بروقت مطلع ہو کر اور محاصرہ کو زیادہ طول دینا مناسب نہ سمجھ کر ہر سمت کے سرداروں کو حکم دیا کہ کل شہر پر حملہ آوری ہوگی۔

مسلمانوں کی اس جنگی تیاری اور حملہ آوری کا حال معلوم کر کے امراء دمشق کے ایک وفد نے باب تما کی جانب سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر امان طلب کی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو امان نامہ لکھ دیا اور بلا مقابلہ شہر کے اندر داخل ہوئے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو امان نامہ دمشق والوں کو لکھ کر دیا، اس کا مضمون اس طرح تھا:

”خالد بن ولید نے دمشق والوں کو یہ رعایتیں دی ہیں کہ جب اسلامی لشکر دمشق میں داخل ہوگا تو دمشق والوں کو امان دی جائے گی۔ ان کی جان و مال اور گرجوں پر کوئی تصرف نہ کیا

جائے گا۔ نہ شہر دمشق کی شہر پناہ منہدم کی جائے گی، نہ کسی مکان کو مسمار و منہدم کیا جائے گا۔ اسلامی لشکر کا کوئی شخص شہر والوں کے کسی مکان میں سکونت اختیار نہ کرے گا۔ مسلمان اور ان کا خلیفہ بجز نیکی کے کوئی برا سلوک دمشق والوں سے نہ کریں گے جب تک کہ دمشق والے جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔“

ادھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صلح کے ذریعہ سے شہر میں داخل ہوئے، ٹھیک اسی وقت باقی ہر سہ جوانب سے اسلامی سردار سیڑھیاں لگا لگا کر اور دروازے توڑ توڑ کر قہر و غلبہ کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ وسط شہر میں خالد اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے شہر کو بزور شمشیر فتح کیا ہے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے بمصالحت شہر پر قبضہ کیا ہے۔ بعض روایات کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ بطریق ہامان نے خود امراء دمشق کو بھیج کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے عہد نامہ لکھوا لیا تھا اور وہ مسلمانوں کے حملہ کی طاقت اور نتیجے کو دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر مسلمان اپنے متفقہ حملے اور پوری کوشش میں ناکام رہے اور بزور شمشیر دمشق میں داخل نہ ہو سکے تو آئندہ بھی مدافعت کو جاری رکھا جائے گا اور خالد رضی اللہ عنہ کے عہد نامہ کو کوئی وقعت نہ دی جائے گی! لیکن اگر مسلمان اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئے اور زبردستی شہر میں داخل ہوئے تو اس عہد نامہ کے ذریعے سے اس برتاؤ سے محفوظ رہیں گے جو بزور شمشیر فتح کیے ہوئے شہر کے ساتھ آئین جنگ کے موافق کیا جاتا ہے۔ ادھر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بزور شمشیر شہر میں داخل ہوئے اور ادھر دمشق والوں نے خود دروازہ کھول کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شہر کے اندر بلا لیا۔ بہر حال کوئی بات ہوئی، یہ ضرور ہوا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بذریعہ مصالحت داخل دمشق ہوئے اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بزور شمشیر۔

وسط شہر میں جب دونوں سردار ملاقی ہوئے تو یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ دمشق بزور شمشیر مفتوح سمجھا جائے یا بمصالحت؟ بعض شخصوں نے کہا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ چونکہ افواج اسلامی کے سپہ سالار اعظم نہ تھے، لہذا ان کا عہد نامہ جائز نہیں سمجھا جائے گا۔ ایسا عہد نامہ صرف ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ لکھ سکتے تھے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں! مسلمانوں کا کوئی ایک معمولی سپاہی بھی جو عہد و اقرار کر لے گا، وہ تمام مسلمانوں کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ لہذا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا عہد نامہ جائز سمجھا جائے گا۔ اس پر یہ رائے پیش کی گئی کہ وسط شہر سے باب تو ما تک نصف شہر بذریعہ مصالحت سمجھا جائے گا اور باقی نصف شہر بذریعہ شمشیر مسخر تصور کیا جائے لیکن ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی پسند نہ فرمایا اور تمام شہر خالد بن ولید

ﷺ کے عہد نامہ کے موافق بمصالحت مفتوح سمجھا گیا اور ان تمام باتوں پر سختی سے عمل درآمد کیا گیا جن کی نسبت خالد بن ولید ﷺ نے اپنے عہد نامے میں تصریح فرما دی تھی۔^① ابن خلدون کی روایت کے موافق خالد بن ولید ﷺ بزور شمشیر باب تو ما کی طرف سے داخل ہوئے تو شہر والوں نے باقی دروازوں کے سامنے والے سرداروں سے مصالحت کر کے ان کو فوراً بمصالحت شہر میں داخل کیا۔ بہر حال مسلمانوں نے دمشق والوں کے ساتھ مصالحانہ سلوک کیا اور شہر والوں کو کوئی آزار نہیں پہنچایا۔ ابو عبیدہ بن جراح ﷺ نے یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کو دمشق کا عامل مقرر کیا اور رومی سرداروں نیز سپاہیوں کو دمشق سے نکل کر جہاں ان کا جی چاہا چلے جانے دیا۔

جنگ فحل:

یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کو دمشق میں ضروری جمعیت کے ساتھ چھوڑ کر ابو عبیدہ بن جراح (رضی اللہ عنہ) دمشق سے مقام فحل کی جانب بڑھے جہاں ہرقل کا نامی سردار سقلا ر بن مخرق لاکھوں آدمیوں کا لشکر لیے ہوئے پڑا تھا۔ دمشق سے روانہ ہوتے وقت ابو عبیدہ (رضی اللہ عنہ) نے خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کو مقدمۃ الجیش کا، شرحبیل بن حسنہ (رضی اللہ عنہ) کو قلب کا، عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کو میمنہ کا، ضرار بن ازور (رضی اللہ عنہ) کو سواروں کا، عیاض بن غنم (رضی اللہ عنہ) کو پیادوں کا افسر مقرر کیا اور خود میسرہ میں رہے۔ فحل کے قریب پہنچ کر اسلامی لشکر اپنے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں مناسب موقعوں پر خیمہ زن ہوا۔ آدھی رات کے وقت رومیوں نے مسلمانوں کے قلب لشکر پر حملہ کیا۔ شرحبیل بن حسنہ (رضی اللہ عنہ) مقابل ہوئے۔ لڑائی کا شور و غل سن کر تمام مسلمان سردار اپنا اپنا لشکر لے کر میدان میں آ گئے اور ہنگامہ پوری شدت اور تیزی سے گرم ہوا۔ یہ لڑائی کئی دن تک جاری رہی، جس دن معرکہ کا رزار گرم رہتا تھا۔ اسی طرح رات کو بھی جاری رہتا تھا۔ آخر رومی سردار سقلا ر میدان جنگ میں اسی ہزار رومیوں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کرا کر خود بھی مقتول ہوا۔ بقیۃ السیف نے راہ فرار اختیار کی اور مسلمانوں کے لیے بے شمار مال غنیمت چھوڑ گئے۔ فتح فحل کے بعد اسلامی لشکر بیسان کی جانب بڑھا۔

① عیسائیوں کی تاریخ ایسی ایک بھی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ ان کی تاریخ تو بدعہدیوں، احسان فراموشیوں اور سازشوں سے بھری ہوئی ہے۔ وہ تو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے جنگی اخلاق کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے کجا کہ وہ ایسی کوئی مثال پیش کریں۔ جبکہ مسلمانوں کی تاریخ ایسی بے شمار مثالوں اور واقعات سے بھری ہوئی ہے، الحمد للہ ثم الحمد للہ!

فتح بیسان:

بیسان کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں بھی سخت مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اسلامی لشکر نے شہر و قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسی حالت میں خبر پہنچی کہ ایک رومی سردار زبردست فوج لیے ہوئے دمشق کی جانب گیا ہے تاکہ اس کو مسلمانوں کے قبضے سے نکال لے۔ یہ خبر سن کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سواروں کا ایک دستہ دے کر دمشق کی جانب روانہ کیا۔ رومی سردار جب دمشق کے قریب پہنچا تو یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ عامل دمشق اس کے مقابلہ کو نکلے اور ہنگامہ جدال و قتال گرم ہوا۔ عین معرکہ جنگ میں رومیوں کے پیچھے سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پہنچ کر حملہ آور ہوئے اور اس رومی لشکر سے ایک شخص بھی بچ کر بھاگنے کا موقع نہ پاسکا۔ سب کے سب میدان میں کھیت رہے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یہاں سے فارغ ہوتے ہی واپس ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ بیسان والوں نے اول مسلمانوں کا مقابلہ کرنے اور حملہ آور ہونے میں کمی نہیں کی لیکن بالآخر اپنے آپ کو اسلامی لشکر کے مقابلے کے قابل نہ پا کر صلح کی درخواست کی اور اسلامی سپہ سالار نے بخوشی اس درخواست کو منظور کر کے اہل بیسان پر جزیہ مقرر کیا اور ایک عامل وہاں مقرر فرما دیا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ابوالاعور اسلمی رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ فوج دے کر طبریہ کی جانب روانہ کیا تھا۔ اہل طبریہ نے بیسان والوں کا انجام دیکھ کر ابوالاعور رضی اللہ عنہ کو بمصالحات شہر سپرد کر دیا۔

صيداء، عرقہ، حمیل اور بیروت کی فتح:

یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے دمشق کے انتظام پر قابو پا کر اپنے بھائی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ فوج دے کر عرقہ کی جانب روانہ کیا۔ انہوں نے عرقہ کو فتح کر لیا، پھر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ صیداء، حمیل و بیروت کی طرف متوجہ ہوئے اور معمولی زود خورد کے بعد ان تمام مقامات پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس طرح دمشق اور تمام علاقہ اردن مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

عراقی معرکے:

فتح یرموک کے بعد ملک شام میں مذکورہ بالا فتوحات مسلمانوں کو حاصل ہو چکیں تو انہوں نے اب حمص کی طرف جہاں قیصر ہرقل فروکش تھا، بڑھنے کی تیاریاں کیں۔ اب ملک شام اور رومی

لشکروں کے ساتھ مسلمانوں کی معرکہ آرائیوں کے حالات و واقعات بیان کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملک عراق کے ان حالات و واقعات کو بھی بیان کر دیا جائے جو خلافت فاروقی رضی اللہ عنہ کی ابتدا سے لے کر اب تک وقوع پذیر ہوئے تھے۔ اگر ہم ملک شام کے واقعات کی سیر کرتے ہوئے دور تک آگے بڑھ گئے تو پھر ملک عراق کے حالات بہت زیادہ پیچھے ہٹ کر شروع سے مطالعہ کرنے میں وہ لطف حاصل نہ ہو سکے گا جو شامی و عراقی معرکہ آرائیوں کی متوازی سیر اور تطابق زمانی کے صحیح تصور سے حاصل ہو سکتا ہے۔

ابو عبیدہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا پہلا کارنامہ:

اوپر ذکر آچکا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے پہلے ہی ہفتے میں ثنی بن حارثہ، سعد بن عبیدہ، سلیط بن قیس اور ابو عبیدہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو عراق کی جانب روانہ کر دیا تھا۔ ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے تو باقی مذکورہ سرداروں کے ساتھ ہی روانہ ہوئے تھے لیکن ابو عبیدہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو لشکر عراق کے سپہ سالار اعظم بنا کر بھیجے گئے تھے، راستے کے عرب قبائل سے بھی لوگوں کو ہمراہ لیتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے گئے۔ اس لیے وہ عراق میں ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ایک ماہ بعد پہنچے۔ ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حیرہ میں پہنچ کر دیکھا کہ ایرانیوں نے تمام رؤساء عراق کو مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کر دیا ہے۔ ایران کے دربار مدائن میں خراسان کا گورنر رستم آ کر قابو یافتہ ہو گیا ہے۔ اس نے فوجی تنظیم اور انتظامی سررشتوں کو خوب مضبوط کر لینے کے علاوہ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف آمادہ کر لینے میں بھی کامیابی حاصل کر لی ہے۔ سواد اور حیرہ کے مرزبان لڑائی کے لیے تلے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پہنچنے پر رستم نے ایک زبردست فوج ثنی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کو روانہ کی۔ دوسری زبردست فوج شاہی خاندان کے ایک بہادر و تجربہ کار سپہ سالار نرسی کے ماتحت مقام کسکر کی جانب بھیجی اور تیسرا عظیم الشان لشکر جابان نامی سردار کے ماتحت نشیبی فرات کی سمت روانہ کیا جس نے مقام نمارق میں آ کر چھاؤنی ڈال دی۔ ثنی رضی اللہ عنہ نے حیرہ سے نکل کر مقام خنان میں قیام کیا۔ اتنے میں ابو عبیدہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پہنچ گئے۔ انہوں نے تمام فوج کی سپہ سالاری اپنے ہاتھ میں لی۔ ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سواروں کی سرداری سپرد کر کے مقام خنان ہی میں چھوڑا اور خود مقام نمارق میں جابان پر حملہ آور ہوئے۔ بڑی خون ریز جنگ ہوئی۔ آخر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بذات خود اللہ اکبر کہہ کر لشکر ایران پر سخت حملہ کیا اور ان کی صفوف کو درہم برہم کر کے جمعیت کو منتشر کر دیا۔ مسلمانوں نے

اپنے سپہ سالار کی اقتداء میں جی توڑ کر اپنے شیرانہ وجواں مردانہ حملے کیے کہ ایرانی میدان خالی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ ایرانی سپہ سالار جابان کو اسلامی لشکر کے ایک بہادر مطر بن فضہ ربیع نے گرفتار کر لیا، جس کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ سپہ سالار ہے جابان نے اس سے کہا کہ تم مجھ کو گرفتار کر کے کیا کرو گے۔ میں تم کو دو نہایت قیمتی غلام دوں گا۔ تم مجھ کو امان دے دو۔ مطر نے اس کو امان دے کر چھوڑ دیا۔ جب وہ چھوٹ کر چلا تو ایک اور شخص نے اس کو پہچان کر گرفتار کر لیا اور ابو عبیدہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا کہ یہ ایرانی سپہ سالار ہے۔ اس نے دھوکہ دے کر امان حاصل کی تھی۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے مطر بن فضہ کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہاں! میں نے اس کو امان دی ہے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ایک مسلمان نے اس کو امان دے دی ہے تو اب اس کے خلاف عمل درآمد کرنا کسی مسلمان کو جائز نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر جابان کو بہ حفاظت میدان جنگ سے رخصت کر دیا۔ جابان وہاں سے روانہ ہو کر اپنی مفروز فوج سے جا ملا اور یہ تمام فراری مقام سکسر میں نرسی کے پاس پہنچے۔

فتح سکسر:

نرسی پہلے سے تیس ہزار فوج لیے ہوئے سکسر میں مقیم تھا۔ اب جابان اور اس کی ہزیمت خوردہ فوج بھی اس کے پاس آ گئی۔ دربار ایران کو جب جابان کی شکست کا حال معلوم ہوا تو رستم نے مدائن سے ایک عظیم الشان فوج جالینوس نامی سردار کی سرکردگی میں نرسی کی امداد کے لیے سکسر کی جانب روانہ کی مگر ابو عبیدہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے جالینوس کے پہنچنے سے پہلے ہی نشیبی سکسر کے مقام سقاطیہ میں نرسی کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ نرسی کے ساتھ شاہی خاندان کے دو اور ماتحت سردار تھے۔ ان ایرانی شہزادوں نے قلب اور میمنہ و میسرہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر حملہ کیا۔ مسلمانوں کی فوج میں قلب لشکر کو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ لیے ہوئے تھے۔ سعد بن عبیدہ رضی اللہ عنہ میمنہ کے سردار تھے اور سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ میسرہ کے۔ ثنی رضی اللہ عنہ مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ نہایت زور شور کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی۔ ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لڑائی طول کھینچ رہی ہے تو انہوں نے اپنے دستے کو جدا کر کے اور چار کوس کا چکر کاٹ کر ایرانی فوج کے عقب میں پہنچ کر حملہ کیا۔ نرسی نے اس غیر مترقبہ حملہ روکنے کے لیے اپنی فوج کے ایک حصہ کو اس طرف متوجہ کیا۔ سعد بن عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک زبردست حملہ کیا اور خاص نرسی کے سر پر جا پہنچے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی صفوں کو چیرتے اور درہم برہم کرتے ہوئے ایرانی لشکر کے سمندر میں شناوری کرنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر مسلمانوں نے نعرہ

تکبیر کے ساتھ ایک زبردست حملہ کیا کہ ایرانی میدان کو خالی کرنے لگے۔ نرسی سعد بن عبیدؓ کے مقابلہ میں نہ جم سکا اور جان بچا کر پیچھے ہٹا۔ نرسی، کے بھاگتے ہی تمام لشکر بھاگ پڑا۔ ثنیؓ نے مغرورین کا تعاقب کیا اور باقی لشکر نے قیدیوں کو سنبھال کر ایرانیوں کے خیموں اور بازاروں پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد ابو عبیدہؓ نے ثنیؓ، عاصم اور سلیطؓ کو فوجی افسر دے کر ارد گرد کے ان مقامات کی طرف روانہ کیا جہاں ایرانی لشکر کے موجود ہونے کی خبر پہنچی تھی۔ ان سرداروں نے ہر جگہ فتح حاصل کر کے تمام علاقہ سواد کو تسخیر کر لیا۔

جنگ باقتیا:

جالینوس کسکر تک نہ پہنچنے پایا تھا کہ نرسی کو شکست فاش حاصل ہو گئی۔ اس شکست کی خبر سن کر وہ باقتیا میں رک گیا۔ ابو عبیدہؓ نے سقاطیہ اور کسکر سے روانہ ہو کر باقتیا میں جالینوس پر حملہ کیا اور جالینوس تاب مقادمت نہ لا کر وہاں سے بھاگا اور مدائن میں جا کر دم لیا۔

ابو عبیدہ مسعود ثقفیؓ کا آخری کارنامہ:

جالینوس جب شکست کھا کر مدائن میں پہنچا تو تمام دربار اور دارالسلطنت میں ہلچل مچ گئی۔ رستم نے جو سلطنت ایران کا مدارا لمہام تھا، سردربار اعلان کیا کہ کون سا بہادر ہے جو لشکر عرب کی پیش قدمی کو روک سکتا ہے اور اب تک کی ایرانی شکستوں کا انتقام عربوں سے لے سکتا ہے، سب نے بالاتفاق کہا کہ بہمن جادویہ کے سوا اور کوئی ایسا تجربہ کار اور بہادر سپہ سالار نظر نہیں آتا۔ چنانچہ بہمن جادویہ کو رستم نے تین ہزار فوج اور تین سو جنگی ہاتھی نیز ہر قسم کا سامان جنگ اور سامان رسد دے کر روانہ کیا اور اس کی کمک کے لیے جالینوس کو مقرر کر کے بہمن جادویہ سے کہا کہ اگر اب کی مرتبہ بھی جالینوس میدان سے بھاگا تو ضرور اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ بہمن جادویہ کو ”دش کا دیانی“ بھی دیا گیا۔ جس کی نسبت ایرانیوں کا عقیدہ تھا کہ جس فوج کے ساتھ یہ جھنڈا ہوتا ہے، اس کو کبھی شکست نہیں ہوتی۔ بہمن جادویہ پورے ساز و سامان اور بڑے کروفر کے ساتھ مدائن سے روانہ ہوا۔ راستے میں جس قدر شہر اور قصبہ اور قریے آتے تھے، بہمن جادویہ ہر جگہ سے لوگوں کو عرب فوج کے مقابلہ پر آمادہ کر کے اپنے ساتھ لیتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دریائے فرات کے کنارے مقام قس ناطف میں آ کر مقیم ہوا۔ ادھر سے ابو عبیدہ بن مسعودؓ اس لشکر عظیم کی آمد کا حال سن کر مقام کسکر

سے روانہ ہوئے اور دریائے فرات کے اس کنارے پر مقام مروہ میں مقیم ہوئے۔ چونکہ دریائے فرات بیچ میں حائل تھا، لہذا دونوں لشکر چند روز تک خاموش پڑے رہے۔ بالآخر فریقین کی رضامندی سے دریائے فرات پر پل تیار کیا گیا۔ جب پل بن کر تیار ہو گیا تو بہمن جادویہ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم دریا کو عبور کر کے اس طرف آتے ہو یا ہم کو دریا کے اس طرف بلاتے ہو؟ اگرچہ دوسرے سرداروں کی رائے یہی تھی کہ اہل فارس کو دریا کے اس طرف بلانا چاہیے لیکن ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہی پسند کیا کہ ہم دریا کے اس پار جا کر ایرانیوں کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ وہ اسلامی لشکر لے کر دریا کے اس طرف گئے۔ وہاں ایرانی لشکر اور دریائے فرات کے درمیان بہت ہی تھوڑا سا میدان تھا جو لشکر اسلام کے پہنچنے سے کچھ کچھ بھر گیا۔ بہر حال صفیں آراستہ کر کے فریقین نے میدان کا رزار گرم کیا۔ بہمن جادویہ نے ہاتھیوں کی صف کو لشکر کے آگے رکھا۔ ان پر تیر انداز بیٹھے ہوئے تھے اور وہ لشکر اسلام پر تیر اندازی کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے گھوڑوں نے اس سے پیشتر کبھی ہاتھی نہ دیکھے تھے۔ لہذا جب مسلمان حملہ آور ہوتے، ان کے گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر پدکتے اور بے قابو ہو کر ادھر ادھر بھاگتے۔ لڑائی کا یہ عنوان دیکھ کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ پیادہ ہو کر حملہ کرو۔ یہ حملہ بڑی جان بازی و مردانگی کے ساتھ کیا گیا لیکن ہاتھیوں نے جب اسلامی صفوف پر حملہ کرنا اور کچلنا شروع کیا تو مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہونے لگیں۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے لوگوں کو جرات دلائی اور کہا کہ ہاتھیوں کی سونڈوں کو تلوار سے کاٹو۔ یہ کہہ کر انہوں نے خود ہاتھیوں پر حملہ کیا اور یکے بعد دیگرے کئی ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ کر ان کے اگلے پاؤں تلوار کی ضرب سے کاٹے اور اس طرح ہاتھیوں کو گرا کر ان کے سواروں کو قتل کیا۔

اپنے سپہ سالاروں کی یہ بہادری دیکھ کر دوسروں کو بھی جرات ہوئی اور مسلمانوں نے ایرانی ہاتھیوں کے مقابلہ میں شیرانہ حملہ کیے۔ عین اس حالت میں کہ معرکہ کا رزار تیزی سے گرم تھا، ابو عبیدہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سپہ سالار لشکر اسلام پر جنگی ہاتھی نے حملہ کیا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے نہایت چابکدستی سے تلوار کا وار کیا اور ہاتھی کی سونڈ کٹ کر الگ جا پڑی لیکن ہاتھی نے اسی حالت میں آگے بڑھ کر ان کو گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھ دیا جس سے ان کی پسلیاں چور چور ہو گئیں۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے بھائی حکم نے فوراً آگے بڑھ کر علم اپنے ہاتھ میں لیا لیکن وہ بھی ہاتھی پر حملہ آور ہو کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرح شہید ہو گئے۔ ان کے بعد قبیلہ بنو ثقیف کے اور چھ آدمیوں نے یکے بعد

دیگرے علم ہاتھ میں لیا اور جام شہادت نوش کیا۔ آٹھویں شخص جنہوں نے علم کو سنبھالا، ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے علم ہاتھ میں لیتے ہی مدافعت اور استقامت میں جرأت کا اظہار کیا لیکن لوگ اپنے سات سرداروں کو یکے بعد دیگرے قتل ہوتے دیکھ کر اور ہاتھیوں کی حملہ آوری کی تاب نہ لا کر فرار پر آمادہ ہو چکے تھے۔ ان بھاگنے والوں کو روکنے کے لیے عبداللہ بن مرثد ثقفی نے جا کر پل کے تختے توڑ دیے اور رے سے کاٹ دیے اور کہا کہ لوگو! اب بھاگنے کا راستہ بھی بند ہو گیا۔ لہذا مروجس طرح تمہارے بھائی اور تمہارے سردار شہید ہو چکے ہیں۔ پل کے ٹوٹنے سے یہ خرابی ہوئی کہ لوگ دریا میں کودنے اور پانی میں غرق ہونے لگے۔ ثنی رضی اللہ عنہ بچی کھچی فوج کو سمیٹ کر اور ابو بھن ثقفی وغیرہ سرداروں کو ہمراہ لے کر میدان میں ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ ساتھ ہی پل کے تیار کرنے کا حکم دیا اور تمام لشکر میں اعلان کرایا کہ میں ایرانی لشکر کو آگے بڑھنے سے روکے ہوئے ہوں۔ ثنی رضی اللہ عنہ نے بڑی بہادری اور جانبازی کے ساتھ ایرانیوں کے حملے کو روکا اور جب مسلمان دریا کے دوسری طرف عبور کر گئے، تب سب سے آخر میں خود پل کے راستے اس طرف آئے۔ مسلمانوں کی تعداد نو ہزار تھی، جس میں سے چار ہزار اور بروایت دیگر چھ ہزار شہید ہو گئے۔ سلیط بن قیس، عتبہ و عبداللہ پسران قبلی بن قیس، عبادہ بن قیس بن المسکن، ابوامیہ فزاری رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابی بھی انہیں شہدا میں شامل تھے۔ ایرانیوں کے بھی چھ ہزار آدمی مارے گئے لیکن اب تک کی تمام لڑائیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا اس لڑائی میں نسبتاً زیادہ نقصان ہوا اور اسی لڑائی میں ایسا اتفاق بھی ہوا کہ مسلمان ایرانیوں کے مقابلے سے فرار بھی ہوئے لیکن ہر ایک شخص جو فرار کی عار گوارا کرنے پر مجبور ہوا، مدت العمر ندامت و شرمندگی سے لوگوں کو اپنا منہ نہ دکھانا چاہتا تھا۔ بہمن جادویہ کی اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ فرات کو عبور کر کے مسلمانوں پر جو بہت ہی تھوڑے اور خستہ حالت میں رہ گئے تھے، حملہ آور ہوتا۔ وہ وہیں سے مدائن کی جانب چل دیا۔ یہ لڑائی ماہ شعبان سنہ ۱۳ھ کو واقع ہوئی۔

جنگ بویب:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جب ابو عبیدہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور مسلمانوں کے نقصان عظیم کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے خاص اہتمام کے ساتھ ایرانیوں کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کیں۔ قبائل کی طرف قاصد بھیجے اور لوگوں کو لڑائی کے لیے ترغیب دی۔ چنانچہ متعدد قبائل فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدینہ منورہ سے ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے عراق کی طرف روانہ کیے گئے۔ ثنی رضی اللہ عنہ نے بھی عراق عرب میں فوجی بھرتی جاری کر کے ایک نئی فوج عراق عرب کی مرتب فرمائی تھی۔

ان تیاریوں کا حال دوبارہ ایران کو معلوم ہوا تو وہاں سے رستم (ایران کا وزیر اعظم اور وزیر جنگ) نے مہران ہمدانی کو سالار جنگ بنا کر بارہ ہزار منتخب فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ مہران کے انتخاب کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے ملک عرب میں تربیت و پرورش پائی تھی اور وہ اہل عرب اور عربی لشکر کی قوت کا صحیح اندازہ کر سکتا تھا۔ ثنی رضی اللہ عنہ نے مہران ہمدانی کی روانگی کا حال سن کر اپنی تمام افواج کو دریائے فرات کے کنارے مقام بویب میں مجتمع کیا۔ مہران بھی بویب کے بالمقابل فرات کے دوسرے کنارے پہنچ کر خیمہ زن ہوا اور ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم خود دریائے فرات کو عبور کر کے اس طرف آؤ یا ہم کو دریائے فرات کے عبور کرنے کا موقع دو کہ ہم اس طرف آ کر صفوں آراستہ کریں۔ ثنی رضی اللہ عنہ چونکہ گزشتہ جنگ میں دریا کے عبور کرنے کا تلخ تجربہ دیکھ چکے تھے، لہذا انہوں نے جواباً کہلا بھیجا کہ تم ہی فرات کو عبور کر کے اس طرف آ جاؤ۔ چنانچہ مہران اپنی تمام ایرانی افواج اور جنگی ہاتھیوں کو لے کر دریا کے اس طرف آیا اور سب سے آگے پیادوں کو رکھ کر ان کے پیچھے ہاتھیوں کی صفوں کو کھڑا کیا، جن پر تیر انداز سوار تھے۔ دائیں بائیں سواروں کے دستے تھے۔ ادھر سے اسلامی فوج بھی مقابلہ کے لیے صف بستہ ہو کر تیار ہو گئی۔ ایرانیوں نے حملہ کیا۔ مسلمانوں نے ان کا بڑی پامردی اور جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ طرفین سے خوب خوب داد شجاعت دی گئی۔ بالآخر ایران کو مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ جب ایرانیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار اسلام نے دوڑ کر پل کو توڑ دیا تاکہ ایرانی بآسانی دریا کو عبور کر کے بھاگ نہ سکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ایرانی قتل ہوئے اور بہت سے غرق دریا ہوئے۔ مہران ہمدانی میدان جنگ میں مارا گیا۔ ایرانی لشکر کے تقریباً ایک لاکھ آدمی (بروایت ابن خلدون) اس لڑائی میں مقتول ہوئے اور مسلمانوں کے لشکر سے صرف سو آدمی شہید ہوئے۔ ایرانی لشکر سے جو بچ کر بھاگے، ان کا تعاقب مسلمانوں نے مقام ساباط تک کیا۔ اس لڑائی کے بعد سواد سے دجلہ تک کا تمام علاقہ مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں آ گیا۔ یہ لڑائی ماہ رمضان سنہ ۱۳ھ میں ہوئی۔

بویب کی شکست:

مہران کے قتل اور لشکر عظیم کی بربادی کا حال معلوم ہو کر نہ صرف دربار ایران بلکہ تمام ملک ایران میں کہرام برپا ہو گیا۔ لڑائی کے اس نتیجہ کا حال سن کر کہ ایک لاکھ ایرانی اور ایک سو عرب مقتول ہوئے، ہر شخص حیران ہو جاتا تھا۔ غرض ایرانیوں کے دلوں پر عربوں کی بہادری کا زبردست سکہ بیٹھ گیا۔ اس وقت اگرچہ ایران کے تمام امور سلطنت رستم بن فرخ زاد کے ہاتھ میں تھے لیکن تخت ایران پر برائے نام ایک عورت جو شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی، تخت نشین تھی۔ اس شکست فاش اور نقصان عظیم کا حال سن کر ہر ایک شخص کی زبان پر یہ فقرہ جاری تھا کہ عورت کی سلطنت میں فوج کا فتح مند ہونا دشوار ہے۔ چنانچہ تمام رؤسا ملک اور امراء دربار نے شاہی خاندان کے ایک نوجوان یزدجرد کو تلاش کیا اور اس عورت کو تخت سے اتار کر یزدجرد کو تخت سلطنت پر بٹھایا۔ دربار میں رستم اور فیروز دوسرے بہت قابو یافتہ اور با اثر، نیز ایک دوسرے کے مخالف اور رقیب تھے۔ ان دونوں میں مصالحت پیدا کی گئی۔ یزدجرد کی عمر تخت نشینی کے وقت ۲۱ سال تھی۔ یزدجرد کے تخت نشین ہوتے ہی امراء و رؤسا نے اپنی مخالفتوں کو فروموش کر کے ملک و سلطنت کی حفاظت و خدمت کے لیے کمر باندھی اور تمام وہ صوبے دار جو دربار ایران کی بدانتظامیوں کے سبب سے بد دل ہو رہے تھے، یک لخت چستی و مستعدی کا اظہار کرنے لگے اور سلطنت ایران میں عربوں کے مقابلے کی ایک تازہ روح پیدا ہو گئی۔ جن صوبوں اور شہروں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا، ان میں بغاوت اور سرکشی کے طوفان برپا ہونے لگے۔ ایرانی چھاؤنیاں فوجوں سے پر ہو گئیں۔ ایرانی قلعے سب مضبوط کر دیے گئے۔ ایرانیوں کا سہارا پا کر بہت سے علاقے جو مسلمانوں کے قبضے میں تھے، باغی ہو کر ایرانیوں کا دم بھرنے لگے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا خود ایرانیوں کے مقابلہ پر آمادہ ہونا:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ حالت مدینہ منورہ میں ذیقعدہ کے مہینے میں معلوم ہوئی۔ آپ نے اسی وقت ایک حکم تو ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نام بھیجا کہ ربیعہ اور مضر کے قبائل کو جو عراق اور مدینہ کے درمیان نصف راستے سے اس طرف آباد ہیں، خود اپنے پاس طلب کرو اور اپنی جمعیت کو اس طرح طاقتور بناؤ اور مخدوش علاقے کو خالی کر کے سرحد عرب کی طرف سمٹ آؤ۔ ساتھ ہی اپنے تمام عاملوں کے نام احکام روانہ کیے کہ ہر قبیلے سے جنگجو لوگ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے بھیجے جائیں۔ ان

احکام کی روانگی کے بعد آپ حج بیت اللہ کے لیے مدینہ سے مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو ملک کے ہر حصے سے لوگوں کے گروہ آنے شروع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام میدان مدینہ آدمیوں سے پر نظر آنے لگا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے طلحہ رضی اللہ عنہ کو ہراول کا سردار مقرر فرمایا۔ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو میمنہ پر اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو میسرہ پر مقرر فرما کر خود سپہ سالار بن کر اور فوج لے کر روانگی کا عزم فرمایا۔ علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور فوج لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور چشمہ ضرار پر آ کر قیام کیا۔ اس تمام فوج میں لڑائی کے لیے بڑا جوش پیدا ہو گیا تھا کیونکہ خلیفہ وقت خود اس فوج کا سپہ سالار تھا۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کا خود ایران جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تمام سرداران فوج اور عام لشکری لوگوں کو ایک جلسہ عظیم میں مخاطب کر کے مشورہ طلب کیا تو کثرت رائے خلیفہ وقت کے ارادے کے موافق ظاہر ہوئی یعنی لشکری لوگوں نے خلیفہ وقت کے بہ حیثیت سپہ سالار ملک ایران کی طرف جانے کو مناسب سمجھا لیکن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس رائے کو ناپسند کرتا ہوں۔ خلیفہ وقت کا خود مدینہ سے تشریف لے جانا خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ اگر کسی سردار کو میدان جنگ میں ہزیمت حاصل ہو تو خلیفہ وقت بآسانی اس کا تدارک کر سکتے ہیں، لیکن اللہ نہ کرے کہ خود خلیفہ وقت کو میدان جنگ میں کوئی چشم زخم پہنچے تو پھر مسلمانوں کے کام کا سنبھلنا دشوار ہو جائے گا۔ یہ سن کر مدینہ منورہ سے علی رضی اللہ عنہ بھی بلوائے گئے اور تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق مشورہ کیا گیا۔ علی اور تمام جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دوبارہ لشکری لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ خود عراق کی جانب جانے کو تیار تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام صاحب الرائے حضرات میرے جانے کو ناپسند کرتے ہیں۔ لہذا میں مجبور ہوں اور کوئی دوسرا شخص تمہارا سپہ سالار بن کر تمہارے ساتھ جائے گا۔ اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ کس کو سپہ سالار عراق بنا کر بھیجا جائے؟ علی رضی اللہ عنہ نے انکار فرمایا، ابو عبیدہ و خالد رضی اللہ عنہما ملک شام میں مصروف پیکار تھے۔

اسی غور و فکر کی حالت میں عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک شخص کا نام لیتا ہوں کہ اس سے بہتر دوسرا شخص نہیں بتایا جاسکتا۔ یہ کہہ کر انہوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ سب

نے ان کی تائید کی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی پسند فرمایا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور بڑے عالی مرتبہ صحابی تھے۔ ان دنوں سعد رضی اللہ عنہ قبیلہ ہوازن کے صدقات کی وصولی پر مامور تھے۔ اسی وقت ان کو خط لکھ کر بھیجا گیا کہ فوراً مدینہ کی طرف آؤ۔ چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ چند روز کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ لشکر مقام ضرار میں مقیم رہا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مناسب ہدایات کیں اور ہر ایک چھوٹے بڑے واقعے سے اطلاع دیتے رہنے کی تاکید کر کے اور سپہ سالار افواج بنا کر روانہ کیا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ چار ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے اور اٹھارہ منزلیں طے کر کے مقام ثعلبہ میں پہنچ کر مقیم ہوئے۔ سعد رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دو ہزار بمینی اور دو ہزار نجدی بہادروں کا لشکر سعد رضی اللہ عنہ کی کمک کے لیے روانہ فرمایا جو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے آ ملے۔ ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ موضع ذی وقار میں آٹھ ہزار آدمیوں کا لشکر لیے ہوئے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی آمد کے منتظر پڑے تھے کہ سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر فرات کی طرف بڑھیں۔ ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ واقعہ جسر میں زخمی ہو گئے تھے۔ ان کے زخموں کی حالت روز بہ روز خراب ہوتی گئی۔ بالآخر جب کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مقام ثعلبہ میں جا کر فروکش ہوئے ہیں تو وہاں خبر پہنچی کہ ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ملک عراق میں:

ثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے فوت ہوتے وقت اپنی جگہ بشیر بن حصامہ رضی اللہ عنہ کو اپنی فوج کا سردار تجویز فرما دیا تھا۔ اس وقت آٹھ ہزار فوج ثنی رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے راستہ اور راستے کی منزلیں بھی خود مقرر فرما دی تھیں اور روزانہ ہدایات بھیجتے رہتے تھے اور لشکر اسلام کی خبریں منگواتے رہتے تھے۔ جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مقام ثعلبہ سے مقام سیراف کی جانب روانہ ہوئے تو راستے میں قبیلہ بنی اسد کے تین ہزار جوان جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم نامہ کے موافق سرراہگور منتظر تھے، رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہو گئے۔ مقام سیراف میں پہنچے تو یہاں اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ حکم فاروقی رضی اللہ عنہ کے موافق اپنے قبیلے کے دو ہزار غازیوں کو لے کر حاضر اور لشکر سعد رضی اللہ عنہ میں شامل ہوئے۔ اسی جگہ ثنی رضی اللہ عنہ کے بھائی معنی بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ، سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ تمام ضروری ہدایتیں جو ثنی رضی اللہ عنہ نے فوت ہوتے وقت فوج اور دشمن کی جنگ کے متعلق بیان فرمائی تھیں، بیان کیں۔ اسی جگہ وہ آٹھ ہزار کا لشکر بھی جو ثنی رضی اللہ عنہ کے

پاس تھا، لشکر سعد (رضی اللہ عنہ) میں آ کر شامل ہو گیا۔ سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) نے اس جگہ لشکر اسلام کا جائزہ لیا تو بیس اور تیس ہزار کے درمیان تعداد تھی جس میں تین سو صحابی ایسے تھے جو بیعت رضوان میں موجود تھے اور ستر صحابی ایسے تھے جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔ سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) ابھی مقام سیراف ہی میں مقیم تھے کہ فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) کا فرمان ان کے نام پہنچا کہ ”قادیسیہ کی طرف بڑھو اور قادیسیہ میں پہنچ کر اپنے مورچے ایسے مقام پر قائم کرو کہ تمہارے آگے فارس کی زمین ہو اور تمہارے پیچھے عرب کے پہاڑ ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو فتح نصیب کرے تو جس قدر چاہو بڑھتے چلے جاؤ لیکن اللہ نہ کرے، معاملہ برعکس ہو تو پہاڑ پر آ کر ٹھہرو اور پھر خوب چوکس ہو کر حملہ کرو۔“ سعد (رضی اللہ عنہ) نے اس حکم کے موافق مقام سیراف سے کوچ کیا اور زبیر بن عبد اللہ بن قتادہ (رضی اللہ عنہ) کو مقدمۃ الحیش کا، عبد اللہ بن المغصم (رضی اللہ عنہ) کو میمنہ کا، شرحبیل بن السمط کنذی (رضی اللہ عنہ) کو میسرہ کا، عاصم بن عمرو تمیمی (رضی اللہ عنہ) کو ساقہ کا سردار مقرر کیا۔ لشکر سعد (رضی اللہ عنہ) میں سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) سامان رسد کے افسر اعلیٰ تھے۔ عبد الرحمن بن ربیعہ باہلی (رضی اللہ عنہ) قاضی و خزائنچی تھے۔ ہلال ہجری (رضی اللہ عنہ) مترجم اور زیاد بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کا تب یا سیکرٹری تھے۔ سعد (رضی اللہ عنہ) اپنا لشکر لیے ہوئے مقام سیراف سے قادیسیہ کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں مقام غدیب آیا جہاں ایرانیوں کا میگزین تھا۔ اس پر قبضہ کرتے ہوئے قادیسیہ پہنچے۔ قادیسیہ پہنچ کر لشکر فارس کے انتظار میں قریباً دو ماہ انتظار کرنا پڑا۔ اس زمانہ میں لشکر اسلام کو جب سامان رسد کی ضرورت ہوتی تو ایرانی علاقوں پر مختلف دستے چھاپے مارتے اور ضروری سامان حاصل کرتے۔

مدائن سے رستم کی روانگی:

دارالسلطنت ایران میں پیہم خبریں پہنچنی شروع ہوئیں کہ قادیسیہ میں عربی لشکر کا قیام ہے اور فرات وغیرہ کا درمیانی علاقہ عربوں نے لوٹ کر ویران کر دیا ہے۔ قادیسیہ کے متصلہ علاقوں کے لوگ دربار میں شاکی بن کر پہنچنے شروع ہوئے کہ جلد کچھ تدارک ہونا چاہیے، ورنہ ہم سب مجبوراً عربوں کی فرماں برداری اختیار کر لیں گے۔ دربار ایران میں رستم بہت عقلمند اور تجربہ کار شخص تھا۔ اس کی رائے آخر تک یہی رہی کہ عربوں کو ان کے حال پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو جنگ و پیکار کے مواقع کو ٹال دیا جائے لیکن یزدگرد بادشاہ ایران نے ان خبروں کو سن کر اپنے وزیر جنگ رستم کو طلب کیا اور حکم دیا تو خود لشکر عظیم لے کر قادیسیہ کی طرف روانہ ہو اور عربوں کے روز روز کے جھگڑے

کو پورے طور پر ختم کر دے۔ رستم چاہتا تھا کہ یکے بعد دیگرے دوسرے سرداروں کو روانہ کرے اور مسلسل طور پر لڑائی کے سلسلہ کو جاری رکھے لیکن یزدجرد کے اصرار پر مجبوراً رستم کو مدائن سے روانہ ہونا پڑا۔ رستم نے مدائن سے روانہ ہو کر مقام ساباط میں قیام کیا اور ملک کے ہر حصہ سے افواج آ کر اس کے گرد جمع ہونی شروع ہوئیں۔ یہاں تک کہ ڈیڑھ لاکھ ایرانی لشکر ساباط میں رستم کے گرد فراہم ہو گیا، جو ہر طرح سامان حرب سے مسلح اور لڑائی کے جوش و شوق میں ڈوبا ہوا تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دربار خلافت میں ایرانیوں کی جنگی تیاریوں اور نقل و حرکت کے حالات بھیجے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تم ایرانیوں کی کثرت افواج اور ساز و سامان کی فراوانی دیکھ کر مطلق خائف و مضطرب نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرتے رہو اور قبل از جنگ چند آدمیوں کی ایک سفارش یزدجرد شاہ ایران کے پاس بھیجو تاکہ وہ دربار ایران میں جا کر دعوت اسلام کے فرض سے سبکدوش ہوں اور شاہ فارس دعوت اسلام کو قبول نہ کرے تو اس انکار کا وبال بھی اس پر پڑے۔ اس حکم کے پہنچنے پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام سے سمجھدار، خوش گفتار، وجیہ، بہادر اور ذی حوصلہ حضرات کو منتخب کر کے قادسیہ سے مدائن کی جانب روانہ کیا۔

اسلامی سفارت:

اس سفارت میں جو قادسیہ سے مدائن کی جانب روانہ ہوئے، مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے: نعمان بن مقرن، قیس بن زرارہ، اشعث بن قیس، فرات بن حبان، عاصم بن عمر، عمرو بن معدیکرب، مغیرہ بن شعبہ، معنی بن حارثہ، عطار بن حاسب، بشیر بن ابی رہم، حنظلہ بن الربیع، عدی بن سہیل رضی اللہ عنہ۔ یہ تمام حضرات اپنے عربی گھوڑوں پر سوار راستے میں رستم کے لشکر کو چھوڑتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے۔ وہاں یزدجرد نے ان سفیروں کے آنے کی خبر سن کر دربار کو خوب آراستہ کیا۔ جب یہ اسلامی سفیر دربار میں اپنی سادہ سپاہیانہ وضع کے ساتھ داخل ہوئے تو تمام درباریان کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اول یزدجرد نے ان سے معمولی سوالات کیے اور ان کے باصواب جواب پا کر دریافت کیا کہ تم لوگوں کو ہمارے مقابلے کی جرأت کیسے ہوئی؟ اور تم کس طرح اس بات کو بھول گئے کہ تمہاری قوم اس دنیا میں ذلیل و احمق قوم سمجھی جاتی ہے۔ کیا تم اس بات کو بھی بھول گئے ہو کہ جب کبھی تم لوگوں سے کوئی سرکشی یا بغاوت دیکھی جاتی تھی تو ہم اپنی سرحدوں کے عاملوں اور صوبے

داروں کو حکم دیا کرتے تھے کہ تم کو سیدھا کر دیں۔ چنانچہ وہ تم کو ٹھیک بنا دیا کرتے تھے۔ یہ سن کر نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم دنیا سے بت پرستی اور شرک مٹانے کی کوشش کرتے اور تمام دنیا کے سامنے اسلام پیش کرتے ہیں کہ اسلام ہی کے ذریعہ سے انسان سعادت انسانی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام قبول نہیں کرتا تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی حفاظت و سرپرستی میں سپرد کر دے اور جزیہ ادا کرے لیکن اگر وہ اسلام اور ادائے جزیہ دونوں باتوں سے انکار کرتا ہے تو اس کے اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

قیس بن زرارہ کی تقریر:

یزدجرد اس گفتگو کو سن کر برا فروختہ ہوا لیکن ضبط کر کے بولا کہ تم لوگ محض وحشی لوگ ہو۔ تمہاری تعداد بھی کم ہے۔ تم ہمارے ملک کے کسی حصہ کی طمع نہ کرو۔ ہم تم پر اس قدر احسان کر سکتے ہیں کہ تم کو کھانے کے لیے غلہ اور پہننے کے لیے کپڑا دے دیں اور تمہارے اوپر کوئی ایسا حاکم مقرر کر دیں جو تمہارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔ اس بات کو سن کر قیس بن زرارہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور کہا کہ یہ لوگ جو تمہارے سامنے موجود ہیں، رؤسا و شرفائے عرب ہیں اور شرفائے عرب ایسی لغو باتوں کا جواب دینے سے شرم کرتے ہیں۔ میں تمہاری باتوں کا جواب دیتا ہوں اور یہ سب میری باتوں کی تصدیق کرتے جائیں گے۔ سنو! تم نے جو عرب کی حالت اور اہل عرب کی کیفیت بیان کی، درحقیقت ہم اس سے بھی بہ درجہ زیادہ خراب و ناقص حالت میں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا فضل و احسان کیا کہ ہماری ہدایت کے لیے نبی بھیجا۔ جس نے ہم کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کی اور حق و صداقت کے دشمنوں کو مغلوب و ذلیل کیا اور دنیا میں فتوحات ہونے کا ہم کو وعدہ دیا۔ پس تمہارے لیے اب مناسب یہی ہے کہ تم ہم کو جزیہ دینا منظور کرو یا اسلام قبول کرو ورنہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کر دے گی۔

یزدجرد اس کلام کو سن کر آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے کہا کہ اگر سفیروں کا قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تم کو ضرور قتل کر دیتا، پھر اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ ایک مٹی کو ٹوکری بھر کر لاؤ اور جو شخص ان میں سردار ہے، ان کے سر پر رکھ دو اور اسی حالت میں اس کو مدائن سے باہر نکال دو، پھر بولا کہ رستم بہت جلد تم سب کو قادیسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔ اتنے میں مٹی کی ٹوکری آ گئی۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے فوراً اٹھ کر وہ ٹوکری اپنے کا ندھے پر اٹھالی اور کہا کہ میں اس وفد کا سردار ہوں۔ یہ سب حضرات یزدجرد

کے دربار سے نکلے اور اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر مٹی کی وہ ٹوکری لیے ہوئے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ ملک ایران کی فتح مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ملک کی مٹی ہم کو عطا کی ہے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی اس تقاول ^① سے بہت ہی خوش ہوئے۔

ان سفراء کی واپسی کے بعد دربار ایران سے رستم کے پاس ساباط میں تازہ احکام پہنچے اور مکمل سردار بھی روانہ کیے گئے۔ ساٹھ ہزار فوج کا بڑا حصہ خاص رستم کے زیرِ کمان تھا۔ مقدمہٴ آگیش کا سردار جالینوس تھا جس کے ہمراہ چالیس ہزار کا لشکر تھا۔ بیس ہزار فوج ساتھ میں تھی۔ مہمنہ پر تمیں ہزار کی جمعیت کے ساتھ ہرمزان اور میسرہ پر تمیں ہزار کی جمعیت کے ساتھ مہران بن بہرام رازی تھا۔ اس طرح کل ایرانی لشکر کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کے علاوہ ایک سو جنگی ہاتھی قلب میں رستم کے ساتھ تھے۔ چھتر ہاتھی مہمنہ میں اور چھتر میسرہ میں، بیس ہاتھی مقدمہٴ آگیش میں اور تمیں ساتھ میں تھے۔ اس ترتیب و سامان کے ساتھ رستم ساباط سے روانہ ہو کر مقام کوٹا میں پہنچا اور وہاں خیمہ زن ہوا۔ قادسیہ اور مدائن کے درمیان تمیں چالیس کوس کا فاصلہ تھا۔ ایرانی اور اسلامی لشکروں کا فاصلہ اب بہت ہی کم رہ گیا تھا۔ طرفین سے چھوٹے چھوٹے دستے ایک دوسرے پر چھاپہ مارنے اور سامانِ رسد لوٹنے کے لیے ہر روز روانہ ہوتے رہتے تھے۔ رستم لڑائی کو ٹالنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے مدائن سے قادسیہ تک پہنچنے میں چھ مہینے صرف کر دیے۔ مقام کوٹا سے روانہ ہو کر رستم قادسیہ کے سامنے پہنچا اور مقام عتیق میں خیمہ زن ہوا۔ دربار ایران سے بار بار رستم کے پاس تقاضوں کے پیغام آتے تھے کہ جلد عربوں کا مقابلہ کرو۔ رستم یہ چاہتا تھا کہ بلا مقابلہ کام چل جائے تو اچھا ہے۔ چنانچہ اس نے قادسیہ پہنچ کر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم اپنے کسی سفیر کو ہمارے پاس بھیج دو تاکہ ہم اس سے مصالحت کی گفتگو کریں۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر رستم کے پاس روانہ کیا۔ رستم نے بڑے تکلف اور شان و تجل کے ساتھ دربار کیا۔ سونے کا تخت بچھوایا اور اس کے چاروں طرف دیبا و حریر اور رومی قالینوں کا فرش کرایا۔ تکیوں اور شامیانوں کی جھالریں سچے موتیوں کی تھیں۔ غرض ربی بن عامر رضی اللہ عنہ اس شان و شوکت والے دربار میں داخل ہوئے اور گھوڑے کو ایک گاؤں تک سے جو لب فرش پڑا ہوا تھا، باندھ کر تیر کی انی ٹیکتے ہوئے اس فرش کو چاک و سوراخ دار بناتے ہوئے تخت کی

طرف بڑھے اور بڑھ کر رستم کے برابر جا بیٹھے۔ لوگوں نے ربیع رضی اللہ عنہ کو تخت سے نیچے اتارنا اور ان کے ہتھیاروں کو علیحدہ کرنا چاہا تو ربیع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں تمہارے یہاں تمہارے طلب کرنے پر آیا ہوں۔ خود اپنی کوئی استدعا لے کر نہیں آیا۔ ہمارے دین میں اس کی سخت ممانعت ہے کہ ایک شخص معبود بن کر بیٹھے اور باقی آدمی بندوں کی طرح ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑے ہوں۔ رستم نے اپنے آدمیوں کو خود منع کر دیا کہ کوئی شخص اس کے حال سے معترض نہ ہو مگر کچھ سوچ کر ربیع رضی اللہ عنہ خود رستم کے پاس سے اٹھے اور تخت سے اتر کر خنجر سے زمین پر بچھے ہوئے قالین اور فرش کو چاک کر کے نیچے سے خالی زمین نکال کر اس پر بیٹھ گئے اور رستم سے مخاطب ہو کر کہا کہ ہم کو تمہارے اس پر تکلف فرش کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا بچھایا ہوا فرش یعنی زمین کافی ہے۔ اس کے بعد رستم نے ترجمان کے ذریعہ سے ربیع رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اس جنگ و پیکار سے تمہارا مقصد کیا ہے.....؟

ربیع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دنیا کی تنگی سے دار آخرت کی وسعت میں لانا، ظلم اور مذاہب باطلہ کی جگہ عدل اور اسلام کی اشاعت کرنا چاہتے ہیں۔ جو شخص عدل اور اسلام پر قائم ہو جائے گا، ہم اس سے اور اس کے ملک و اموال سے معترض نہ ہوں گے۔ جو شخص ہمارے راستے میں حائل ہوگا، ہم اس سے لڑیں گے یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جائیں گے یا فتح مند ہوں گے۔ اگر تم جزیہ دینا منظور کرو گے تو ہم اس کو قبول کر لیں گے اور تم سے معترض نہ ہوں گے اور جب کبھی تم کو ہماری ضرورت ہوگی، تمہاری مدد کو موجود ہوں گے اور تمہارے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔ یہ باتیں سن کر رستم نے سوال کیا کہ کیا تم مسلمانوں کے سردار ہو؟ ربیع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں۔ میں ایک معمولی سپاہی ہوں لیکن ہم میں ہر ایک شخص خواہ ادنیٰ ہو، اعلیٰ کی طرف سے اجازت دے سکتا ہے اور ہر متنفس ہر معاملے میں پورا اختیار رکھتا ہے۔ یہ سن کر رستم اور اس کے درباری دنگ رہ گئے۔ پھر رستم نے کہا کہ تمہاری تلوار کی نیام بہت بوسیدہ ہے۔ ربیع رضی اللہ عنہ نے فوراً تلوار نیام سے کھینچ کر کہا کہ اس پر آب ابھی دکھائی گئی ہے۔ پھر رستم نے کہا کہ تمہارے نیزے کا پھل بہت چھوٹا ہے۔ یہ لڑائی میں کیا کام دیتا ہوگا؟ ربیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ پھل سیدھا دشمن کے سینے کو چھیدتا ہوا پار ہو جاتا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آگ کی چھوٹی سی چنگاری تمام شہر کو جلا ڈالنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اسی قسم کی نوک جھونک کی باتوں کے بعد رستم نے کہا کہ اچھا ہم

تمہاری باتوں پر غور کر لیں اور اپنے اہل اشخاص سے مشورہ بھی لے لیں۔ ربیع الثانی وہاں سے اٹھے اور اپنے گھوڑے کے پاس آ کر اس پر سوار ہو کر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔

دوسرے روز رستم نے سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ آج بھی میرے پاس اپنے ایلچی کو بھیج دیجیے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے حذیفہ بن محسن رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی اسی انداز میں اور اسی آزادانہ روش سے گئے جیسے کہ ربیع الثانی گزشتہ روز گئے تھے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ رستم کے سامنے پہنچ کر گھوڑے سے نہ اترے بلکہ گھوڑے پر چڑھے ہوئے اس کے تخت کے قریب پہنچ گئے۔ رستم نے کہا کہ کیا سبب ہے کہ آج تم بھیجے گئے ہو اور کل والے صاحب نہیں آئے؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمارا سردار عدل کرتا ہے۔ ہر خدمت کے لیے ہر ایک شخص کو موقع دیتا ہے۔ کل ان کی باری تھی، آج میری باری آگئی۔ رستم نے کہا کہ تم ہم کو کتنے دنوں کی مہلت دے سکتے ہو؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آج سے تین روز تک کی۔ رستم یہ سن کر خاموش ہوا اور حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کی باگ موڑ کر سیدھے اسلامی لشکر گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آج بھی حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بے باکی اور حاضر جوابی سے تمام دربار حیران و ششدر رہ گیا۔ اگلے روز رستم نے پھر لشکر اسلام سے ایک سفیر کو طلب کیا۔ آج سعد رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ کو رستم نے لالچ بھی دینا چاہا اور ڈرانے کی بھی کوشش کی لیکن مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نہایت سخت اور معقول جواب دیا، جس سے رستم کو غصہ آیا اور اس نے کہا کہ میں اب تم سے ہرگز صلح نہ کروں گا اور تم سب کو قتل کر ڈالوں گا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کر اپنی لشکر گاہ کی جانب چلے آئے۔

جنگ قادسیہ

مغیرہ رضی اللہ عنہ کے رخصت ہوتے ہی رستم نے اپنی فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ دونوں لشکروں کے درمیان ایک نہر حائل تھی۔ رستم نے نہر پر پل بنانے کا حکم دیا اور پل فوراً بن کر تیار ہو گیا۔ اگلے دن علی الصبح رستم نے سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم نہر کے اس طرف آ کر لڑو گے یا ہم کو نہر کے اس طرف آنا چاہیے؟ سعد رضی اللہ عنہ نے کہلا بھجوا یا کہ تم ہی نہر کے اس طرف آ جاؤ۔ چنانچہ تمام ایرانی لشکر نہر کو عبور کر کے میدان میں آ کر جم گیا۔ مہمنہ و میسرہ اور ہراول و ساقہ وغیرہ لشکر کے ہر ایک حصہ کو رستم نے جنگی ہاتھیوں اور زرہ پوش سواروں سے ہر طرح مضبوط و مکمل بنایا۔ خود قلب لشکر میں قیام

کیا۔ یہ ایرانی لشکر جو زیادہ سے زیادہ تیس ہزار کے اسلامی لشکر کے مقابلہ میں آمادہ جنگ ہوا، پونے دو لاکھ سے زیادہ اور ہر طرح اسلامی لشکر کی نسبت سامان حرب سے مسلح تھا۔ سپہ سالار لشکر اسلام سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ذیل نکل رہے تھے اور عرق النساء کے درد کی بھی آپ کو شکایت تھی۔ لہذا نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتے تھے نہ چل پھر سکتے تھے۔ میدان جنگ میں اسلامی لشکر گاہ کے سرے پر ایک پرانے زمانہ کی بنی ہوئی پختہ عمارت کھڑی تھی۔ سعد رضی اللہ عنہ خود اس عمارت کی چھت پر گاؤ تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے اور اپنی جگہ میدان جنگ کا سردار خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو تجویز کیا لیکن لڑائی کے نقشے اور میدان جنگ کے اہم تغیر و تبدل کو سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا یعنی برابر خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہدایات روانہ کرتے رہے۔ ایرانی لشکر کی تیاریوں کی خبر سن کر اسلامی لشکر بھی جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا تھا۔ عمرو بن معدیکرب، عاصم بن عمرو، ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے سعد رضی اللہ عنہ کے حکم کے موافق تمام لشکر اسلام میں گشت لگا کر لوگوں کو جہاد اور جنگ پر آمادہ کیا۔ شعراء نے رجز خوانی شروع کی۔ قاریوں نے سورہ انفال کی تلاوت سے تمام لشکر میں ایک جوش اور ہیجانی کیفیت پیدا کر دی۔

بہر حال دونوں فوجیں مسلح ہو کر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو گئیں۔ سب سے پہلے لشکر ایران کی طرف سے ہرمز نامی ایک شہزادہ میدان میں نکلا جو زریں تاج پہنے ہوئے تھا اور ایران کے مشہور پہلوانوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے مقابلے کے لیے غالب بن عبداللہ اسدی رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر سے نکلے۔ غالب رضی اللہ عنہ نے میدان میں جاتے ہی ہرمز کو گرفتار کر لیا اور گرفتار کر کے سعد رضی اللہ عنہ کے پاس لا کر ان کے سپرد کر گئے۔ اس کے بعد ایک اور زبردست شہسوار اہل فارس کی جانب سے نکلا۔ ادھر عاصم رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کو پہنچے۔ طرفین سے ایک ایک دودو وار ہی ہونے پائے تھے کہ ایرانی شہسوار بھاگا۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے اس کا تعاقب کیا۔ لشکر فارس کی صف اول کے قریب پہنچ کر اس کے گھوڑے کی دم پکڑ کر روک لیا اور سوار کو اس کے گھوڑے سے اٹھا کر اور اپنے آگے زبردستی بٹھا کر گرفتار کر لائے۔ یہ بہادری دیکھ کر لشکر ایران سے ایک اور بہادر چاندی کا گرز لیے ہوئے نکلا۔ اس کے مقابلے پر عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ نکلے اور گرفتار کر کے لشکر اسلام میں لے آئے۔ رستم نے اپنے کئی سرداروں کو اس طرح گرفتار ہوتے ہوئے دیکھ کر فوراً جنگ مغلوبہ شروع کر دی اور سب سے پہلے ہاتھیوں کی صف کو مسلمانوں کی طرف بڑھایا۔ ہاتھیوں کے اس حملہ کو قبیلہ بحیلہ نے روکا لیکن ان

کا بہت نقصان ہوا۔ سعد رضی اللہ عنہ جو بڑے غور سے میدان کا رنگ دیکھ رہے تھے، فوراً بنی اسد کے لوگوں کو بحیلہ کی کمک کے لیے حکم دیا۔ بنو اسد نے آگے بڑھ کر خوب خوب دادرمانگی دی لیکن جب ان کی بھی حالت نازک ہوئی تو سعد رضی اللہ عنہ نے فوراً قبیلہ کندہ کے بہادروں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ بنو کندہ نے آگے بڑھ کر اس شان سے حملہ کیا کہ اہل فارس کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ رستم نے یہ رنگ دیکھ کر تمام لشکر ایران کو مجموعی طاقت سے یکبارگی حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس متفقہ سخت حملہ کو دیکھ کر سعد رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی اور تمام اسلامی لشکر نے سعد رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں تکبیر کہہ کر ایرانیوں پر حملہ کیا۔ گویا دو سمندر ایک دوسرے پر امنڈ آئے یا دو پہاڑ ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ فریقین کی فوجیں ایک دوسرے میں خلط ملط ہو گئیں۔ اس حالت میں ایرانیوں کے جنگی ہاتھیوں نے اسلامی لشکر کو سخت نقصان پہنچانا شروع کیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے فوراً تیراندازوں کو حکم دیا کہ ہاتھیوں پر اور ہاتھیوں کے سواروں پر تیراندازی کرو۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے نیزہ لے کر ہاتھیوں پر حملہ کیا۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے بہادروں نے بھی ہاتھیوں کی سونڈھوں پر تلواروں اور نیزوں سے زخم پہنچانے شروع کر دیئے۔ تیراندازوں نے ایسے تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو جوابی تیراندازی کی مہلت ہی نہ ملی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہاتھی پیچھے ہٹے اور بہادروں کے لیے میدان میں شمشیر زنی کے جوہر دکھانے کے مواقع ملے۔ صبح سے شام تک میدان کا رزار گرم رہا۔ رات کی تاریکی نے لڑائی کو کل کے لیے ملتوی کر دیا۔ یہ دو شنبہ کا روز تھا۔ محرم سنہ ۱۲ھ کا واقعہ ہے۔

اگلے دن علی الصبح بعد نماز فجر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے کل کے شہداء کو قادیہ کے مشرق کی جانب دفن کرایا۔ کل کے شہداء کی تعداد پانچ سو تھی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کا سامان رات ہی میں کر دیا گیا تھا۔ شہداء کے دفن سے فارغ ہو کر اسلامی لشکر نے اپنی صفیں مرتب کیں۔ ایرانی بھی میدان میں آڈٹے۔ ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ ملک شام سے روانہ کیے ہوئے لشکر کے قریب پہنچنے کی خبر پہنچی۔ ملک شام سے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی سرداری میں لشکر عراق کو واپس بھیجا تھا۔ اس لشکر کے مقدمۃ الحیش پر قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ افسر تھے اور وہ ایک ہزار کا مقدمۃ الحیش لیے ہوئے سب سے پہلے قادیہ پہنچے اور سعد رضی اللہ عنہ کو بڑے لشکر کے پہنچنے کی خوشخبری سنا کر خود اجازت لے کر میدان میں نکلے اور مبارز طلب کیا۔ ان کے مقابلہ پر بہمن جادویہ آیا۔ طرفین سے داد سپہ گری دی گئی اور جوہر دکھائے گئے لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ قعقاع کے ہاتھ سے بہمن

جادو یہ ہلاک ہوا۔ اس کے بعد کئی مشہور و نامور ایرانی بہادر میدان میں نکلے اور مقتول ہوئے۔ آخر کار رستم نے عام حملہ کا حکم دیا اور بڑے زور شور سے لڑائی ہونے لگی۔ ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ کے گرم ہونے کا حال سن کر اپنی چھ ہزار فوج کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیے اور حکم دیا کہ تھوڑے وقفہ سے ایک ایک حصہ نکسیر کہتا ہوا داخل ہو۔ اس طرح شام تک یکے بعد دیگرے یہ دستے لشکر اسلام میں داخل ہوتے اور ایرانی اس طرح پیہم کمکی دستوں کی آمد دیکھ دیکھ کر خوف زدہ ہوتے رہے۔ آج بھی ہاتھیوں کا لشکر اسلام کے لیے بہت سخت تھا لیکن مسلمانوں نے ایک نئی تدبیر کی کہ اونٹوں پر بڑی بڑی جھولیں ڈالیں۔ وہ بھی ہاتھیوں کی طرح مہیب نظر آتے اور ایرانیوں کے گھوڑے ان کو دیکھ کر بدکنے لگے۔ جس قدر ہاتھیوں سے اسلامی لشکر کو نقصان پہنچتا تھا، اسی قدر ایرانی لشکر کو ان مصنوعی ہاتھیوں سے نقصان پہنچنے لگا۔ آج قعقاع رضی اللہ عنہ نے بہت سے ایرانی سرداروں اور مشہور شہسواروں کو قتل کیا۔ شام تک بازار جنگ گرم رہا۔ آج ایک ہزار مسلمان اور دس ہزار ایرانی میدان جنگ میں کام آئے۔

تیسرے روز سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی اول شہداء کی لاشوں کو دفن کرنے کا انتظام کیا۔ مجروحوں کو عورتوں کے سپرد کیا گیا کہ وہ مرہم پٹی کریں۔ اس کے بعد دونوں فوجیں میدان جنگ میں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ آج بھی ایرانیوں نے ہاتھیوں کو آگے رکھا لیکن قعقاع و عاصم رضی اللہ عنہما نے مل کر فیل سفید پر جو تمام ہاتھیوں کا سردار تھا، حملہ کیا اور اس کو مار ڈالا۔ فیل سفید کے مارے جانے کے بعد ایک دوسرے ہاتھی پر حملہ ہوا تو وہ میدان سے اپنی جان بچا کر بھاگا۔ اس کے بھاگتے ہوئے دیکھ کر دوسرے ہاتھیوں نے بھی پیروی کی اور اس طرح آج ہاتھیوں کا وجود بجائے اس کے کہ اسلامی لشکر کو نقصان پہنچاتا، خود ایرانیوں کے لیے نقصان رساں ثابت ہوا۔ آج بھی بڑے زور کی لڑائی ہوئی اور صبح سے شام تک جاری رہی۔ غروب آفتاب کے بعد تھوڑی دیر کے لیے دونوں فوجیں ایک دوسرے سے جدا ہوئیں اور پھر فوراً مستعد ہو کر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو گئیں۔ مغرب کے وقت سے شروع ہو کر صبح تک لڑائی جاری رہی۔ تمام رات لڑائی کا شور و غل اور ہنگامہ برپا رہا۔ نہ پوری کیفیت سعد رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو سکتی تھی، نہ رستم کو۔ غرض یہ رات بھی ایک عجیب قسم کی رات تھی۔ سپہ سالار اسلام سعد رضی اللہ عنہ رات بھر دعا میں مصروف رہے۔ آدھی رات کے بعد انہوں نے میدان جنگ کے شور و غل میں قعقاع رضی اللہ عنہ کی آواز سنی کہ وہ

اپنے لوگوں کو کہہ رہے ہیں کہ سب سمٹ کر قلب پر حملہ کرو اور رستم کو گرفتار کر لو۔ اس آواز نے نہ صرف سعد رضی اللہ عنہ کو تسکین دی بلکہ تمام مسلمانوں میں از سر نو طاقت پیدا کر دی۔ تمام دن اور تمام رات لڑتے ہوئے غازیان اسلام تھک کر چور چور ہو گئے تھے مگر اب پھر ہر قبیلہ کے سردار نے اپنی اپنی قوم کو مقابلہ کے لیے برا بھیجتے کیا۔ بڑے زور شور سے تلوار چلنے لگی۔ قعقاع رضی اللہ عنہ کی رکابی فوج لڑتی ہوئی اس مقام تک پہنچ گئی، جہاں رستم ایک تخت زریں پر بیٹھا ہوا اپنی فوج کو لڑا رہا تھا اور حصہ فوج کو احکام بھیج رہا تھا۔ اسلامی حملہ آوروں کے قریب پہنچنے پر رستم خود تخت سے اتر کر لڑنے لگا۔ جب زخمی ہوا تو پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ ہلال بن علقمہ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر بھاگتے ہوئے برچھے کا وار کیا، جس سے اس کی کمر ٹوٹ گئی اور نہر میں گر پڑا۔ ہلال رضی اللہ عنہ نے فوراً گھوڑے سے کود کر اور جھک کر رستم کی ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لیا اور اس کا کام تمام کر کے فوراً رستم کے تخت پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا کہ ”اللہ کی قسم! میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے۔“ اس آواز کے سنتے ہی اسلامی فوج نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور ایرانیوں کے ہوش و حواس باختہ ہو گئے۔ ایرانی میدان سے بھاگے۔ لشکر ایران میں سواروں کی تعداد تیس ہزار تھی، جن میں بمشکل تیس سوار بھاگ کر اپنی جان بچا سکے، باقی سب میدان جنگ میں مارے گئے۔ ضرار بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ”دش کا کادیانی“ ایرانیوں کے مشہور جھنڈے پر قبضہ کیا، جس کے عوض میں انہوں نے تیس ہزار دینار لیے حالانکہ وہ دوا لاکھ دس ہزار دینار کی مالیت کا تھا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کے کل چھ ہزار آدمی شہید ہوئے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے رستم کا تمام سامان واسلحہ ہلال بن علقمہ رضی اللہ عنہ کو دیا اور قعقاع و شرجیل رضی اللہ عنہما کو تعاقب کے لیے روانہ کیا لیکن ان سے بھی پہلے زہرہ بن حیوۃ رضی اللہ عنہا ایک دستہ فوج لے کر مفرور ایرانیوں کے پیچھے روانہ ہو چکے تھے۔ راستے میں ایک مقام پر جالینوس مفروروں کو روک روک کر مجتمع کر رہا تھا۔ زہرہ رضی اللہ عنہا نے اس کو قتل کر دیا اور اس کے تمام مال و سامان پر قبضہ کر کے سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سعد رضی اللہ عنہ کو جالینوس کا سامان ان کے حوالے کرنے میں تامل ہوا اور اس معاملہ میں دربار خلافت سے اجازت طلب کی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زہرہ رضی اللہ عنہا کی ستائش کی اور جالینوس کا اسباب انہیں کو دے دینے کا حکم دیا۔

سعد رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد مال غنیمت فراہم کیا۔ فوراً فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فتح کی خوشخبری کا خط لکھا اور ایک تیز رفتار شترسوار کو دے کر مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ یہاں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ روزانہ صبح اٹھ کر مدینے سے باہر دور دور تک نکل جاتے اور

قادیسیہ کے قاصد کا انتظار کر کے دوپہر کے بعد مدینے میں واپس آ جاتے تھے۔ ایک روز حسب دستور باہر تشریف لے گئے۔ دور سے ایک شترسوار نظر پڑا۔ اس کی طرف لپکے، قریب پہنچ کر دریافت کیا کہ کہاں سے آتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں قادیسیہ سے آ رہا ہوں اور خوشخبری لایا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عطا کی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سے لڑائی کی کیفیت اور فتح کے تفصیلی حالات دریافت کرنے شروع کیے اور شترسوار کی رکاب پکڑے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے مدینے میں داخل ہوئے۔ شترسوار حالات سناتا جاتا تھا اور اپنے اونٹ پر سوار مدینے میں دربار خلافت کی جانب چلا جاتا تھا۔ شہر میں داخل ہو کر شترسوار نے دیکھا کہ ہر شخص جو سامنے آتا ہے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہہ کر سلام علیک کرتا ہے۔ تب اس کو معلوم ہوا کہ جو شخص میرے ساتھ پیدل چل رہا ہے، وہ خلیفہ وقت ہے۔^① یہ معلوم کر کے وہ ڈرا اور اونٹ سے اترنا چاہا لیکن جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم حالات سناتے جاؤ اور بہ دستور اپنے اونٹ پر سوار چلے چلو۔ اسی طرح گھر تک آئے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ کر لوگوں کو جمع کیا اور فتح کی خوشخبری سب کو سنائی۔ ایک نہایت پر اثر تقریر فرمائی جس کا خاتمہ اس طرح تھا:

”بھائیو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنانا چاہوں۔ میں تو خود اللہ تعالیٰ کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا کام میرے سپرد ہے۔ اگر میں یہ کام اس طرح انجام دوں کہ تم آرام سے اپنے گھروں میں اطمینان سے زندگی بسر کرو تو یہ میری خوش نصیبی ہے اور اگر اللہ نہ کرے، میری یہ خواہش ہو کہ تم لوگ میرے دروازے پر حاضری دیا کرو تو یہ میری بدبختی ہو گی۔ میں تم کو تعلیم دیتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں لیکن صرف قول سے نہیں عمل سے بھی۔“

فتح بابل و کوٹہ:

ایرانیوں نے قادیسیہ سے بھاگ کر بابل میں قیام کیا اور کئی نامور سرداروں نے مفرور لوگوں کو فراہم کر کے مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے فتح کے بعد دو مہینے تک قادیسیہ میں قیام فرمایا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم کا انتظار کیا۔ دربار خلافت سے احکام کے وصول ہونے پر سعد رضی اللہ عنہ نے اہل و عیال کو قادیسیہ ہی میں چھوڑا اور خود لشکر اسلامی کے ساتھ مدائن کی جانب روانہ ہوئے۔ اپنی روانگی

① ایسے واقعات اسلام اور تاریخ اسلام کے ماتھے کا جھومر ہیں۔

سے پہلے زہرہ بن حیوہ رضی اللہ عنہا کو مقدمۃ الجیش بنا کر آگے روانہ کیا۔ زہرہ رضی اللہ عنہا دشمنوں کو مارتے، ہٹاتے، محکوم بناتے ہوئے بڑھتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ بابل کے قریب پہنچے۔ یہاں سعد رضی اللہ عنہ بھی اپنی پوری فوج لے کر آ پہنچے۔ ایرانی سرداروں نے سعد رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر سنی تو وہ بابل میں قیام نہ کر سکے۔ کچھ مدائن کی طرف چل دیے، کچھ اہواز اور نہاوند کی جانب چلے گئے اور راستے میں تمام پلوں کو توڑتے اور دریائے دجلہ اور اس کی نہروں اور ندیوں کو ناقابل عبور بناتے ہوئے گئے۔ ایرانیوں کے فرار و منتشر ہونے کی خبر سن کر سعد رضی اللہ عنہ نے زہرہ رضی اللہ عنہا کو حسب دستور آگے روانہ کیا اور خود بھی ان کے پیچھے بڑے لشکر کو لے کر متحرک ہوئے۔ زہرہ رضی اللہ عنہا جب مقام کوٹی پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں ایرانیوں کا مشہور سردار شہریار مقابلہ پر آمادہ ہے۔ کوٹی وہ مقام ہے جہاں نمرود نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو قید کیا تھا۔ قید خانہ کی جگہ اس وقت تک محفوظ تھی۔ شہریار، زہرہ رضی اللہ عنہا کے قریب پہنچنے کا حال سن کر کوٹی سے باہر نکلا اور مسلمانوں کے مقابل صف آرا ہو کر میدان میں آگے بڑھ کر لاکارا کہ تمہارے سارے لشکر میں جو سب سے زیادہ بہادر جنگجو ہو، وہ میرے مقابلے پر آئے۔ یہ سن کر زہرہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میں خود تیرے مقابلے پر آنے کو تیار تھا لیکن اب تیری لن ترانی سن کر تیرے مقابلے پر اس لشکر میں سے کسی ادنیٰ ترین غلام کو بھیجتا ہوں کہ وہ تیرے غرور کا سر نیچا کر دے۔ یہ کہہ کر آپ نے نائل بن جعشم عرج کو جو قبیلہ بنو تمیم کا غلام تھا، اشارہ کیا۔ نائل بن جعشم فوراً گھوڑا نکال کر میدان میں شہریار کے مقابل پہنچے۔ شہریار ان کو نہایت کمزور دیکھ کر ان کی طرف بڑھا اور گردن پکڑ کر کھینچا اور زمین پر گرا کر ان کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاقاً شہریار کا انگوٹھا نائل کے منہ میں آ گیا۔ انہوں نے اس کو اس زور سے چبایا کہ شہریار بے تاب ہو گیا اور نائل فوراً اٹھ کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور بلا توقف خنجر نکال کر اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ شہریار کے مارے جاتے ہی تمام ایرانی فوجیں بھاگ پڑیں۔ شہریار کی زرہ، قیمتی پوشاک، زریں تاج اور ہتھیار سب نائل کو ملے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کوٹی پہنچ کر شہریار کے مارے جانے اور کوٹی کے فتح ہونے کا حال سنا اور اس مقام کو جا کر دیکھا جہاں ابراہیم علیہ السلام قید رہے تھے، پھر نائل کو حکم دیا کہ شہریار کی پوشاک پہن کر شہریار کے تمام ہتھیار لگا کر آئیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور لشکر اسلام اس نظارہ کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں مصروف ہوا۔

بہرہ شیر کی فتح:

بہرہ شیر ایک مقام کا نام تھا جو مدائن کے قریب ایک زبردست قلعہ اور شہر تھا۔ بہرہ شیر میں شاہی باڈی گارڈ کا ایک زبردست رسالہ اور دارالسلطنت کی حفاظت کے لیے نہایت زبردست اور بہادر فوج رہتی تھی۔ مدائن اور بہرہ شیر کے درمیان دریائے دجلہ حائل تھا۔ بہرہ شیر اس طرف تھا اور دجلہ کے اس طرف مدائن تھا۔ بادشاہ ایران کبھی بہرہ شیر میں بھی آ کر رہتا تھا۔ یہاں بھی شاہی ایوان اور شاہی کارخانے موجود تھے۔ اسلامی لشکر کوٹی سے آگے بڑھا تو بہرہ شیر پہنچنے تک کئی مقامات پر ایرانیوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور ان کو شکست دے کر راستے سے ہٹا نپڑا، یہاں تک کہ مسلمانوں نے بہرہ شیر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تین مہینے تک جاری رہا۔ آخر محصورین سختی سے تنگ آ کر مقابلہ پر آمادہ ہوئے اور شہر پناہ سے باہر مقابلے پر آئے۔ بالآخر مقتول و مفروز ہوئے اور اسلامی لشکر فاتحانہ بہرہ شیر میں داخل ہوا۔ بہرہ شیر کے مفتوح ہوتے ہی یزد جرد نے مدائن سے بھاگنے اور اموال و خزانے کے مدائن سے منتقل کرنے کی تدابیر اختیار کیں۔ مدائن سے یزد جرد کا مع خزانے کے بھاگ جانا مسلمانوں کے لیے خطرات کا بہ دستور باقی رہنا تھا۔

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

سعد رضی اللہ عنہ کو اب اس بات کا خیال تھا کہ جس قدر جلد ہو مدائن پر قبضہ کریں لیکن دریائے دجلہ درمیان میں حائل تھا۔ اس کا پایاب عبور کرنا سخت دشوار تھا۔ ایرانیوں نے بہرہ شیر سے بھاگتے ہوئے پل کو بالکل مسمار اور منہدم کر دیا تھا۔ دور دور تک کوئی کشتی بھی نہیں چھوڑی تھی۔ دوسرے کنارے پر ایرانی فوج بھی متعین تھی جو عبور دریا سے مانع تھی۔ دوسرے روز سعد رضی اللہ عنہ نے گھوڑے پر سوار ہو کر اور تمام فوج کی کمر بندی کرا کر فرمایا کہ تم میں کون ایسا بہادر سردار ہے جو اپنی جمعیت کے ساتھ اس بات کا وعدہ کرے کہ وہ ہم کو دریا کے عبور کرنے کے وقت دشمن کے حملے سے بچائے گا۔ عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس خدمت کی ذمہ داری قبول کی اور چھ سو تیر اندازوں کی ایک جماعت لے کر دریائے دجلہ کے اس کنارے ایک اونچے مقام پر جا بیٹھے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے نستعین باللہ و نتوکل علیہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم ^①

① ”ہم اللہ سے ہی مدد چاہتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ نہ کسی میں (نیکی کرنے کی) قوت ہے نہ (برائی سے بچنے کی) طاقت مگر اللہ کی توفیق سے، جو سب سے بلند مرتبہ اور بڑائی والا ہے۔“

کہہ کر اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا، ان کی پیروی میں دوسروں نے بھی جرأت سے کام لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے لشکر اسلام دجلہ کی طوفانی موجوں کا مقابلہ کرتا ہوا دوسرے کنارے کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ سیلابی لشکر جب نصف سے زیادہ دریا کو عبور کر چکا تو اس طرف سے ایرانی تیراندازوں نے تیر بازی شروع کی۔ ادھر سے عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے ایرانی تیراندازوں پر اس زور و قوت کے ساتھ تیر پھینکے کہ بہت سے ایرانی مقتول و مجروح ہوئے اور اس بلائے بے درماں سے اپنی جان بچانے کی تدبیروں میں مصروف ہو کر لشکر اسلام کو عبور دریا سے نہ روک سکے۔ مسلمانوں نے اس طرف پہنچ کر ایرانیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

فتح مدائن:

یزد جرد مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے اہل و عیال اور خزانوں کو مدائن سے روانہ کر چکا تھا۔ تاہم قصر ابیض (شاہی محل) اور دار السلطنت میں مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ اسلامی لشکر کے دریا کے عبور کر لینے کا حال سن کر یزد جرد بھی مدائن سے چل دیا۔ مسلمانوں نے شہر کی مختلف سمتوں سے شہر میں داخل ہونا شروع کیا۔ خود باشندگان شہر نے شاہی محلات کی لوٹ مار مسلمانوں کے پہنچنے اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے شروع کر دی تھی۔ سعد رضی اللہ عنہ قصر ابیض میں داخل ہوئے اور ان کی زبان سے بے اختیار یہ آیتیں نکلیں ﴿كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۝ وَنَعْمَةً كَانُوا فِيهَا فَكَيْهِنَ ۝ كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ﴾^① سعد رضی اللہ عنہ نے وہیں ایک سلام سے آٹھ رکعتیں صلوٰۃ الفتح کی پڑھیں۔ یہ جمعہ کا روز تھا، قصر ابیض میں جس جگہ کسریٰ کا تخت تھا، وہاں منبر رکھا گیا اور اسی قصر میں جمعہ ادا کیا گیا۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو دار السلطنت ایران میں ادا کیا گیا۔ اس شاہی محل میں جس قدر تصاویر و تماثیل تھیں، وہ علیٰ حالہ قائم رہیں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے ان کو توڑا پھوڑا نہ وہاں سے جدا کیا۔ بوجہ نیت اقامت اس قصر میں نماز کو قصر بھی نہیں کیا گیا۔ زہرہ بن حیوۃ رضی اللہ عنہ کو ایرانیوں کے تعاقب میں نہروں کی جانب روانہ کیا گیا۔ مال غنیمت کے فراہم کرنے پر عمرو بن مقرن رضی اللہ عنہ کو اور اس کی تقسیم پر سلیمان بن ربیعہ ہاملی کو مامور کیا گیا۔ مال غنیمت میں بادشاہ ایران کی بہت سی نادر روزگار چیزیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ چاندی سونے

① ”وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے، اور کھیتیاں اور نفیس مکان، اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے۔ اسی طرح (ہوا) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو ان کا مالک بنادیا۔“ (الذخاں ۴۴: ۲۵ تا ۲۸)

اور جہا ہرات کی مورتیں، کسریٰ کا شاہی لباس، اس کا زرنگار تاج، اس کی زرہ اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں مسلمانوں نے ان بھاگنے والوں سے چھینیں جو ان چیزوں کو لے لے کر ایوان شاہی سے بھاگتے تھے۔ ایوان شاہی کے خزانے اور عجائب خانے میں خاقان چین، قیصر روم، داہر شاہ ہند، بہرام گور، سیاوش، نعمان بن منذر، کسریٰ، ہرمز فیروز کے خود، زرہیں، تلواریں اور خنجر دستیاب ہوئے، جو عجائب روزگار سمجھ کر شاہی خزانے میں محفوظ رکھے جاتے تھے اور ایرانی ان چیزوں پر فخر کیا کرتے تھے۔ ان چیزوں کے فراہم ہو جانے پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قعقاع رضی اللہ عنہ کو اجازت دی کہ تلواروں میں سے جس تلوار کو پسند کر لے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر قیصر روم ہرقل کی تلوار اٹھالی، پھر سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے بہرام گور کی زرہ بھی ان کو مرحمت فرمائی۔

سعد رضی اللہ عنہ نے علاوہ خمس کے جو چیزیں نادرات روزگار میں شمار ہوتی تھیں، وہ سب جمع کر کے دربار خلافت کو روانہ کر دیں۔ انہیں نادرات روزگار میں کسریٰ کا فرش تھا جو بہار کے نام سے موسوم تھا۔ یہ فرش نوے گز لمبا اور دس گز چوڑا تھا۔ اس میں پھول، پتیاں، درخت، نہریں، تصویریں اور غنچے سب سونے چاندی اور جہا ہرات سے بنائے گئے تھے۔ شاہان فارس جب موسم بہار گزر جاتا تھا تو اس کی یاد میں اس فرش پر بیٹھ کر شراب نوشی کیا کرتے تھے۔ جب یہ تمام چیزیں مدینہ منورہ میں پہنچیں تو لوگ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تمام سامان و اسباب کو لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ فرش کی نسبت عام طور پر لوگوں کی رائے یہ تھی کہ اس کو تقسیم نہ کیا جائے لیکن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، اس کو بھی تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کی رائے سے اس فرش کو بھی کاٹ کاٹ کر لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ علی رضی اللہ عنہ کے حصے میں جو فرش کا ٹکڑا آیا تھا، وہ بہت نفیس ٹکڑوں میں نہ تھا، تاہم انہوں نے اس کو تیس ہزار دینار کے عوض میں فروخت کر دیا۔

سعد رضی اللہ عنہ نے مدائن پر قابض و متصرف ہو کر اپنے اور اہل لشکر کے اہل و عیال کو قادیسیہ سے بلوایا اور شاہی ایوانات لوگوں میں تقسیم کر دیے، جن میں انہوں نے اپنے اہل و عیال کو ٹھہرایا۔

معمر کے جلوائے:

جب مدائن پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو یزد جرد مدائن سے بھاگ کر مقام حلوان میں مقیم ہوا۔ رستم بن فرخ زاد کے بھائی خرداد بن فرخ زاد نے مقام جلوائے میں لشکر اور سامان حرب بڑی مقدار میں قابلیت اور حوصلے کے ساتھ فراہم کرنا شروع کیا۔ قلعہ اور شہر کے گرد خندق کھدوائی، گوکھر و بنوا

کر مسلمانوں کی آمد اور حملے کے راستوں میں بچھوائے۔ یہ جنگی تیاری اور فوجی اجتماع اس قدر عظیم اور اہم تھا کہ ایک طرف ایرانیوں کی آنکھیں اس طرف لگی ہوئی تھیں تو دوسری طرف مسلمانوں کو بھی اس کا خاص طور پر خیال تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ تمام کیفیت مدینہ منورہ میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس لکھ کر بھیجی۔ دربار فاروقی سے حکم آیا کہ ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ بارہ ہزار فوج لے کر جلواء کی مہم پر روانہ ہوں۔ مقدمۃ الجیش قعقاع رضی اللہ عنہ کو سپرد کیا جائے۔ معشر بن مالک کو مہینہ کی عمرو بن مالک کو میسرہ کی سرداری دی جائے اور ساتھ پر عمرو بن مرہ کو مقرر کیا جائے۔ اس حکم فاروقی کے موافق ہاشم رضی اللہ عنہ مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے روز جلواء پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ کئی مہینے جاری رہا۔ ایرانی قلعہ سے نکل نکل کر حملہ آور بھی ہوتے رہتے تھے۔

اس طرح مسلمانوں اور ایرانیوں میں جلواء کے محاصرہ کے ایام میں بہت سے معرکے ہوئے اور ہر معرکے میں ایرانی مغلوب ہوتے رہے۔ جلواء میں لاکھوں ایرانی جنگجو موجود تھے۔ مسلمانوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز نہ تھی۔ اپنی جمعیت کی کثرت اور سامان حرب کی فراوانی پر اعتماد کر کے ایرانیوں نے خوب جی توڑ کر مقابلہ کیا مگر آخر مسلمانوں کے مقابلہ میں ناکام و نامراد ثابت ہوئے۔ ایک لاکھ ایرانی اس معرکے میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ تین کروڑ کا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ یزید نے حلوان میں جب جلواء کے سقوط کا حال سنا تو وہ حلوان میں نہ ٹھہر سکا۔ وہاں سے بھاگ کر رے کی جانب روانہ ہوا اور حلوان میں خسرو شنوم کو ایک مناسب جنگی جمعیت کے ساتھ چھوڑ گیا۔ قعقاع رضی اللہ عنہ معرکہ جلواء کے بعد مقام حلوان کی طرف روانہ ہوئے۔ خسرو شنوم نے حلوان سے نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر بھاگا اور قعقاع رضی اللہ عنہ نے حلوان پر قبضہ کیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے ان فتوحات کے بعد مال غنیمت کا خمس اور فتح کی خوشخبری زیاد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجی اور ملک ایران میں آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی۔ زیاد رضی اللہ عنہ یہ مال غنیمت لے کر شام کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فتوحات کا حال سن کر لوگوں کو جمع کیا اور زیاد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اب ان سب کو وہ حالات سناؤ جو مجھ کو سنا چکے ہو۔ چنانچہ زیاد رضی اللہ عنہ نے نہایت طلاقت و فصاحت کے ساتھ مسلمانوں کی بہادریوں کے نقشے کھینچ کر سامعین کے سامنے رکھ دیے، پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مال غنیمت کا انبار صحن مسجد میں اسی طرح موجود رہے۔ اس کی چوکی و گمرانی کا انتظام کر دیا۔ اگلے دن فجر کے بعد آپ

نے وہ تمام مال و اسباب لوگوں کو تقسیم فرمادیا۔ جواہرات کے انبار اور مال غنیمت کی بیش قیمتی و کثرت دیکھ کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رو پڑے تو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ امیر المومنین! یہ تو مقام شکر تھا۔ آپ روتے کیوں ہیں؟ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ جس قوم کو دنیا کی دولت عطا فرماتا ہے، اس میں رشک و حسد بھی پیدا ہو جاتا ہے اور اس لیے اس قوم میں تفرقہ پڑ جاتا ہے۔ پس مجھ کو اسی تصور نے اس وقت رلا دیا۔

اس کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کے جواب میں ان کے پاس حکم بھیجا کہ مسلمانوں نے پیہم صعوبات برداشت کی ہیں۔ ابھی چند روز اپنے لشکر کو آرام کرنے کا موقع دو۔ جنگ جلولا سنہ ۱۶ھ میں واقع ہوئی۔ یہاں تک حالات کے بیان کرنے میں دانستہ تاریخ مہینہ اور سال کا ذکر اس لیے ترک کر دیا ہے کہ بعض واقعات کی تاریخ اور سنہ ایک مورخ کچھ بیان کرتا ہے اور دوسرا کچھ۔ اندریں صورت واقعات کی ترتیب کا صحیح ہونا کافی سمجھا گیا۔ عراق کے حالات سنہ ۱۶ھ یعنی معرکہ جلولا تک اسی ترتیب سے وقوع پذیر ہوئے جو اوپر مذکور ہوئے۔ اب ان حالات کو یہیں تک چھوڑ کر پھر ملک شام کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

شامی معرکہ:

عراقی معرکوں کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے اور ہم سنہ ۱۶ھ میں یزدجرد شاہ ایران کو مقام حلوان سے رے کی جانب فرار ہوتا ہوا دیکھ چکے ہیں۔ لیکن اب ہم کو قریباً دو سال پیچھے ہٹ کر ملک شام کے حالات کی سیر کرنا ہے۔ دمشق کی فتح کا حال ہم اوپر پڑھ چکے ہیں۔ فتح دمشق کے بعد مقام فحل اور مقام بیسان کے معرکوں کی کیفیت بھی زیر مطالعہ آچکی ہے۔ اب اسلامی لشکر مقام حمص کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

فتح حمص:

ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حمص کے ارادے سے روانہ ہو کر ذوالکلاع میں پڑاؤ ڈالا۔ حمص ملک شام کے چھ ضلعوں میں سے ایک ضلع کا نام ہے اور یہی نام ایک شہر کا ہے جس کے نام سے یہ ضلع موسوم ہے۔ انگریزی میں حمص کو امیسا کہتے ہیں۔ اس شہر میں سورج کا مندر تھا جس کی زیارت کے لیے دور دور سے بت پرست آیا کرتے تھے۔ اردن اور دمشق کے اضلاع کی فتح کے بعد اب

حصہ، انطاکیہ، بیت المقدس بڑے بڑے اور مرکزی مقامات باقی تھے جو مسلمانوں کو فتح کرنے تھے۔ جب اسلامی لشکر مقام ذوالکلاع میں جا کر خیمہ زن ہوا تو قیصر ہرقل نے قوذربطریق کو مقابلہ کے لیے روانہ کیا، جس نے حصہ سے روانہ ہو کر مقام مرج روم میں پہنچ کر قیام کیا۔ اس کے بعد قیصر نے شمس بطریق کو بھی لکھا، ان دونوں بطریقوں سے اسلامی فوج کا مقابلہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شمس بطریق ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا اور رومی لشکر شکست خوردہ ہو کر بھاگا۔

یہ بھاگا ہوا لشکر جب حصہ میں پہنچا تو قیصر ہرقل جو حصہ میں مقیم تھا، حصہ کو چھوڑ کر وہاں سے الرابا کی طرف چلا گیا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے مرج روم سے روانہ ہو کر حصہ کا محاصرہ کیا۔ ہرقل نے بہت کوشش کی کہ اہل حصہ کی مدد کو پہنچا جائے مگر اس کی کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی اور اہل حصہ کو کوئی امداد رومیوں کی نہ پہنچ سکی۔ آخر مجبور و مایوس ہو کر اہل حصہ نے انہیں شرائط پر کہ جن پر اہل دمشق نے صلح کی تھی، حصہ کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔ فتح حصہ کے بعد شہر حماہ پر جو حصہ و قنسرین کے درمیان واقع ہے، فوج کشی ہوئی۔ اہل حماہ نے بھی جزیہ دینا منظور کر کے صلح کر لی۔ اس کے بعد شیرز اور معرہ پر بھی اسی طرح مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ اس کے بعد شہر لازقیہ پر عیسائیوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا مگر مغلوب و مفتوح ہوئے۔ لازقیہ کے بعد سلمیہ کو بھی بزر و بخت مسلمانوں نے فتح کیا۔

فتح قنسرین:

سلمیہ کی فتح کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی رکاب فوج لے کر بحکم ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ قنسرین کی جانب بڑھے۔ وہاں میناس نامی رومی سردار نے جس کا مرتبہ ہرقل کے بعد سب سے بڑا تھا، آگے بڑھ کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سخت مقابلہ کے بعد اس کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ وہ قنسرین میں داخل ہو کر قلعہ بند ہوا اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر قنسرین کا محاصرہ کر لیا۔ انجام کار قنسرین مفتوح ہوا۔ اس فتح کا حال جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بہت خوش ہوئے اور ان کے اختیارات اور فوجی سرداری میں نمایاں اضافہ فرمایا۔

فتح حلب و انطاکیہ:

مہم قنسرین سے فارغ ہو کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حلب کی جانب کوچ کیا۔ جب حلب کے قریب پہنچے تو خبر آئی کہ اہل قنسرین نے عہد شکنی کی اور بغاوت اختیار کی ہے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فوراً ایک

دستہ فوج کو قسریں کی طرف روانہ کیا۔ اہل قسریں نے محصور ہو کر پھر اظہار اطاعت کیا اور بھاری جرمانہ دے کر اپنے آپ کو بچایا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حلب کے قریب پہنچ کر قیام کیا اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے جو مقدمہ الجیش کے افسر تھے، اپنی ماتحت فوج کو لے کر حلب کا محاصرہ کیا۔ اہل حلب نے عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے اب تک کے مفتوح شہروں کی شرائط پر صلح کر کے شہر کو سپرد کر دیا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان شرائط کو جو عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے طے کی تھیں جائز قرار دیا اور اپنے دستخط سے معاہدہ لکھ دیا۔

حلب کو فتح کر کے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ انطاکیہ کی جانب بڑھے۔ انطاکیہ قصر ہرقل کا ایشیائی دارالسلطنت تھا۔ یہاں ہرقل کے شاہی محلات بنے ہوئے تھے اور ہر قسم کی حفاظت کا سامان جو ایک دارالسلطنت کے لیے ضروری ہے، یہاں موجود تھا۔ اسی لیے مختلف مقامات کے مفرور عیسائی بھاگ بھاگ کر انطاکیہ ہی میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ حلب کے بھی بہت سے عیسائی انطاکیہ میں آ گئے تھے۔ جب مسلمان انطاکیہ کے قریب پہنچے تو عیسائیوں نے انطاکیہ سے نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور شکست کھا کر شہر میں جا گھسے۔ اسلامی لشکر نے انطاکیہ کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد شہر والوں نے مجبور ہو کر جزیہ کے وعدہ پر صلح کر لی۔ بعض عیسائی انطاکیہ سے کسی طرف کو خود ہی جلا وطن ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کے حال سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اس کے بعد خبر پہنچی کہ حلب کے قریب مقام معرہ مصرین میں مسلمانوں کے خلاف عیسائی لشکر جمع ہو رہا ہے۔ اس خبر کو سن کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس طرف کو روانہ ہوئے۔ وہاں بڑی بھاری جنگ ہوئی۔ بہت سے عیسائی اور رومی سردار مارے گئے۔ اہل معرہ مصرین نے اہل حلب کی طرح صلح کر لی۔ یہاں یہ صلح نامہ ابھی مکمل نہیں ہونے پایا تھا کہ انطاکیہ والوں کی بغاوت و بد عہدی کی خبر پہنچی مگر عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ اور حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ انہوں نے لڑ کر عیسائیوں کو پھر مغلوب کیا اور شہر پر قابض ہو گئے۔ اس بغاوت و بد عہدی کے بعد انطاکیہ والوں نے پھر پہلی شرائط پر ہی صلح کی درخواست کی۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اس درخواست کو منظور کر لیا۔

عیسائیوں کی بار بار کی بغاوت و بد عہدی دیکھ کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان عیسائیوں کے بار بار نقض عہد سے بعض اوقات لشکر اسلامی کو بڑی بڑی مشکلات کا سامنا ہو جاتا ہے۔ ان کے ساتھ کس خاص قسم کا برتاؤ کیا جائے؟ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ عیسائیوں کے

بڑے بڑے مرکزی شہروں اور قصبوں میں جن کو تم فتح کر چکے ہو، ایک ایک فوجی دستہ مدامی طور پر موجود رکھو۔ ایسے ہر ایک حفاظتی دستے کو ہم بیت المال سے وظائف اور تنخواہیں دیں گے۔ فتح انطاکیہ کے بعد اردگرد کے تمام مواضعات و قصبات نے بطیب خاطر مسلمانوں کی اطاعت کو قبول کیا اور قورس، پنج، تل عزاز وغیرہ قصبات مع مفصلات بلا جنگ و پیکار مسلمانوں کی اطاعت و قبضہ میں داخل ہو گئے اور فرات تک شام کے تمام شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔

فتح بفراس و مرعش و حرث:

اب شام کی طرف سے مطمئن ہو کر اور تمام شہروں میں عامل مقرر کرنے اور فوجی دستے متعین فرما دینے کے بعد ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فلسطین کی طرف توجہ فرمائی اور ایک لشکر میسرہ بن مسروق کی سرداری میں مقام بفراس جو علاقہ انطاکیہ میں ایشیائے کوچک کی سرحد پر ایک مقام تھا، یہاں بہت سے عرب قبائل غسان، تنوخ، ایاد وغیرہ آباد تھے اور عیسائی مذہب رکھنے کی وجہ سے فتح انطاکیہ کا حال سن کر ہر قل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ میسرہ بن مسروق نے جاتے ہی ان پر حملہ کیا۔ بڑا بھاری معرکہ ہوا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے انطاکیہ سے مالک بن اشتر نخعی کو میسرہ کی کمک پر روانہ کیا۔ اس نئی فوج کو آتے ہوئے دیکھ کر عیسائی گھبرا گئے اور حواس باختہ ہو کر بھاگے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک چھوٹا سا لشکر لے کر مرعش کی طرف گئے اور عیسائیوں نے جلاوطنی کی اجازت طلب کر کے شہر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ اسی طرح ایک لشکر لے کر حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ قلعہ حرث کی طرف گئے اور اس کو فتح کیا۔

فتح قیساریہ (قیصرہ) و فتح اجنادین:

انہیں ایام میں انطاکیہ و علاقہ انطاکیہ کو اسلامی لشکر فتح کر رہا تھا۔ دمشق کے عامل یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو حکم فاروقی کی بناء پر فوج دے کر قیساریہ کی طرف بھیجا۔ وہاں سخت معرکہ پیش آیا اور اسی ہزار عیسائی میدان جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور قیساریہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔

مہم مرج روم اور فتح بیسان کے بعد قیصر ہر قل نے اربطون نامی بطریق کو جو نہایت بہادر اور مشہور سپہ سالار تھا، مقام اجنادین میں فوجیں جمع کرنے کا حکم دیا۔ اربطون نے ایک زبردست فوج

تو اپنے پاس مقام اجنادین میں رکھی اور ایک فوج مقام رملہ میں اور ایک بیت المقدس میں تعینات کی۔ یہ فوجیں اسلامی حملہ آوروں کی منتظر اور ہر طرح کیل کانٹے سے لیس اور تعداد میں بے شمار تھیں۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جو اس سمت کے حصہ افواج کی سرداری رکھتے تھے، بحکم ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ علقمہ بن حکیم فراسی اور مسرور بن العکلی کو بیت المقدس کی طرف اور ابویوب الماکی کو رملہ کی جانب روانہ کیا اور عمرو رضی اللہ عنہ خود دراطبون کے مقابلہ کو اجنادین کی جانب بڑھے۔ اجنادین میں نہایت سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ یہ لڑائی جنگ یرموک کی مانند تھی۔ بالآخر اطبون، عمرو رضی اللہ عنہ کے مقابلہ سے شکست کھا کر بیت المقدس کی طرف بھاگا۔ علقمہ بن حکیم فراسی نے جو بیت المقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، راستہ دے دیا۔ اطبون بیت المقدس میں داخل ہو گیا اور اجنادین پر عمرو رضی اللہ عنہ کا قبضہ ہوا۔

فتح بیت المقدس:

اطبون جب بیت المقدس میں داخل ہو گیا تو عمرو رضی اللہ عنہ نے غزہ، سبط نابلس، لد، عمواس، جبرین، یافا وغیرہ مقامات پر قبضہ کیا اور بیت المقدس کے ارد گرد کے تمام علاقے پر قابض ہو کر بیت المقدس کی طرف بڑھے اور محاصرہ کو سختی سے جاری رکھا۔ انہیں ایام میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شام کے انتہائی اضلاع قسریں وغیرہ کی فتح سے فارغ ہو کر فلسطین و بیت المقدس کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر نہایت سختی سے محاصرین کی مدافعت اور مقابلہ کر رہے تھے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر سن کر ان کی کچھ ہمت پست سی ہو گئی اور سپہ سالار اعظم یعنی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پہنچنے پر انہوں نے صلح کے سلام و پیام جاری کیے۔ وہ بہت سادہ اور ایسے مقررہ معینہ تھے کہ تمام عیسائی ان سے واقف تھے لیکن بیت المقدس کے عیسائیوں نے صلح کی شرائط میں ایک خاص قسم کا اضافہ ضروری و لازمی قرار دیا! وہ یہ کہ عہد نامہ خود خلیفہ وقت آ کر لکھے۔ اطبون بطریق بیت المقدس سے نکل کر مصر کی طرف بھاگ گیا تھا۔ رؤسا شہر اور شرفائے بیت المقدس ہی مدافعت میں استقامت دکھا رہے تھے اور اب شہر کا قبضہ میں آ جانا کچھ بھی دشوار نہ تھا لیکن ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے یہی مناسب سمجھا کہ جہاں تک ہو سکے، کشت و خون کا امکان مسدود کیا جائے اور جنگ پر صلح کو فوقیت دی جائے۔

چنانچہ انہوں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ان حالات کا ایک خط لکھا اور اس میں تحریر کیا کہ آپ

کے یہاں تشریف لانے سے بیت المقدس بلا جنگ قبضہ میں آ سکتا ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس خط کے پہنچنے پر صاحب الرائے حضرات کو مسجد نبوی ﷺ میں بغرض مشورہ طلب کیا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عیسائی اب مغلوب ہو چکے ہیں۔ ان میں مقابلہ اور مدافعت کی ہمت و طاقت نہیں رہی۔ آپ بیت المقدس کا سفر اختیار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو اور بھی زیادہ ذلیل کرے گا اور وہ بلا شرط شہر کو مسلمانوں کے سپرد کر دیں گے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری رائے میں آپ کو ضرور جانا چاہیے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کیا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سفر فلسطین

ستوؤں کا ایک تھیلا، ایک اونٹ، ایک غلام، لکڑی کا ایک پیالہ ہمراہ لے کر اور اپنی جگہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا عامل مقرر فرما کر روانہ ہو گئے۔ آپ کے اس سفر کی سادگی و جفاکشی عام طور پر مشہور ہے۔ کبھی غلام اونٹ کی مہار پکڑ کر چلتا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار ہوتے اور کبھی غلام اونٹ پر سوار ہوتا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے چلتے۔ یہ اس عظیم الشان حاکم اور خلیفہ اسلام کا سفر تھا جس کی فوجیں قیصر و کسریٰ کے محلات اور تخت و تاج کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں میں روند چکی تھیں۔ یہ مہینہ جس میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ سفر شروع ہوا ہے، رجب کا مہینہ تھا اور سنہ ۱۶ھ جبکہ مدائن اور انطاکیہ فتح ہو چکے تھے، عزم روانگی کے ساتھ ہی روانگی سے پہلے آپ نے دمشق و بیت المقدس کی اسلامی افواج کے سرداروں کو اطلاع دے دی تھی۔ سب سے پہلے یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ)، ان کے بعد ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ان کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے ان سرداروں کو خوبصورت اور شان و شوکت کے لباس میں اپنے استقبال کو آتے ہوئے دیکھ کر طیش اور غضب کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ تم لوگوں نے دو ہی برس میں عجمیوں کی خوبو اختیار کر لی مگر جب ان سرداروں نے فرمایا کہ ہماری ان پر تکلف قباؤں کے نیچے سلاح و حرب موجود ہیں اور ہم عربی اخلاق پر قائم ہیں، تب آپ کو اطمینان ہوا۔

عیسائیوں کا امان نامہ:

آپ مقام جابیہ میں مقیم ہوئے۔ یہیں رؤسا بیت المقدس آپ کی ملاقات کو حاضر ہوئے اور

عہد نامہ آپ نے اپنے سامنے ان کو لکھوا دیا:

”یہ وہ امان نامہ ہے جو امیر المومنین عمر نے ایلیا والوں کو دیا ہے۔ ایلیا والوں کی جان، مال، گرجے، صلیب، بیمار، تندرست سب کو امان دی جاتی ہے اور ہر مذہب والے کو امان دی جاتی ہے۔ ان گرجاؤں میں سکونت نہ کی جائے گی اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے، یہاں تک کہ ان کے احاطوں کو بھی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور مالوں میں کسی قسم کی کمی کی جائے گی، نہ مذہب کے بارے میں کسی قسم کا کوئی تشدد کیا جائے گا اور نہ ان میں سے کوئی کسی کو ضرر پہنچائے گا۔ اور ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے اور ایلیا والوں پر فرض ہے کہ وہ جزیہ دیں اور یونانیوں کو نکال دیں۔ پس یونانیوں یعنی رومیوں میں سے جو شہر سے نکل جائے گا، اس کے جان و مال کو امان دی جاتی ہے جب تک کہ وہ محفوظ مقام تک نہ پہنچ جائے۔ اگر کوئی رومی ایلیا ہی میں رہنا پسند کرتا ہے تو اس کو باقی اہل شہر کی طرح جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ یہاں اگر اہل ایلیا میں سے کوئی شخص رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو اس کو امن و امان ہے، یہاں تک کہ وہ محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔ جو کچھ اس عہد نامہ میں درج ہے، اس پر اللہ اور رسول ﷺ اور خلفاء اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اگر اہل ایلیا مقررہ جزیہ کی ادائیگی سے انکار نہ کریں۔“

اس عہد نامہ پر خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کے دستخط بطور گواہ ثبت ہوئے۔ بیت المقدس والوں نے فوراً جزیہ ادا کر کے شہر کے دروازے کھول دیے۔ اسی طرح اہل رملہ نے بھی مصالحت کے ساتھ شہر مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پیادہ پا بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد اقصیٰ میں گئے، محراب داؤد کے پاس پہنچ کر سجدہ داؤد کی آیت پڑھ کر سجدہ کیا، پھر عیسائیوں کے گرجے میں گئے اور اس کی سیر کر کے واپس تشریف لائے۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صوبہ فلسطین کے دو حصہ کر کے ایک حصہ پر علقمہ بن حکیم کو عامل مقرر کر کے رملہ میں قیام کا حکم دیا۔ دوسرے حصہ پر علقمہ بن محرز کو عامل مقرر فرما کر بیت المقدس میں رہنے کا حکم دیا۔

فتح تکریت و جزیرہ:

مذکورہ بالا واقعات کے پڑھنے سے رجب سنہ ۲۶ھ تک کی اسلامی تاریخ جو شام و عراق سے تعلق رکھتی ہے، ہماری نظر سے گزر گئی ہے۔ اب آگے روم و ایران کے واقعات میں سے کسی ایک کے سلسلہ کو شروع کرنے سے پیشتر تکریت کی فتح اور صوبہ جزیرہ پر لشکر اسلام کے قبضہ کا حال اس لیے بیان کرنا ضروری ہے کہ تکریت میں رومیوں اور ایرانیوں نے مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اسی طرح جزیرہ کے قبضہ میں لانے کا باعث مسلمانوں کی عراقی و شامی دونوں فوجیں ہوئی ہیں۔ نیز یہ کہ مذکورہ بالا واقعات کے بعد ہی تکریت و الجزیرہ کے واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں۔

تکریت میں ایک ایرانی صوبہ دار رہا کرتا تھا۔ اس نے جب سنا کہ مدائن پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا ہے تو اس نے رومیوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ رومی لوگوں پر بھی چونکہ اسلامی فوجوں کی ضربیں پڑ رہی تھیں، وہ بہت آسانی سے اس سرحدی صوبے دار کی اعانت پر آمادہ ہو گئے۔ ساتھ ہی ایاد، تغلب، نمر وغیرہ قبائل جو عیسائی تھے، رومیوں کی ترغیب سے مرزبان تکریت کے ساتھ شریک ہو گئے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن المغصم کو پانچ ہزار کی جمعیت کے ساتھ تکریت کی جانب روانہ کیا۔ اسلامی لشکر نے جا کر تکریت کا محاصرہ کر لیا۔ بڑی خونریز جنگ کے بعد رومیوں اور ایرانیوں کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ عرب قبائل میں سے اکثر نے دین اسلام قبول کر لیا۔ بہت ہی تھوڑے ایرانی اور رومی جان بچا کر بھاگ سکے، باقی سب وہیں مقتول ہوئے۔ اس لڑائی میں مال غنیمت اس قدر ہاتھ آیا کہ جب خمس نکال کر لشکر پر تقسیم کیا گیا تو ایک ایک سوار کے حصے میں تین تین ہزار درہم آئے۔

صوبہ جزیرہ بھی شام و عراق کے درمیان کبھی رومی سلطنت کے زیر اثر ہوتا، کبھی ایرانی سلطنت کی ماتحتی میں آ جاتا تھا۔ اہل جزیرہ نے اسلامی فتوحات کے نقشے دیکھ دیکھ کر ہرقل کو لکھا کہ آپ شام کے مشرقی شہروں کی طرف حفاظتی افواج بھیجیں۔ ہم سب مل کر آپ کی اور آپ کی فوجوں کی مدد کریں گے۔ ہرقل نے اہل جزیرہ کی اس درخواست کو تائید غیبی سمجھ کر شام کے مشرقی شہروں کی طرف فوجیں روانہ کیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان حالات سے واقف ہو کر ایک طرف سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اہل جزیرہ کو ان کی حدود سے باہر مت نکلنے دو۔ دوسری طرف ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ قیصر کی فوجوں کو حمص و قنسرین کی طرف بڑھنے سے روکو۔ چنانچہ عراقی و شامی ہر دو افواج

نے اپنا اپنا کام عمدگی سے انجام دیا اور تمام صوبہ جزیرہ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد ایک سرے سے دوسرے سرے تک محفوظ ہو گیا۔ یہ واقعہ سنہ ۷۱۷ھ کا ہے۔

قبیلہ ایاد کی واپسی:

اسی سال جبکہ پورے صوبہ جزیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو وہاں سے قبیلہ ایاد جو عیسائی مذہب رکھتا تھا، جلاوطن ہو کر ہرقل کے ملک میں چلا گیا اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس بات سے مطلع ہو کر ہرقل کو لکھا کہ:

”مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ ہمارا ملک چھوڑ کر تمہارے شہروں میں چلا گیا ہے۔ اگر تم ان عربوں کو اپنے ملک سے نہ نکالو گے تو ہم ان تمام عیسائیوں کو جو ہمارے ملک میں آباد ہیں، نکال کر تمہارے پاس بھیج دیں گے۔“

ہرقل نے اس فاروقی خط کو پڑھتے ہی فوراً قبیلہ ایاد کو جو چار ہزار نفوس پر مشتمل تھا، اپنے علاقے سے نکال دیا۔ وہ شام اور جزیرہ میں واپس آ کر آباد ہو گئے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق عجم پر حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اور عراق عرب پر ولید بن عقبہ کو انتظامی افسر مقرر فرمایا تھا۔ ان عربوں کے واپس آنے پر ولید بن عقبہ کو لکھا کہ ان لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور نہ کرو۔ اگر وہ جزیہ دینا منظور کریں تو قبول کرلو۔ یہ بات کہ سوائے اسلام کے کوئی درخواست منظور نہ کی جائے گی، جزیرۃ العرب مابین مکہ و مدینہ اور یمن کے لیے مخصوص ہے۔ ہاں اس شرط کا ان لوگوں کو ضرور پابند بناؤ کہ جن لڑکوں کے والدین مسلمان ہو گئے ہیں، ان کو عیسائی نہ بنائیں یعنی مسلمانوں کی اولاد کو عیسائی بنانے کی کوشش نہ کریں اور جو مسلمان ہونا چاہے، اس کو نہ روکیں۔

ولید بن عقبہ نے اس حکم فاروقی کی تعمیل کی۔ چند روز کے بعد ایاد نے ایک سفارت مدینہ منورہ میں بھیجی کہ ہم سے کوئی رقم جزیہ کے نام سے وصول نہ کی جائے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی اس درخواست کو منظم کر کے جزیہ سے دو چند رقم صدقہ کے نام سے وصول کرنے کا حکم وہاں کے عامل کو لکھ کر بھیجا اور قبیلہ ایاد نے اس کو بخوشی منظور کر لیا۔ چند روز کے بعد قبیلہ ایاد نے ولید بن عقبہ کی شکایت کی تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ فرات بن حیان اور ہند بن عمر العجلی کو مقرر فرمایا۔

اس جگہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ صوبہ جزیرہ کی فتح کو بعض مورخین نے فتوحات شام میں شمار کیا ہے۔ بہر حال عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے کمکی بن کر آئے تھے، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی افواج یعنی افواج شام سے آئے تھے۔ صوبہ جزیرہ کی فتح کو شام و عراق دونوں کی فتوحات میں شامل سمجھنا چاہیے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی:

عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تھا لیکن اس بات کے سمجھنے میں لوگوں سے بہت غلطی ہوئی ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شروع عہد خلافت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حقیقی طور پر معزول نہیں کیا تھا بلکہ ان کا درجہ کسی قدر کم کیا تھا۔ پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سپہ سالار اعظم تھے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو نائب سپہ سالار اعظم بنا دیا تھا۔ اس ایک درجہ کے ٹوٹنے سے ان کی ذمہ داریوں میں کوئی نمایاں فرق نہ آیا تھا۔ صرف اس بات کی روک تھام ہو گئی تھی کہ وہ آزادانہ طور پر مسلمانوں کی جمعیت کو کسی خطرہ کے مقام میں نہیں لے جاسکتے تھے اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی رضامندی اور اجازت ان کو حاصل کرنا پڑتی تھی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کا اصل واقعہ سنہ ۷ھ کے آخری مہینوں میں ہوا اور اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہر سردار فوج، ہر عامل، ہر حصہ فوج اور ہر شہر کے عامل سے باخبر رہتے تھے۔ آپ کے پرچہ نویس ہر فوج اور شہر میں موجود ہوتے تھے اور بلا کم و کاست ضروری حالات سے خلیفہ وقت کو آگاہ رکھتے تھے۔ حالانکہ ہر ایک عامل اور ہر ایک سردار فوج خود بھی اپنے حالات کی اطلاع دربار خلافت میں بھیجتا رہتا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ان کے پرچہ نویس نے اطلاع دی کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو صوبہ جزیرہ کی فتح سے ابھی واپس ملک شام میں آئے ہیں، اپنے ساتھ بے حد مال و دولت لائے ہیں اور انہوں نے اپنی مدح کے صلہ میں اشعث بن قیس شاعر رضی اللہ عنہ کو دس ہزار درہم دیے ہیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ”خالد سے سر مجلس دریافت کیا جائے کہ تم نے اشعث کو انعام اپنی گرہ سے دیا ہے یا بیت المال سے؟ اگر اپنی گرہ سے دیا ہے تو اسراف ہے اور بیت المال سے دیا ہے تو خیانت۔ دونوں صورتوں میں معزولی کے قابل ہو۔ خالد کا عمامہ اتار کر اسی عمامہ سے ان کی گردن باندھی جائے۔“ قاصد سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہہ

دیا تھا کہ اگر خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) اپنی غلطی کا اقرار کریں تو ان سے درگزر کی جائے۔ چنانچہ وہ مجمع عام میں بلائے گئے۔ قاصد نے ان سے پوچھا کہ یہ انعام تم نے کہاں سے دیا؟ خالد (رضی اللہ عنہ) یہ سن کر خاموش رہے اور اپنی خطا کا اقرار کرنے پر رضامند نہ ہوئے۔ مجبوراً قاصد نے ان کا عمامہ اتار کر اسی سے ان کی گردن باندھی اور پھر دوبارہ دریافت کیا تو خالد (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ اشعث کو میں نے اپنے مال سے انعام دیا، بیت المال سے نہیں دیا۔ قاصد نے یہ سنتے ہی گردن کھول دی اور فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) کو اس کیفیت کی اطلاع دی۔ فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) نے خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کو جواب دہی کے لیے مدینہ منورہ میں طلب فرمایا۔ خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) نے حاضر ہو کر کہا کہ اے عمر! واللہ! آپ میرے معاملے میں انصاف نہیں کرتے۔ فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) نے کہا تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی اور اس قدر انعام وصلہ شاعر کو تم نے کہاں سے دیا؟ خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ مال غنیمت سے جو میرے حصے میں آیا تھا، انعام دیا تھا، پھر خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ اچھا ساٹھ ہزار سے جو کچھ زیادہ ہے، وہ بیت المال میں جمع کرتا ہوں۔ چنانچہ حساب کرنے پر بیس ہزار زائد نکلے اور بیت المال میں داخل کر دیے گئے۔ اس کے بعد دونوں حضرات میں صفائی ہو گئی اور کوئی وجہ کدورت باقی نہ رہی۔ خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کے متعلق یہ شکایت شروع سے تھی کہ وہ فوجی حساب کتاب کو صاف نہ کرتے اور مکمل حساب نہ سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ آزادانہ صرف کر دیا کرتے تھے اور ان کی شاہ خرچیاں اکثر اوقات کسی قاعدے کے ماتحت نہ آ سکتی تھیں۔ اسی لیے فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) نے ان کا ایک درجہ توڑ دیا تھا اور اب چشم نمائی کے طور پر دار الخلافہ میں طلب فرما کر ایک نوع کی تنبیہ کر دی تھی۔

بصرہ وکوفہ:

سنہ ۱۴ھ سے فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) کو سرداران لشکر کی رپورٹوں اور عراق کی طرف سے آنے والے سپاہیوں کے معائنہ سے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ عربوں کو عراق کی آب و ہوا موافق نہیں آتی۔ چنانچہ آپ نے احکام جاری کیے کہ اہل عرب کے لیے ایسی چھاؤنیاں قائم کی جائیں جن کی آب و ہوا ملک عرب سے بہت مشابہ اور صحت بخش ہوتا کہ فوجیں جب لڑائی کے کام سے فارغ ہوا کریں تو ان چھاؤنیوں میں آ کر قیام کیا کریں۔ اسی زمانے میں بصرہ کے قیام پر فوجی چھاؤنی دجلہ کے قریب قائم کی گئی۔ اس چھاؤنی میں صرف پھوس کے چھپرے تھے اور جب لشکری لوگ کسی مہم پر

جاتے تو ان چھپروں کو آگ لگا جاتے تھے۔ واپس آ کر پھر اپنی ضرورت کے موافق چھپر ڈال لیتے تھے۔ سنہ ۷۱۷ھ میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں مکانات بنائے اور ایک دوسری چھاؤنی یعنی کوفہ کو آباد کرنے کی منظوری دی۔ اسی سال بصرہ میں مکانات بننے شروع ہوئے اور اسی سال کوفہ کی آبادی شروع ہوئی۔ ان دو مقامات کی آب و ہوا عربوں کو بہت موافق آئی اور چند روز کے بعد یہ دونوں شہر اسلامی طاقت کے مرکز شمار ہونے لگے۔

فتح اہواز و اسلام ہرمزان:

ایرانیوں کا نامی سردار ہرمزان جنگ قادسیہ سے فرار ہو کر صوبہ اہواز کے دارالصدر خوزستان میں آ کر اس علاقہ کے تمام متعلقہ شہروں میں قابض ہو کر فوجیں جمع کرنے کی کوشش میں مصروف ہوا اور رفتہ رفتہ اس علاقہ پر خود مختار حکومت کر کے اپنی حدود حکومت کو وسیع کرنا شروع کیا۔ کوفہ و بصرہ کی چھاؤنیوں سے اسلامی افواج نے اس پر حملہ کیا اور شکست پر شکست دے دی۔ اس نے صوبہ اہواز پر قبضہ قائم رکھنے کے لیے جزیہ دے کر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ چند روز کے بعد ہرمزان نے بغاوت اختیار کی اور مقام سوق اہواز میں اسلامی فوج سے شکست کھا کر مقام رام ہرمز میں جا کر پناہ لی۔ اس مرتبہ ہرمزان نے عاجز ہو کر پھر صلح کی درخواست پیش کی اور ادائے جزیہ کی شرط پر مسلمانوں نے باقی علاقہ ہرمزان کے قبضہ میں چھوڑ کر اس سے پھر صلح کر لی۔ ہرقوص بن زہیر سعدی فاتح اہواز نے جبل اہواز پر ڈیرے ڈال کر علاقہ اہواز کے ویران شدہ شہروں کی آبادی کا کام شروع کیا۔ اسی عرصہ میں خبریں پہنچیں کہ یزد جردشاہ فارس نے بہت سی فوجیں جمع کر کے مسلمانوں پر پھر چڑھائی کا مصمم ارادہ کیا ہے۔

اس خبر کو سن کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس خطرہ کے سدباب کے لیے مختلف سمتوں اور مختلف راستوں پر اسلامی دستے متعین کر دو۔ چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے ایک دستہ احتیاطاً ہرمزان کے مقابل رام ہرمز کی جانب بھی متعین کیا کیونکہ ہرمزان، یزد جرد کے احکام کی تعمیل اور اس عزائم کو کامیاب بنانے کی تدابیر میں مصروف تھا۔ اس دستہ فوج کے مقابلہ پر ہرمزان فوج لے کر میدان میں نکلا، لڑائی ہوئی۔ ہرمزان کو شکست فاش حاصل ہوئی اور مسلمانوں نے رام ہرمز پر قبضہ کیا۔ ہرمزان شکست خوردہ فرار ہو کر مقام تشر میں پہنچ کر مسلمانوں کے خلاف فوجیں جمع کرنے لگا۔ تشر کے قلعہ کی مرمت بھی کرائی۔ چاروں طرف خندق کو درست کر لیا اور برجوں کی پورے طور

پر مضبوطی کر لی۔ ایرانی فوجیں بھی تشر میں اس کے پاس آ کر جمع ہونے لگیں۔ ان حالات سے مطلع ہو کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی افواج کا سردار بنا کر بھیجا۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے تشر کی جانب ”حرکت“ کے قریب پہنچ کر لڑائیوں کا سلسلہ جاری کیا۔ ہرمزان نے اول کئی معر کے میدان میں کیے، پھر تشر میں محصور ہو کر مدافعت میں مستعد ہوا۔ بہت سی لڑائیوں اور حملہ آوریوں کے بعد شہر تشر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہرمزان نے تشر کے قلعہ میں پناہ لی۔ قریب تھا کہ قلعہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے کہ ہرمزان نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ درخواست بھیجی کہ میں اپنے آپ کو اس شرط پر تمہارے سپرد کرتا ہوں کہ مجھ کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا جائے اور میرے معاملہ کو انہیں کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جائے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ چنانچہ ہرمزان کو انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور احنف بن قیس وغیرہ کی ایک سفارت کے ہمراہ مدینہ منورہ کی جانب روانہ کیا گیا۔ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر ہرمزان نے مرصع تاج سر پر رکھا اور رزق برق لباس پہنا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب ایسے بڑے سردار کو اس طرح گرفتار دیکھا تو اللہ کا شکر ادا کیا۔ ہرمزان سے پوچھا کہ تم نے کئی مرتبہ بد عہدی کی ہے۔ اس کی سزا میں تمہارے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جائے اور بتاؤ کہ تم اپنی برأت اور معذرت میں کیا کہنا چاہتے ہو؟

ہرمزان نے کہا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم میری طرف سے معذرت سنے بغیر ہی مجھ کو قتل نہ کر دو۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، تم خوف نہ کرو، تمہاری معذرت ضرور سنی جائے گی۔ پھر ہرمزان نے پانی مانگا، پانی آیا تو ہرمزان نے پیالہ ہاتھ میں لے کر کہا کہ مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں تم مجھ کو پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کر دو۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم مطلق خوف نہ کرو۔ جب تک پانی نہ پی لو گے، اس وقت تک تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ ہرمزان نے یہ سنتے ہی پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس شرط کے موافق اب تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے کیونکہ تم نے مجھ کو امان دے دی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کا حسن سلوک:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ ہم نے تجھ کو امان نہیں دی۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فوراً بول اٹھے کہ امیر المومنین! ہرمزان سچ کہتا ہے۔ آپ نے ابھی فرمایا ہے کہ جب تک پورا حال نہ کہہ لو گے اور پانی نہ پی لو گے، کسی خطرہ میں نہ ڈالے جاؤ گے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سن کر

حیران رہ گئے اور ہرمزان سے مخاطب ہو کر بولے کہ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے مگر میں تم کو کوئی دھوکا نہیں دوں گا۔ مناسب ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہرمزان نے اسی وقت کلمہ توحید پڑھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ ہرمزان کو مدینے میں رہنے کی جگہ دی۔ دو ہزار سالانہ تنخواہ مقرر کر دی اور اس کے بعد مہم فارس میں اکثر ہرمزان سے مشورہ لیتے رہتے تھے۔ اس کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور احنف بن قیس رضی اللہ عنہ وغیرہ ارکان سفارت سے مخاطب ہو کر کہا: ”شاید تم لوگ ذمیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے ہو، اسی لیے یہ بار بار بغاوت اختیار کرتے ہیں۔“ یہ سن کر احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا کہ امیر المومنین! ہم ہمیشہ اپنے وعدوں کا ایفا کرتے اور نہایت رافت و محبت کا برتاؤ ذمیوں کے ساتھ کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کی بار بار بغاوت و سرکشی کا سبب صرف یہ ہے کہ آپ نے ہم کو بلاد فارس میں آگے بڑھنے کی ممانعت کر دی ہے۔ اہل فارس کا بادشاہ یزد جرد فارس کے شہروں میں موجود ہے۔ جب تک یزد جرد فارس کے ملک میں زندہ و سلامت موجود رہے گا، اس وقت تک اہل فارس لڑنے اور ہمارا مقابلہ کرنے سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے احنف رضی اللہ عنہ کے کلام کی تصدیق کی اور اس کے بعد بلاد فارس میں اسلامی فوجوں کو پیش قدمی کی اجازت دے دی۔

فتح مصر:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس تشریف لے گئے تھے تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان سے مصر پر فوج کشی کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی کمکی پر مقرر فرمایا تھا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ چار ہزار اسلامی لشکر لے کر مصر کی جانب بڑھے۔ مصر کے بادشاہ مقوقس کے پاس فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے موافق عمرو رضی اللہ عنہ نے تین شرطیں یعنی اسلام، جزیہ اور جنگ لکھ کر بھیجیں۔ تب مصر میں رومی سردار اربطون بھی مع اپنی تمام فوج کے مقیم تھا۔ سب سے پہلے اربطون اپنی فوج لے کر آگے بڑھا اور سخت معرکہ کے بعد شکست کھا کر بھاگا۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر مقام عین شمس کا محاصرہ کر لیا اور یہیں سے مصر کی فوجی چھاؤنی حصار فرما اور اسکندریہ کے محاصرہ کے لیے دو دستے روانہ کیے۔ تینوں جگہ چند روز تک لڑائی اور محاصرہ کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر عین شمس والوں نے جزیہ دے کر صلح کر لی۔ صلح کے بعد عمرو بن

العاص رضی اللہ عنہ نے ان قیدیوں کو واپس دینے سے انکار کیا جن کو بحالت جنگ اس سے پہلے گرفتار کر چکے تھے۔ یہ معاملہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مصریوں کے تمام قیدیوں کو واپس کر دو۔ اس کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر مقام فسطاط کی طرف روانہ کیا۔ یہاں ایک زبردست قلعہ تھا، جس کو زبیر رضی اللہ عنہ نے جنگ بسیار و پیکار کے بعد فتح کر لیا، پھر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ پر حملہ کیا۔ تین مہینے کے محاصرے کے بعد اسکندریہ مفتوح ہوا اور مقوقش شاہ مصر نے جو اسکندریہ میں مقیم تھا، اس شرط پر صلح کی کہ جو شخص اسکندریہ سے جانا چاہے، اس کو جانے دیا جائے اور جو اسکندریہ میں رہے، اس کو رہنے دیا جائے۔ فتح اسکندریہ کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام فوجی سرداروں اور لشکریوں کو اسکندریہ میں ٹھہرا کر بلاد و اطراف مصر کی طرف قبضہ و دخل اور انتظام قائم کرنے کے لیے تعینات کیا اور مصر سے فارغ ہو کر ”توبہ“ کی جانب توجہ کی۔

جنگ نہاوند:

فتح مدائن و جلولا کے بعد یزد جرد مقام رے میں جا کر مقیم ہوا تھا۔ وہاں کے مرزبان مسمی آبان جادویہ نے یزد جرد کے قیام کو اپنی حکومت و اختیار کے منافی دیکھ کر بے وفائی کی علامات کا اظہار کیا اور یزد جرد رے سے روانہ ہو کر اصفہان چلا گیا۔ اصفہان کے چند روزہ قیام کے بعد کرمان کی طرف آیا۔ وہاں سے پھر واپس اصفہان میں جب مسلمانوں نے صوبہ اہواز پر تصرف کیا تو یزد جرد مشرقی ایران یعنی خراسان کے شہر ”مرؤ“ میں آ کر مقیم ہوا۔ یہاں اس نے ایک آتش کدہ بنوایا اور اطمینان کے ساتھ رہنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ اہل عرب اب آگے نہیں بڑھیں گے اور سرحدی مقامات تک ان کی فتوحات کا سلسلہ ختم ہو جائے گا لیکن اہواز کے تمام وکمال مسلمانوں کے قبضے میں چلے جانے اور ہرمزان کے گرفتار ہو کر مدینے چلے جانے کی خبر سن کر اس کو طیش آیا اور وہ پھر ایک مرتبہ پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کے استیصال کی غرض سے فوجوں کے فراہم کرنے میں مصروف ہوا۔ اس نے اطراف و جوانب کے امراء کو خطوط لکھے اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے غیرتیں دلا کر آمادہ و مستعد بنایا۔

چنانچہ یزد جرد کی ان کوششوں کے نتیجے میں یکا یک طبرستان، جرجان، خراسان، اصفہان،

ہمدان، سندھ وغیرہ ملکوں اور صوبوں میں مسلمانوں کے خلاف سخت جوش اور مستعدی پیدا ہوئی اور جوق در جوق لشکری لوگ یزدجرد کی خدمت میں آ آ کر جمع ہونے لگے۔ یزدجرد نے فیروز اور بقول دیگر مروان شاہ کو سپہ سالار بنا کر ڈیڑھ لاکھ لشکر جرار کے ساتھ نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ یہاں یہ ڈیڑھ لاکھ کا لشکر جمع ہو رہا تھا، وہاں مدینہ منورہ میں فاروق اعظم ؓ بلاد ایران میں پیش قدمی کی اجازت مسلمانوں کو دے چکے تھے۔ انہیں ایام میں مدینہ کے اندر خبر پہنچی کہ نہاوند میں ایرانیوں کا ڈیڑھ لاکھ کا لشکر جمع ہو گیا ہے۔ فاروق اعظم ؓ نے اس لشکر کے مقابلے کے لیے خود جانے کا ارادہ کیا لیکن علی، عثمان غنی اور طلحہ ؓ نے فاروق اعظم ؓ کے جانے کو مناسب نہ سمجھ کر اس رائے سے اختلاف کیا۔ فاروق اعظم ؓ نے ان بزرگوں کی رائے کو منظور کر کے کوفہ کی افواج کا سپہ سالار نعمان بن مقرن ؓ کو مقرر کر کے حکم دیا کہ کوفہ کے قریب کسی چشمہ پر جا کر قیام کرو۔ ان ایام میں سعد بن ابی وقاص ؓ کو فاروق اعظم ؓ نے مدینہ منورہ میں اپنے پاس بلوایا تھا۔ وہ فاروق اعظم ؓ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ تم کوفہ میں کس کو اپنا قائم مقام بنا کر آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کو۔ فاروق اعظم ؓ نے عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کو لکھ کر بھیجا کہ کوفہ کی افواج کو نعمان بن مقرن کے ساتھ روانہ کر دو اور فلاں چشمہ پر نعمان بن مقرن کے پاس بھیج دو۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حذیفہ بن الیمان ؓ اور نعیم بن مقرن کے ہمراہ فوج مرتب کر کے روانہ کر دی۔ ساتھ ہی ابواز کی مقیم افواج کو لکھ بھیجا کہ فارس و اصفہان کی ناکہ بندی کرو تا کہ اہل نہاوند کو ایرانی امداد نہ پہنچا سکیں۔ نعمان بن مقرن ؓ کے پاس جب فوجیں جمع ہو گئیں تو انہوں نے اپنے بھائی نعیم بن مقرن کو مقدمۃ الجیش کا افسر مقرر کیا۔ میمنہ حذیفہ بن الیمان ؓ کو دیا۔ میسرہ سوید بن مقرن کے سپرد کیا۔ پیادہ فوج پر قعقاع ؓ کو اور ساقہ پر مجاشع بن مسعود کو متعین و مامور کیا۔ اس تمام اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی۔ کوفہ سے روانہ ہو کر یہ لشکر نہاوند کی طرف برابر بڑھتا چلا گیا اور وہاں سے نومیل کے فاصلہ پر قیام کیا۔ ادھر سے ایرانی لشکر بھی جس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی، میدان میں نکل آیا۔

چہار شنبہ کے روز لڑائی شروع ہو کر جمعرات تک جاری رہی اور فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ جمعہ کے روز سے ایرانی پھر شہر اور شہر پناہ کے اندر چلے گئے۔ انہوں نے شہر کے باہر لوہے کے گوکھر و بچھا رکھے تھے جن کی وجہ سے اسلامی لشکر شہر کی فسیل کے قریب بھی نہیں جاسکتا تھا اور ایرانی

جب چاہتے، دروازوں سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے۔ یہ رنگ دیکھ کر نعمان رضی اللہ عنہ نے سرداران لشکر کو اپنے خیمے میں بغرض مشورہ طلب کیا اور ہر ایک سے لڑائی کے متعلق رائے لی گئی۔ طلحہ بن خالد کی رائے سب کو پسند آئی اور اسی کے موافق اسلامی فوج مرتب و مسلح ہو کر چھ سات میل شہر سے پیچھے ہٹ کر مقیم ہوئی اور قعقاع رضی اللہ عنہ تھوڑی سی فوج لے کر شہر والوں پر حملہ آور ہوئے۔ ایرانی اسی تھوڑی سی فوج کو حملہ آور دیکھ کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ مقابلہ کو نکلے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ ایرانی فتح کی خوشی میں ان کی جمعیت کو دباتے ہوئے آگے بڑھتے چلے آئے، یہاں تک کہ اپنی خندقوں وغیرہ سے بہت فاصلہ پر آ کر اسلامی تازہ دم فوج کی زد پر آ گئے۔ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ تمام اسلامی لشکر نے نعرہ تکبیر کے ساتھ یکا یک حملہ کیا تو ایرانی لشکر نہایت بے سرو سامانی کے ساتھ بھاگا۔ مسلمانوں نے ان کو بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ عین معرکہ قتال کی شدت کے عالم میں نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے۔ ان کے بھائی نعیم بن مقرن نے فوراً اپنے بھائی کے کپڑے پہن کر علم ہاتھوں میں لے لیا اور لشکر والوں کو آخر تک اپنے سپہ سالار کے شہید ہونے کا حال معلوم نہ ہوا۔ ایرانی لشکر جو میدان سے سراسیمہ ہو کر بھاگا تو ان گوکھروؤں سے جو مسلمانوں کے لیے بچھائے تھے، اپنے آپ کو نہ بچا سکا اور خود ان گوکھروؤں میں مبتلا ہو کر ہزاروں ایرانی ہلاک ہوئے۔ ایرانی سردار نہاوند سے بھاگے اور تمام بھگوڑے ہمدان میں آ کر جمع ہوئے۔ نعیم و قعقاع رضی اللہ عنہ نے ان فراریوں کا پاشنہ کوب پہنچ کر ہمدان کا محاصرہ کر لیا اور بہ آسانی ہمدان پر اسلامی قبضہ ہو گیا۔ نعمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کے سپہ سالار مقرر ہوئے تھے۔ انہوں نے نہاوند پہنچ کر مال غنیمت جمع کیا، یہاں کے آتش کدے کو بجھایا۔

ایک موبد نے خود حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیش قیمت جواہرات کا ایک صندوق جو اس کے پاس شاہی امانت کے طور پر رکھا تھا، پیش کیا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت لشکر میں تقسیم کیا اور خمس کے ساتھ وہ جواہرات کا صندوق بھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سائب بن الاقرع کے ہاتھ روانہ کیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو چند روز سے کوئی خبر جنگ کی نہیں پہنچی تھی، وہ بہت پریشان تھے کہ سائب بن الاقرع رضی اللہ عنہ خمس مع جواہرات اور فتح کی خوش خبری لے کر پہنچے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ جواہرات کو بیت المال میں داخل کرا کر سائب رضی اللہ عنہ کو واپس جانے کا حکم دیا۔

سائب رضی اللہ عنہ ان کو پھر مدینہ کی طرف لوٹا کر لے گئے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ فرشتے ان جواہرات کو رکھ لینے پر مجھے عذاب کی دھمکی دیتے ہیں۔ لہذا میں ان کو بیت المال میں ہرگز نہ رکھوں گا۔ تم ان جواہرات کو لے جاؤ اور فروخت کر کے ان کی قیمت لشکر اسلام پر تقسیم کر دو۔“ سائب رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں ان جواہرات کو عمرو بن حریث مخزومی کے ہاتھ دو لاکھ درہم پر فروخت کیا اور وہ لاکھ درہم مسلمانوں میں تقسیم کر دیے۔ عمرو بن حریث نے ان جواہرات کو فارس میں لے جا کر چار لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قاتل ابولولو نہاوند کا باشندہ تھا اور اسی لڑائی میں گرفتار کیا گیا تھا۔

ملک عجم کی عام تسخیر:

فتح نہاوند کے بعد ہمدان فتح ہوا۔ چند روز کے بعد ہمدان والوں نے بغاوت اختیار کی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد ایران کے مختلف صوبوں اور مختلف سمتوں کی طرف مختلف سردار نامزد فرما کر حکم دیا کہ ملک تسخیر کرتے اور بدمنی دور کر کے امن وامان قائم کرتے چلے جاؤ۔ چنانچہ کوفہ و بصرہ دونوں چھاؤنیوں کی سپاہ اور سردار تسخیر ایران کے کام میں مصروف ہو گئے۔ یہ عام لشکر کشی مذکورہ بالا واقعات کے بعد سنہ ۲۱ھ میں شروع ہوئی۔ لشکر کشی کا حکم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کی آئے دن کی بغاوتوں اور سازشوں سے تنگ آ کر دیا تھا۔ ورنہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خوشی یہی تھی کہ ہم اپنے مقبوضہ علاقوں پر قانع رہیں اور اس حالت میں رہیں کہ ہم کو ایرانی چڑھائیوں کا خطرہ نہ ہو۔ غرض ایران میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اول اصفہان عبداللہ بن عبداللہ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ نعیم بن مقرن نے رے، آذربائیجان کو بڑے خوں ریز معرکہ کے بعد فتح کیا۔ نعیم بن مقرن کے بھائی سوید بن مقرن نے قومس کو فتح کر لیا۔ رستم مذکور مقتول کا بھائی اسفندیار عقبہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں گرفتار ہوا اور پھر جزیہ ادا کرنے کی شرط پر رہا ہوا۔ سوید بن مقرن نے قومس کے بعد جرجان کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد کل صوبہ طبرستان مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ بکیر رضی اللہ عنہ نے آرمینیا فتح کیا۔ عبدالرحمن بن ربیعہ نے شہر بیضا اور علاقہ خزر فتح کر لیا۔

عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ نے سنہ ۲۳ھ میں ملک سیستان اور سہیل بن عدی نے کرمان فتح کیا۔ حکم بن عمرو تغلشی نے مکران یعنی بلوچستان کا ملک فتح کیا اور جنگ عظیم کے بعد اس ملک کے راجہ راسل

نے جو ایرانیوں کا طرفدار و باجگزار تھا، شکست کھائی۔ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فتح کی خوشخبری کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے بھیجے۔ صحرابدی رضی اللہ عنہ حکم رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ خوشخبری اور ہاتھی لے کر مدینے گئے تھے۔ صحرابدی رضی اللہ عنہ سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس نواح کے حالات معلوم کرنے کے بعد حکم بن عمرو کو لکھا کہ بس جہاں تک پہنچ گئے ہو، یہیں رک جاؤ۔ اب آگے نہ بڑھو۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یزدجرد دارالصدر خراسان یعنی ”مرؤ“ میں مقیم تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خراسان کی فتح کا علم احنف بن قیس کو دیا جس نے اول ہرات کو فتح کیا۔ اس کے بعد وہ ”مرؤ“ یعنی شاہجہان کی طرف بڑھے۔ یزدجرد یہیں مقیم تھا۔ وہ مروشاہجہان سے مرورود چلا گیا اور خاقان چین نیز دوسرے سلاطین کو امداد کے لیے خطوط لکھے۔ احنف بن قیس مروشاہجہان پر قبضہ کرتے ہوئے مرورود کی طرف بڑھے۔ یزدجرد یہاں سے بھی بھاگا اور بلخ میں جا کر دم لیا۔ خراسان میں چونکہ یزدجرد مقیم تھا اور یہاں سخت معرکہ پیش آنے کا احتمال تھا، اس لیے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے احنف بن قیس کی کمک کے لیے کئی فوجی دستے تجربہ کار اور بہادر سپہ سالاروں کی ماتحتی میں روانہ کیے تھے۔ یہ تازہ دم فوج جب احنف بن قیس کے پاس پہنچ گئی تو انہوں نے تمام لشکر کو ہمراہ لے کر بلخ پر حملہ کیا مگر یزدجرد شکست کھا کر بھاگا اور دریائے جیحون سے اتر کر ترکستان کے علاقے میں چلا گیا۔ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے تمام خراسان پر قبضہ کر کے مرورود کو صدر مقام قرار دیا۔ خراسان کی فتح کا حال جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو احنف کی بہادری اور مردانہ کارناموں کی تعریف کی لیکن فرمایا کہ کاش! ہمارے اور خراسان کے درمیان آگ کا دریا حائل ہوتا۔ مدعا آپ کا یہ تھا کہ فتوحات کی وسعت کوئی اچھی بات نہیں۔ آپ نے احنف بن قیس کو لکھا کہ تم جہاں تک پہنچ چکے ہو، اس سے آگے ہرگز نہ بڑھو۔ یزدجرد جب خاقان کے پاس فرغانہ میں پہنچا تو اس نے اس کی بڑی عزت کی اور زبردست فوج لے کر یزدجرد کے ہمراہ خراسان کی طرف روانہ ہوا۔ بلخ تک خاقان تو مرورود پر حملہ آور ہوا اور یزدجرد نے مروشاہجہان پر حملہ کیا۔ خاقان کو مرورود میں احنف بن قیس کے مقابلہ میں ناکامی ہوئی اور اپنے بعض ناموروں کو قتل کرا کر وہاں سے فرغانہ کی طرف چل دیا۔ خاقان کو فرغانہ کی طرف راہی سن کر یزدجرد نے بھی مروشاہجہان سے محاصرہ اٹھایا اور ترکستان کی طرف چلا۔ یزدجرد کے امیروں اور سرداروں نے یہ دیکھ کر کہ یزدجرد کا اقبال یاور نہیں رہا، اس سے تمام زرو جو اہر اور مال و اسباب جو وہ اپنے ہمراہ ترکستان کو لیے جاتا تھا، چھین

لیا اور یزد جرد بیک بنی و دوگوش خاقان کے پاس فرغانہ میں پہنچا۔ اس فتح کی خوشخبری فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ میں پہنچی تو انہوں نے منادی کرا کر شہر کے لوگوں کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں طلب کیا، پھر اس مجمع عام کے رو بہ رو ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

”آج مجوسیوں کی حکومت فنا ہو چکی ہے۔ اب وہ اپنے ملک میں بالشت بھر زمین کے بھی مالک نہ ہو سکیں گے کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکیں۔ مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تم کو مجوسیوں کی زمین، مجوسیوں کے ملک اور مجوسیوں کے اموال و املاک کا مالک بنا دیا ہے تاکہ اب تمہارے اعمال و افعال کو جانچے۔ پس مسلمانو! تم اپنی حالت کو تغیر نہ ہونے دینا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے بھی حکومت چھین لے گا اور کسی دوسری قوم کو دے دے گا۔“

اس کے چند ہی روز بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا۔

قحط اور طاعون:

سنہ ۷ھ کے آخری ایام میں عراق، شام اور مصر میں طاعون نمودار ہوا اور سنہ ۱۸ھ کی ابتدا سے اس وباء میں شدت کی کیفیت پیدا ہوئی۔ ساتھ ہی سرزمین عرب میں قحط عظیم برپا ہوا۔ غلہ کی کمی سے تمام ملک میں بڑی پریشانی پھیلی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قحط کو دور کرنے اور لوگوں کی مصیبت کو ہلکا کرنے کی کوشش میں حیرت انگیز سرگرمی اور جفاکشی کا اظہار فرمایا۔ صوبہ جات ممالک اسلامیہ کے عاملوں کے پاس احکام بھیجے گئے کہ اہل مدینہ کے لیے غلہ جہاں تک ممکن ہو روانہ کریں۔ اس حکم کی تعمیل میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر سے غلہ کے بیس جہاز بھیجے۔ ان جہازوں کے آنے کی خبر سن کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خود بندرگاہ تک جو مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر تھی، تشریف لے گئے۔ غلہ کو جہازوں سے اترا کر ایک محفوظ مکان میں رکھا گیا اور ضرورت مندوں کی فہرستیں مرتب کرا کر غلہ ان میں تقسیم کرایا گیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عہد کیا تھا کہ جب تک قحط کی بلا لوگوں پر مسلط ہے، ہم گھی اور دودھ ہرگز استعمال نہ کریں گے۔ اس خشک سالی کو دور کرنے کے لیے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کو ہمراہ لے کر نماز استسقاء ادا کرنے کے لیے نکلے، دعا مانگی۔ دعا ابھی ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ بارش شروع ہو گئی۔ شام میں طاعون کی وباء کے نمودار ہونے کا حال سن کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے خود شام کی اسلامی فوجوں کی طرف روانہ ہوئے۔ مقام سرغ میں پہنچے تھے کہ ابو عبیدہ بن

الجرّاح رضی اللہ عنہ اور دوسرے سرداران لشکر نے بطریق استقبال آگے بڑھ کر ملاقات کی اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ اب آگے طاعونی علاقہ میں تشریف نہ لے جائیں۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس جگہ وباء پھیلی ہو وہاں نہ جاؤ اور اگر اتفاق سے اس مقام پر وباء پھیل جائے جہاں تم موجود ہو تو وہاں سے نہ بھاگو۔^① اس حدیث کو سن کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی طرف واپس ہوئے اور سرداران لشکر کو تاکید کی طور پر ہدایت کر آئے کہ جہاں تک ممکن ہو، اس مرض کے متعلق انسدادی تدابیر کام میں لائیں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کو لیے ہوئے ایک نشیبی علاقہ میں مقیم تھے۔ فاروقی حکم کے موافق وہاں سے کوچ کر کے مقام جابیہ میں جس کی آب و ہوا اچھی تھی، لشکر اسلام کو لے آئے۔ یہاں آ کر ابوعبیدہ بن الجرّاح رضی اللہ عنہ مرض طاعون میں مبتلا ہوئے۔ جب مرض کی شدت ہوئی اور زندگی سے مایوسی ہوئی تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو سالار لشکر مقرر فرمایا اور تھوڑی دیر کے بعد فوت ہو گئے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکے۔ اول ان کے بیٹے نے اسی مرض میں مبتلا ہو کر وفات پائی، پھر وہ بھی بھی بیمار ہوئے۔ انہوں نے مرنے سے پیشتر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد لشکر اسلام کو لے کر پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھ گئے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں نے الگ الگ چوٹیوں پر قیام کیا۔ چند روز کے بعد اس وباء کا زور شور کم ہو گیا۔ مصر کی فتح اس طاعون اور وباء سے یقیناً پہلے ہو چکی تھی۔ اس وباء کے ایام میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر سے غلہ مدینہ کی جانب روانہ کرنے کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام کے ملک میں اس لیے تشریف لے آئے تھے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حدود شام میں تشریف لانے کا حال ان کو معلوم ہو چکا تھا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مصر کے حالات بیان کرنا اور ملکی انتظام کے متعلق فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ہدایات کا حاصل کرنا ضروری تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی واپسی کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس وباء کی مصیبت اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ و معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کے سبب سے فوراً مصر کو نہ جاسکتے تھے۔ اسی وباء میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جو دمشق کے عامل تھے، فوت ہوئے۔ ان کے فوت ہونے کی خبر سن کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے بھائی معاویہ بن ابی

سفیان بن عیینہؒ کو دمشق کا عامل مقرر فرمایا۔ اسی انتظام میں شرحبیل بن حسنہؒ علاقہ اردن کے عامل مقرر ہوئے۔ اس وباء میں بڑے بڑے معزز و بزرگ صحابی فوت ہوئے اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ جو ایک خاص رفتار کے ساتھ جاری تھا، اس لیے رک گیا کہ لشکر اسلام اپنی ہی مصیبتوں میں گرفتار تھا۔ اسی سنہ ۱۸ھ میں فاروق اعظمؓ نے شریح بن حرث کندی کو کوفہ کا اور کعب بن سوار ازدی کو بصرہ کا قاضی مقرر فرمایا۔ اسی سال فاروق اعظمؓ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان مسافروں کی راحت کے لیے مکانات اور کنوئیں تعمیر کرائے۔ خانہ کعبہ کے صحن کی توسیع کی اور لوگوں کے مکانات خرید خرید کر صحن کعبہ میں شامل کیے۔

فتوحات فاروقی:

اوپر جن جن ملکوں اور صوبوں کی فتوحات کا ذکر ہوا ہے، ان میں فارس و عراق و جزیرہ خراسان و بلوچستان و شام و فلسطین و مصر و آرمینیا وغیرہ کا تذکرہ آچکا ہے۔ یہ فتوحات جو فاروق اعظمؓ کی دس سالہ خلافت کے زمانے میں ہوئیں، معمولی فتوحات نہیں سمجھی جاسکتیں۔ فاروق اعظمؓ نے سنہ ۲۲ھ میں اسلامی سلطنت کے جو صوبے مقرر فرمائے تھے، ان کی تفصیل اس طرح ہے: مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین، خراسان، آذربائیجان، فارس۔ ان میں سے بعض صوبے ایسے تھے جو دو صوبوں کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ بعض صوبوں کے صدر مقام بھی دو دو تھے اور دونوں جگہ الگ الگ صوبیدار مع اپنے کامل عملہ کے رہتے تھے۔ ہر صوبے میں ایک والی یا عامل، ایک کاتب یا میرنشی، ایک بخشی فوج، ایک صاحب الخراج یا کلکٹر، ایک افسر پولیس، ایک افسر خزانہ، ایک قاضی ضرور ہوتا تھا۔ خلافت فاروقی پر ایک عام تبصرہ لکھنے سے پیشتر شہادت فاروقی کا حال بھی بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واقعہ شہادت فاروق اعظمؓ:

مدینہ منورہ میں مغیرہ بن شعبہؓ کا ایک مجوسی غلام فیروز نامی جس کی کنیت ابولولو تھی، رہتا تھا۔ اس نے ایک روز بازار میں فاروق اعظمؓ سے شکایت کی کہ میرا آقا مغیرہ بن شعبہ مجھ سے زیادہ محصول لیتا ہے، آپ کم کر دیجیے۔ فاروق اعظمؓ نے اس سے دریافت کیا کہ کس قدر محصول وہ وصول کرتا ہے؟ ابولولو نے کہا کہ دو درم (سات آنے) روزانہ۔ فاروق اعظمؓ نے دریافت کیا

کہ تو کیا کام کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ آہنگری، نقاشی اور نجاری۔ آپ نے فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم زیادہ نہیں۔ یہ سن کر ابولولو اپنے دل میں سخت ناراض ہوا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پھر اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تو ایسی چکی بنانا جانتا ہے کہ جو ہوا کے زور سے چلتی ہے، تو مجھ کو بھی ایسی چکی بنا دے۔ اس نے جواب میں کہا کہ بہت خوب! میں ایسی چکی بنا دوں گا کہ جس کی آواز اہل مغرب و مشرق سنیں گے۔ دوسرے دن نماز فجر کے لیے لوگ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہوئے۔ ابولولو ایک خنجر لیے ہوئے مسجد میں داخل ہو گیا۔ جب نماز کے لیے صفیں درست ہو گئیں اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ امامت کے لیے آگے بڑھ کر نماز شروع کر چکے، تو ابولولو نے جو مسلمانوں کے ساتھ صف اول میں کھڑا تھا، نکل کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر خنجر کے چھ وار کیے، جن میں ایک وار ناف سے نیچے پڑا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فوراً عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو کھینچ کر اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا اور خود زخموں کے صدمہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس حالت میں نماز پڑھائی کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سامنے زخمی پڑے تھے۔ ابولولو اپنا وار کر کے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاگا۔ لوگوں نے اس کو پکڑنے کی کوشش کی۔ اس نے کئی اشخاص کو زخمی کیا اور کلیب بن ابی بکیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ بالآخر گرفتار کر لیا گیا لیکن اس نے گرفتار ہوتے ہی خودکشی کر لی۔ نماز فجر پڑھ لینے کے بعد لوگ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مسجد سے اٹھا کر ان کے گھر میں لائے۔ انہوں نے ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے یہ دریافت کیا کہ میرا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے ابولولو کا نام بتایا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو یا جس نے اللہ کو ایک سجدہ بھی کیا ہو۔ ایک طبیب نے آ کر آپ کو دودھ اور نبید پلایا تو وہ زخم کے راستے سے باہر نکل آیا۔ یہ حالت دیکھ کر لوگوں کو آپ کی زندگی سے مایوسی ہوئی اور عرض کیا کہ جس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا تھا، آپ بھی کسی کو اپنا جانشین مقرر فرما دیں۔

آپ نے عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن العوام، طلحہ، علی، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں تشریف نہ رکھتے تھے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پانچ آدمیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تین روز تک طلحہ کا انتظار کرنا۔ اگر وہ تین روز تک آ جائیں تو ان کو بھی اپنی جماعت میں شامل کرنا اور تین روز تک نہ آئیں تو پھر تم پانچ آدمی ہی مشورہ کر کے اپنے

آپ میں سے کسی ایک کو اپنا امیر بنالینا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بلا کر کہا کہ اگر لوگ خلافت و امارت کے انتخاب میں اختلاف کریں تو تم کثرت کے ساتھ شریک ہونا اور اگر فریقین برابر تعداد کے ہوں تو تم اس گروہ میں شریک ہونا جس میں عبدالرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہ) شامل ہوں، پھر ابوطلمحہ انصاری اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہما کو بلا کر حکم دیا کہ جب یہ لوگ خلیفہ کے انتخاب و تقرر کی غرض سے ایک جگہ مشورہ کرنے کو جمع ہوں تو تم دونوں دروازے پر کھڑے رہنا اور کسی کو ان کے پاس نہ جانے دینا جب تک وہ مشورے سے فارغ نہ ہو جائیں۔ پھر آپ نے مذکورہ بالا حضرات کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو شخص خلافت کے لیے منتخب ہو، اس کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ انصار کے حقوق کا بہت خیال رکھے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی مدد کی۔ مہاجرین کا بھی پاس و لحاظ رکھنا چاہیے کیونکہ یہی لوگ مادہ اسلام ہیں۔ اسی طرح میموں کا بھی پورا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ ان کے ساتھ اللہ اور رسول ﷺ کی ذمہ داری کو کما حقہ ملحوظ رکھا جائے اور میموں سے جو وعدہ کیا جائے، اس کو ضرور پورا کیا جائے۔ ان کے دشمنوں کو دور کیا جائے۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔

پھر اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بلا کر حکم دیا کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی خدمت میں جاؤ اور ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے پہلو میں دفن کیے جانے کی اجازت حاصل کرو۔ وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی التجا پیش کی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ جگہ میں نے اپنے لیے تجویز کی تھی لیکن اب میں عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔ ان کو ضرور اس جگہ دفن کیا جائے۔ یہ خبر جب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سنائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میری سب سے بڑی مراد برآئی۔ چہار شنبہ ۲۷ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ کو آپ زخمی ہوئے اور یکم محرم سنہ ۲۴ھ کو ہفتہ کے دن فوت ہو کر مدفون ہوئے۔ ساڑھے دس برس خلافت کی۔ نماز جنازہ صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ عثمان غنی، علی، زبیر، عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔

ازدواج و اولاد:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا پہلا نکاح زمانہ جاہلیت میں زینب رضی اللہ عنہا بنت مظعون بن حبیہ بن وہب بن حذافہ بن جمح سے ہوا تھا۔ جن کے لطن سے عبداللہ، عبدالرحمن اکبر رضی اللہ عنہما اور حفصہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں ایمان لائیں اور وہیں فوت ہوئیں۔ یہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں جو اول

مسلمین تھے اور جن کا اسلام لانے والوں میں چودھواں نمبر تھا۔ دوسرا نکاح عہد جاہلیت ہی میں ملکئہ بنت جریول خزاعی سے کیا، جس سے عبید اللہ پیدا ہوئے۔ چونکہ یہ بیوی ایمان نہیں لائی، اس لیے اس کو سنہ ۶ھ میں طلاق دے دی۔ تیسری بیوی قریبہ بنت ابی امیہ مخزومی تھی، جس سے جاہلیت ہی میں نکاح کیا اور سنہ ۶ھ میں بعد صلح حدیبیہ اسلام نہ لانے کی وجہ سے طلاق دے دی۔ چوتھا نکاح اسلام میں ام حکیم بنت الحرث بن ہشام مخزومی رضی اللہ عنہا سے کیا، جن کے بطن سے فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ پانچواں نکاح مدینہ میں آنے کے بعد سنہ ۷ھ میں جمیلہ بنت عاصم بن ثابت بن ابی ارح اوسی انصاری سے کیا، جن کے بطن سے عاصم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے طلاق دے دی تھی۔ چھٹا نکاح سنہ ۷ھ میں ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہا سے چالیس ہزار مہر پر کیا۔ ان کے بطن سے رقیہ اور زید رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے۔ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن فضیل رضی اللہ عنہما جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی چچیری بہن تھیں اور فکیہہ یمینیہ بھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بیویوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ فکیہہ کی نسبت بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ لونڈی تھیں۔ ان کے پیٹ سے عبدالرحمن اوسط پیدا ہوئے تھے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں حفصہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبداللہ رضی اللہ عنہ دو بہت نامور ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریباً تمام غزوات میں شریک رہے۔

اولیات فاروقی:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بہت سی مالی و ملکی، سیاسی و انتظامی، معاشرتی و تمدنی باتیں تجویز و ایجاد فرمائیں۔ ان کو اولیات کے نام سے پکارتے ہیں۔ ان میں بعض کی فہرست اس طرح ہے:

بیت المال یا خزانہ باقاعدہ طور پر قائم کیا۔ سنہ ہجری قائم کیا۔ امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔ فوج کے واسطے باقاعدہ دفتر مقرر کیا۔ مالی دفتر الگ قائم کیا۔ رضا کاروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ ملک کی پیمائش کا قاعدہ جاری کیا۔ مردم شماری کرائی، نہریں کھدوائیں، شہر آباد کرائے مثلاً کوفہ، بصرہ، جزیرہ، فسطاط (قاہرہ)، صامشرک۔ مقبوضہ علاقوں کو باقاعدہ صوبوں میں تقسیم کیا۔ حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔ درہ کا استعمال کیا۔ جیل خانہ قائم کیا، پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ راتوں کو خود گشت کر کے رعایا کے حال سے باخبر رہنے کا طریقہ نکالا۔ پرچہ نویس مقرر کیے۔ راستے اور مسافروں کے لیے کنویں اور مکانات بنوائے۔ مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں

کے روزینے مقرر کیے۔ نماز تراویح کا اجتماع پڑھنے کا اہتمام کیا۔ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں کا اجماع کیا۔

متفرق حالات و خصوصیات:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی غذا نہایت سادہ ہوتی تھی، یہاں تک کہ بیرونی علاقوں اور صوبوں سے جو قاصد یا وفد آتے تھے، وہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ بحیثیت مہمان کھانا کھاتے تھے تو ان کو اس لیے تکلیف ہوتی تھی کہ وہ ایسی سادہ غذا کے عادی نہ ہوتے تھے۔ آپ کا لباس بھی بہت سادہ اور بے تکلفانہ ہوتا تھا۔ کپڑوں میں اکثر پیوند لگے ہوتے تھے۔ بعض اوقات کپڑے کی قمیص میں چمڑے کا پیوند بھی لگاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ دیر تک گھر میں رہے۔ جب باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ بدن کے کپڑے جو میلے ہو گئے تھے، ان کو دھو کر دھوپ میں ڈالا تھا۔ جب وہ سوکھ گئے تو پہن کر باہر آئے۔ دوسرے کپڑے نہ تھے کہ ان کو پہن لیتے۔ ہجرت کے بعد ابتداء میں آپ مدینہ منورہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ خلیفہ ہونے کے بعد آپ شہر مدینہ میں آ رہے تھے۔ مدینہ منورہ میں آپ کا مکان مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب باب السلام اور باب الرحمتہ کے درمیان تھا۔ مرتے وقت آپ مقروض تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ میرا یہ مکان فروخت کر کے قرضہ ادا کر دیا جائے۔ چنانچہ اس مکان کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خریدا اور اس قیمت سے قرضہ ادا کر دیا گیا۔ ایک مرتبہ آپ نے خطبہ میں فرمایا کہ لوگو! ایک وقت ایسا تھا کہ میں لوگوں کو پانی بھر کر لا دیا کرتا تھا۔ وہ اس کے عوض میں مجھ کو کھجوریں دیتے اور میں وہی کھا کر بسر کرتا تھا۔ بعد میں لوگوں نے کہا کہ اس تذکرے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ نے فرمایا کہ میری طبیعت میں کچھ غرور پیدا ہو گیا تھا۔ یہ اس کی دوا تھی۔ آپ نے بارہا مدینہ سے مکہ تک اور مکہ سے مدینے تک سفر کیا۔ کبھی کوئی خیمہ یا چھولداری ساتھ نہ ہوتی تھی۔ کسی کیکر کے درخت پر چادر پھیلا دی اور اس کے نیچے آرام کی غرض سے ٹھہر گئے۔ لیٹنے یا سونے کی ضرورت پیش آتی، زمین پر سنگریزوں اور پتھریوں کو ہموار کر کے اور پتھریوں کو ایک جگہ جمع کر کے تکیہ بنا کر اور کپڑا بچھا کر سو جاتے۔ آپ نے ازواج مطہرات، اصحاب بدر، اصحاب بیعت الرضوان وغیرہ تمام جلیل القدر صحابیوں رضی اللہ عنہم کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر رکھی تھیں۔ جب اسامہ رضی اللہ عنہ کی تنخواہ اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس

پر عذر کیا۔ آپ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ اسامہ (رضی اللہ عنہ) کو تجھ سے اور اسامہ (رضی اللہ عنہ) کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مشیر و ندیم سب علماء ہوتے تھے، خواہ وہ بوڑھے ہوں یا نو عمر۔ آپ علماء کی بڑی قدر و عزت کرتے تھے۔ مردم شناسی و جوہر شناسی آپ کی خصوصیات میں شامل ہے۔ ہر ایک شخص کی خوبیوں کو آپ بہت جلد معلوم کر لیتے اور پھر ان کی پوری پوری قدر کرتے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک شخص میں جو جو خاص صفت تھی، اسی کے موافق خدمات اور عہدے ان کو عطا کیے تھے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کسی شخص کے محض روزے نماز سے بھی کبھی دھوکہ نہ کھاتے تھے۔ وہ اگرچہ خود بڑی زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن ذمہ داری کے کاموں پر یا فوجوں کی سرداری اور صوبوں کی حکومت پر جن لوگوں کو مقرر فرماتے، ان کے انتخاب میں محض زہد و اتقا اور زاہدانہ زندگی ہی کو معیار قرار نہ دیتے بلکہ جن کاموں پر جن لوگوں کو مقرر فرماتے، ان میں ان کاموں کے سرانجام و اہتمام کی پوری قابلیت دیکھ لیتے۔ آپ کی دس سالہ خلافت کے زمانے میں سینکڑوں بڑی بڑی لڑائیاں عراق و شام، فلسطین اور مصر و خراسان وغیرہ ممالک میں ہوئیں لیکن آپ خود کسی لڑائی میں بنفس نفیس شریک نہ ہوئے۔ تاہم ان لڑائیوں کا اہتمام اور ضروری انتظام فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ہر ایک سردار کو آپ کی طرف سے نہایت معمولی معمولی باتوں کے متعلق بھی ہدایات پہنچ جاتیں اور ان کو ان ہدایات کے موافق ہی کام کرنا پڑتا تھا۔ کسی لڑائی اور کسی معرکہ میں یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ فلاں حکم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے غلط اور غیر مفید دیا تھا یا فلاں انتظام جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا، وہ غیر ضروری تھا۔ آپ نے صوبوں کے تمام عمال کو لکھ کر بھیجا تھا کہ کوئی سپاہی میدان جنگ میں مسلسل چار مہینے سے زیادہ نہ روکا جائے۔ چار مہینے کے بعد اس کو اپنے اہل و عیال میں آنے کی رخصت دے دی جائے۔ ایک مرتبہ آپ کو کسی مرض کی وجہ سے کسی نے شہد کھانے کو بتایا۔ آپ کے یہاں شہد نہ تھا، نہ کسی اور جگہ سے مل سکتا تھا۔ البتہ بیت المال میں تھوڑا سا شہد موجود تھا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ اس شہد کو استعمال کریں۔ آپ نے کہا کہ یہ سارے مسلمانوں کا مال ہے۔ جب تک عام لوگ مجھ کو اجازت نہ دیں، میں نہیں کھا سکتا۔ چنانچہ آپ نے شہد استعمال نہ کیا۔

ایک روز آپ اونٹ کے زخم دھوتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ کو خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں قیامت کے دن مجھ سے اس کی بابت بھی سوال نہ ہو۔ آپ نے ایک روز سلمان رضی اللہ عنہ سے

دریافت کیا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اگر آپ کسی مسلمان سے ایک درہم یا اس سے کم و بیش وصول کر کے بے جا خرچ کریں تو آپ بادشاہ ہیں ورنہ خلیفہ۔ آپ نے خلیفہ ہونے کے بعد ابتداء میں مدتوں تک بیت المال سے ایک حبہ بھی نہیں لیا۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ پر افلاس ظاہر ہونے لگا اور فقر و فاقہ کی نوبت پہنچنے لگی۔ تب آپ نے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو مسجد نبوی ﷺ میں جمع کر کے فرمایا کہ میں کاروبار خلافت میں اس قدر مصروف رہتا ہوں کہ اپنے فقہ کا کوئی فکر نہیں کر سکتا۔ آپ سب مل کر میرے لیے کچھ مقرر کر دیجیے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صبح و شام کا کھانا آپ کو بیت المال سے ملا کرے گا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی کو منظور فرمالیا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا ہو اور کسی نے اللہ کا ذکر کیا ہو یا اللہ کا خوف دلایا ہو یا قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھی ہو اور آپ کا غصہ فرو نہ ہو گیا ہو۔ بلال رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اسلم رضی اللہ عنہ سے عمر رضی اللہ عنہ کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے کہا: ”اس میں شک نہیں کہ آپ تمام آدمیوں سے بہتر ہیں، لیکن جب آپ کو غصہ آ جاتا ہے تو غضب ہی ہو جاتا ہے۔“ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس وقت تم کوئی آیت کیوں نہیں پڑھ دیا کرتے کہ سارا غصہ اتر جائے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک حصہ فوج پر ساریہ رضی اللہ عنہا نامی ایک شخص کو سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ ایک روز خطبہ میں آپ نے تین مرتبہ بلند آواز سے فرمایا کہ ”اے ساریہ! پہاڑ کی طرف جا۔“ چند روز (ایک ماہ) بعد ایک ایچی آیا اور اس نے جنگ کے حالات سناتے ہوئے کہا کہ ہم کو شکست ہوا چاہتی تھی کہ ہم نے تین مرتبہ کسی شخص کی آواز سنی کہ ”ساریہ! پہاڑ کی طرف جا۔“ چنانچہ ہم نے پہاڑ کی طرف رخ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمنوں کو شکست دے دی۔ جس روز خطبہ میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں، اس روز لوگوں نے کہا کہ آپ یہاں ساریہ کو پکار رہے ہیں۔ وہ تو نہاوند کے مقام پر کفار کے مقابلے میں مصروف ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اس وقت میں نے ایسا ہی نظارہ دیکھا کہ مسلمان مصروف جنگ ہیں اور پہاڑ کی طرف متوجہ ہونا اس کے لیے مفید ہے۔ لہذا بے ساختہ میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے۔“ جب ساریہ کا خط اور ایچی آیا، ٹھیک جمعہ کے روز عین نماز جمعہ کے وقت اسی تاریخ کا واقعہ اس خط میں لکھا تھا اور ایچی نے زبانی بھی بیان کیا۔ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لوگ آپ سے بہت ڈرتے ہیں اور آپ کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے اور نہ آپ کے

سامنے لب ہلا سکتے ہیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واللہ! جس قدر یہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں، اس سے زیادہ میں ان لوگوں سے ڈرتا ہوں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صوبوں کے عاملوں اور گورنروں کو حکم دے رکھا تھا کہ ایام حج میں سب آ کر شریک حج ہوں۔ آپ خود بھی ہر سال حج کو جاتے رہے۔ عاملوں کے شریک حج کرنے میں ایک خاص مصلحت یہ تھی کہ حج کے موقع پر ہر ملک اور ہر صوبے کے لوگوں کو موقع حاصل ہے کہ وہ آ کر مجھ سے ملیں اور اپنے عامل میں اگر کوئی نقص دیکھتے ہیں تو اس کی شکایت کریں اور اسی وقت اس عامل سے بھی جو وہاں موجود ہے، جواب طلب کیا جاسکے۔ اس طرح عاملوں کو اپنی عزت بچانے کا بہت خیال رہتا تھا کہ اگر ذرا سی بھی لغزش ہوگئی تو حج کے مجمع عام میں بڑی فضیحت و رسوائی ہوگی۔ آپ مساوات بلکہ حقیقی مفہوم سے واقف اور اس کو قائم کرنا چاہتے تھے، نہ یہ کہ آپ آج کل کی یورپی جمہوریت کے دلدادہ تھے جو تعلیم اسلامی اور اصول اسلامی کے خلاف ہے۔ ایک مرتبہ سر منبر ایک عورت نے آپ کو ٹوک دیا اور آپ کے قول کو غلط بتایا۔ عورت نے چونکہ صحیح بات کہی تھی، لہذا آپ نے مجمع عام میں فوراً اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا۔ آج کل جبہ پوش، نفس پرور مولویوں کی طرح اپنے قول کو صحیح ثابت کرنے کے لیے تاویلیں اور دوازدہ حقیقت باتیں بنانے کی مطلق کوشش نہیں کی۔

فتوحات پر ایک نظر:

فتوحات فاروقی کا رقبہ ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل بیان کیا جاتا ہے۔ یہ فتوحات ایران اور روم کی بادشاہتوں کے مقابلہ میں عرب کی مفلوک الحال اور چھوٹی سی قوم کو حاصل ہوئیں۔ روم کی سلطنت جزیرہ نما بلقان، ایشیائے کوچک، شام، فلسطین، مصر، سوڈان پر چھائی ہوئی تھی۔ ایران کی سلطنت کو شکست دے کر شام کے ملک میں فاتحانہ بڑھتی ہوئی ساحل بحر اور مصر تک پہنچ گئی تھی۔ ایرانیوں کے قبضہ میں رومیوں سے کم ملک نہ تھے۔ یہ دونوں سلطنتیں مشرقی و مغربی دنیا پر اپنے اثر، شہرت اور تمدن کے اعتبار سے غالب تھیں اور دنیا میں ان کے مقابلہ پر آنے والی کوئی تیسری طاقت پائی نہیں جاتی تھی۔ مسلمانوں کی اس حیرت انگیز کامیابی اور خارق عادت فتوحات کے اسباب بیان کرتے ہوئے عیسائی اور غیر مسلم مؤرخ کہتے ہیں کہ رومی اور ایرانی دو سلطنتیں کمزور ہوگئی تھیں۔ اس لیے مسلمانوں کو بہ آسانی فتوحات کا موقع مل گیا لیکن یہ وجہ بیان کرتے ہوئے وہ بھول جاتے ہیں

کہ عربوں یا مسلمانوں کی طاقت ان کمزور شدہ سلطنتوں کے مقابلہ میں کیا تھی۔ جب مسلمان اور ان دونوں سلطنتوں کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا ہے تو رومیوں اور ایرانیوں کے درمیان کوئی مخالفت اور لڑائی نہیں تھی۔ نہ رومی ایرانیوں کے دشمن تھے، نہ ایرانی رومیوں کے خون کے پیاسے تھے۔ دونوں سلطنتوں کو الگ الگ اپنی پوری طاقت مسلمانوں کے مقابلہ میں صرف کر دینے کی سہولت حاصل تھی۔ مسلمانوں کو بیک وقت رومیوں اور ایرانیوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ دونوں سلطنتیں مہذب و متمدن سلطنتیں سمجھی جاتی تھیں اور بہت پرانی حکومتیں تھیں۔ ان کے پاس سامان حرب بافراط، انتظامات مکمل، فوج باقاعدہ مرتب، فوجی سردار اور انتظامی اہلکار شائستہ و تجربہ کار موجود! مسلمان اور عرب قوم ان چیزوں سے تہی دست تھی۔ پھر یوں بھی طاقتوں کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایرانی بھی اور رومی بھی ایک ایک میدان میں دو دو لاکھ سے زیادہ مسلح و آہن پوش لشکر لاسکے، درآں حالیکہ اس دو لاکھ لشکر کی پشت کو لڑتے ہوئے اطمینان ہوتا تھا کہ ہماری امداد کے لیے ہمارے پیچھے ہمارے بھائیوں کی اتنی ہی بڑی تعداد اور موجود ہے۔ لیکن مسلمانوں کی بڑی سے بڑی فوج جو کسی میدان میں جمع ہو سکی ہے، وہ تیس چالیس ہزار سے زیادہ نہ تھی اور یہ تعداد ہمیشہ اپنے دو دو لاکھ حریفوں کو میدان سے بھگانے اور فتح پانے میں کامیاب ہوئی۔ حالانکہ اس کی پشت پر کوئی زبردست فوجی چھاؤنی بھی نہ ہوتی تھی۔ پس یہ کہہ کر فارغ ہو جانا کہ ایرانیوں اور رومیوں کی سلطنتیں پہلے کی نسبت کمزور ہو گئی تھیں، نہایت ہی احمقانہ بات ہے اور مسلمانوں کی فتح مندی کے اسباب تلاش کرنے کے کام سے ایک متلاشی حقیقت کو فراغت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس حقیقت کو اگر تلاش کرنا ہو تو اس بات پر غور کرو۔ ایرانی اور رومی دونوں شرک میں مبتلا تھے اور عرب ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر توحید پر قائم ہو چکے تھے۔ شرک ہمیشہ انسان کو بزدل اور ایمان ہمیشہ بہادر بنادیتا ہے۔ پس ایمان و توحید کی بہ دولت عربوں میں وہ سچی بہادری پیدا ہو چکی تھی، جو ایمان کے لیے شرط لازم ہے اور جو کسی طاقت سے کبھی مغلوب ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اسلام نے عربوں کو قرآن کریم اور اسوہ نبوی ﷺ کے ذریعہ سے جہاں بانی کے وہ اصول اور گر سکھا دیے تھے کہ ان کے مقابلہ میں ایرانیوں اور رومیوں کی تہذیب اور اصول جہاں داری کسی طرح ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ مسلمانوں نے جس بستی، جس شہر، جس ضلع، جس صوبے کو فتح کیا، وہاں غیر مسلم آبادی نے مسلمانوں کی آمد اور مسلمانوں کی حکومت کو بہت

بہترین خیال کیا اور یہ سمجھا کہ اپنے ہم مذہبوں کی حکومت سے آزاد ہونا گویا ہمارے لیے مصیبت کدہ سے آزاد ہونا تھا۔ مفتوح اقوام نے اپنے فاتح عربوں کے اخلاق، شفقت علی خلق اللہ، عدل، رحم، سیرچشمی، بلند حوصلگی وغیرہ کو دیکھ کر بخوشی اپنے آپ کو ان کے قدموں میں ڈال دیا اور حقیقت یہ ہے کہ بنی نوع انسان اپنی انسانیت کو ان عرب فاتحین کی بہ دولت بچا سکی۔ پس رومیوں اور ایرانیوں کا کیا حوصلہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں فتح مند ہو سکتے۔ ایک تیسری یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اسلام نے عربوں میں نہ صرف بہادری اور شجاعت ہی پیدا کر دی تھی بلکہ ان جیسی اتفاق و ایثار اور قربانی کی مثال کسی قوم اور کسی ملک میں دستیاب ہرگز نہ ہو سکے گی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اسلام کی بہ دولت پیدا ہو گئی تھی۔

خلافت راشدہ کا نصف اول:

نبی اکرم ﷺ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عہد اسلام کی دینی حکومت یعنی خلافت راشدہ کا نصف اول کہا جاسکتا ہے۔ نصف آخر میں عثمان غنی، علی، حسن رضی اللہ عنہم کا عہد حکومت ہے۔ خلافت راشدہ کے نصف اول کا حال بیان ہو چکا ہے۔ آئندہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حالات سے خلافت راشدہ کا نصف آخر شروع ہونے والا ہے۔ مذکورہ نصف اول کی خصوصیات میں ایک بات یہ ہے کہ کسی جگہ بھی دین کے مقابلہ میں دنیا مقدم نظر نہیں آتی۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے مقابلہ میں کسی شخص کا واہمہ بھی کسی ذاتی غرض، ذاتی منفعت، قوم یا قبیلہ کی بے جا حمایت کسی رشتہ داری یا دوستی کے پاس و لحاظ کی طرف نہیں جاتا۔ خالص اسلامی رنگ اور خالص عربی تمدن ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں بیٹھنے اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ معرکوں میں شریک ہونے والے حضرات بکثرت موجود تھے۔ وہی سب کی نگاہوں میں واجب الاحترام سمجھے جاتے تھے اور ان کا نمونہ سب کے لیے مشعل راہ تھا۔ مسلمانوں میں نا اتفاقی اور پھوٹ کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا تھا۔ میدان جنگ میں، مسجدوں میں، قیام گاہوں میں، شہروں میں مسافرت کے قافلوں میں غرض ہر جگہ جہاں جہاں مسلمان تھے، اتفاق، اتحاد، یک جہتی اور ایثار کے دریا بہتے ہوئے نظر آتے تھے۔ حسد، خود غرضی اور عداوت کا جمعیت اسلامی کے اندر کہیں پتہ نہ چلتا تھا۔ مسلمانوں کا ہر ایک کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے تھا۔ وہ اپنی سادگی کے مقابلے میں ایرانیوں اور رومیوں کے سامان تکلف اور اسباب زینت کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مسلمانوں کے اندر کوئی

اختلافی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ ہر شخص اپنے آپ کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر سمجھتا اور اپنے قلب کو ہمہ وقت گداز پاتا تھا۔ غرض یہ وہ زمانہ تھا جس میں ہر ساعت اور ہر لمحہ رشد و سعادت کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ باقی نصف آخر بھی بہت اچھا اور رشد و سعادت ہی کا زمانہ ہے لیکن وہ اس نصف اول کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اس نصف اول میں نبی اکرم ﷺ کے زمانے کا پورا پورا نمونہ اور عکس موجود نظر آتا ہے۔

مسلمانوں کی ہمت رضائے الہی کے حصول اور اعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش میں مصروف ہوتی تھی۔ مال و دولت کا حاصل کرنا اور عیش جسمانی کی طلب میں ساعی رہنا، قطعاً مفقود و معدوم تھا۔ خلیفہ وقت خلیفہ ہونے سے پیشتر جس طرح پیوند لگے ہوئے کپڑے استعمال کرتا تھا، اسی طرح خلیفہ اور تمام اسلامی دنیا کا حاکم ہو جانے کے بعد بھی اس کے ملبوس میں کوئی فرق واقع نہ ہوتا تھا۔ وہی پیوند جو مرتبہ خلافت پر فائز ہونے سے پہلے تھے، بعد میں بھی برابر دیکھے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے عراق و شام و مصر کے سرسبز و زرخیز علاقوں کو فتح کیا۔ ایرانی شہروں پر قابض ہوئے لیکن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت تک ان فاتح مسلمانوں نے شام کے عیسائیوں اور ایران کے مجوسیوں کی عیش پرستی و راحت طلبی سے رتی برابر بھی اثر قبول نہیں کیا۔ عراق و فارس کو مسلمانوں نے فتح کیا لیکن اس فاتح فوج کا قیام کوفہ و بصرہ میں چھپروں اور خیموں کے اندر رہا۔ اسی طرح شام کے ملک میں اسلامی لشکر نے شام کے شہروں کو اپنی قیام گاہ نہیں بنایا بلکہ وہ موصل و دمشق کے صحراؤں اور پہاڑوں میں شہروں اور شہریوں کے عیش و تنکفات سے بے خبر قیام پذیر رہتے اور اپنی اس سپاہیانہ زندگی اور صعوبت کشی پر مسرور و مطمئن تھے۔ جس لشکر نے مصر کو فتح کیا، اس نے مصر کے سامان عیش رکھنے والے شہروں کو اپنے قیام کے لیے منتخب نہیں کیا بلکہ فسطاط کی چھاؤنی کو جو آج شہر قاہرہ کی شکل میں تبدیل ہو گئی ہے، پسند کیا۔ صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما صرف لوگوں کو زائدانہ زندگی بسر کرنے کی ترغیب دیتے تھے بلکہ خود اس کے اوپر عمل کر کے بھی انہوں نے اپنا بہترین نمونہ لوگوں کے سامنے رکھ دیا تھا۔

بیت المال کا ایک پیسہ بھی وہ بے جا خرچ نہ کرتے تھے اور نہ کسی کو ایک پیسہ ناجائز خرچ کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ خلیفہ وقت بلا امتیاز خاندان و قبیلہ ہر ایک مسلمان کے ساتھ یکساں محبت کرتا اور ہر خطا وار کو بلا امتیاز خاندان و قبیلہ یکساں سزا دیتا تھا۔ نہ کبھی خلیفہ کو کسی نے اس طرف متوجہ کیا کہ وہ روپیہ حاصل کرنے اور اپنی مالی حالت درست کرنے کی کوشش میں مصروف ہوئے ہوں اور نہ عام

مسلمانوں کو اس طرف کوئی خصوصی توجہ تھی کہ وہ مال و دولت حاصل کریں اور متمول بن جائیں۔ اب اس کے بعد خلافت راشدہ کا دوسرا نصف حصہ شروع ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا تمام امتیازات کم ہوتے اور مٹتے ہوئے نظر آنے لگے اور کم ہوتے ہوئے خلافت راشدہ کے ساتھ ہی تقریباً تمام امتیازات فنا ہو جاتے ہیں۔



فَالْحَقُّ: يُسَيِّرُكَ مِنْ حَقِيقَتِهِ (فَلْيُظْهِرْ)

الحق المختوم

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے زیرِ اہتمام منعقدہ
سیرت نگاری کے عالمی مقابلہ میں اول آنے والی عربی کتاب کا
اردو ترجمہ

ترجمہ و تصنیف

مَوْلَانَا صَفِي الْحَمْدِ مَبْرُكِي

المكتبة السلفية

مشہد محل روڈ، لاہور، پاکستان

غزوہ فتح مکہ

امام ابن قیم لکھتے ہیں کہ یہ وہ فتح اعظم ہے جس کے ذریعہ اللہ نے اپنے دین کو، اپنے رسول کو، اپنے لشکر کو اور اپنے امانت دار کو وہ کو عزت بخشی اور اپنے شہر کو اور اپنے گھر کو جسے دُنیا والوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا ہے، کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے چھٹکارا دلایا۔ اس فتح سے آسمان والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس کی عزت کی طنائیں جو زلزلہ کے شانوں پر تن گئیں، اور اس کی وجہ سے لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے اور رُوسے زمین کا چہرہ روشنی اور چمک و مک سے جگمگا اٹھا۔

اس غزوے کا سبب | صلح حدیبیہ کے ذکر میں ہم یہ بات بتا چکے ہیں کہ اس معاہدے کی ایک دفعہ یہ تھی کہ جو کوئی محمد ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکتا ہے اور جو کوئی قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکتا ہے اور جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ شامل ہوگا اس فریق کا ایک حصہ سمجھا جائے گا۔ لہذا ایسا کوئی قبیلہ اگر کسی حملے یا زیادتی کا شکار ہوگا تو یہ خود اس فریق پر حملہ اور زیادتی تصور کی جائے گی۔

اس دفعہ کے تحت بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے اور بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں۔ اس طرح دونوں قبیلے ایک دوسرے سے مامون اور بے خطر ہو گئے۔ لیکن چونکہ ان دونوں قبیلوں میں دور جاہلیت سے عداوت اور کشاکش چلی آ رہی تھی، اس لیے جب اسلام کی آمد آمد ہوئی، اور صلح حدیبیہ ہو گئی، اور دونوں فریق ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے تو بنو بکر نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر چاہا کہ بنو خزاعہ سے پرانا بدلہ چکالیں۔ چنانچہ نوفل بن معاویہ دہلی نے بنو بکر کی ایک جماعت ساتھ لے کر شعبان ۳ھ میں بنو خزاعہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ اس وقت بنو خزاعہ و تیر نامی ایک چشمے پر خمیہ زن تھے۔ ان کے متعدد افراد مارے گئے۔ کچھ بھڑپ اور لڑائی بھی ہوئی۔ ادھر قریش نے اس حملے میں ہتھیاروں سے بنو بکر کی مدد کی، بلکہ ان کے کچھ آدمی بھی رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر لڑائی میں شریک ہوئے۔ بہر حال حملہ آوروں نے بنو خزاعہ کو کھدیڑ کر حرم تک پہنچا دیا۔ حرم پہنچ کر بنو بکر نے کہا: ”اے نوفل! اب تو ہم حرم میں داخل

نقشه فتح مکہ

مرکز الظہران اور
مدینہ کا راستہ

اسلامی فوج

سنی عرفات اور طائف کا راستہ

جنت البقیع

جبل منقوع

جبل ابونعیم

جبل خندم

نفاذ الدین ولید کی فوج

بین کا راستہ

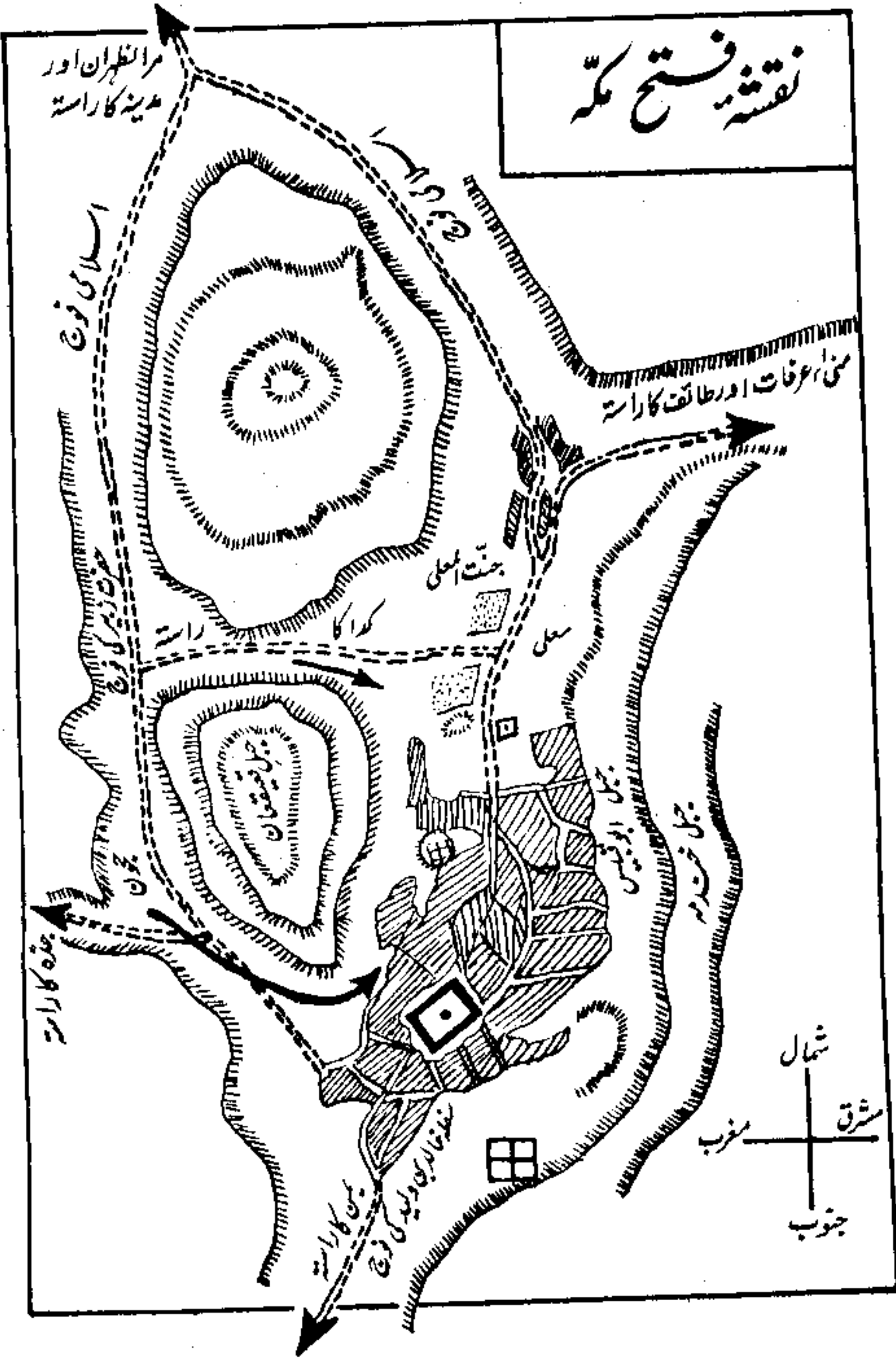
جذہ کا راستہ

شمال

شرق

مغرب

جنوب



ہو گئے۔ تمہارا اللہ!... تمہارا اللہ!۔“ اس کے جواب میں نوفل نے ایک بڑی بات کہی، بولا: ”بنو بکر! آج کوئی اللہ نہیں، اپنا بدلہ چکالو۔ میری عمر کی قسم! تم لوگ حرم میں چوری کرتے ہو تو کیا حرم میں اپنا بدلہ نہیں لے سکتے۔“

ادھر بنو خزاعہ نے مکہ پہنچ کر بُذیل بن ورقاء خزاعی اور اپنے ایک آزاد کردہ غلام رافع کے گھروں میں پناہ لی اور عمرو بن سالم خزاعی نے وہاں سے نکل کر فوراً مدینہ کا رخ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت آپ مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے کہا:

یارب انی ناشد محمدا	حلفنا وحلف ابیہ الا قلدا
قد کنتم ولدا وکنا والدا	ثمۃ اسلمنا ولم ننزع یدا
فانصر۔ ہذاک اللہ۔ نصر ایدا	وادع عباد اللہ یا اتوا مددا
فیہم رسول اللہ قد تحبردا	ابیض مثل البدر یسومعدا
ان سیم خسفا وجہہ تربدا	فی فیلق کالبحر یجری مزیدا
ان قریشا اخلفوک الموعدا	ونقضوا میثاقک المؤکدا
وجعلوا لی فی کداء رصدا	وزعموا ان لست ادعو احدا
وہم اذل و اقل عددا	ہم بدیتونا با لوتیں ہجدا

و قتلونا رکعاً و سحبدا

”اے پروردگار! میں محمد ﷺ سے انکے عہد اور ان کے والد کے قدیم عہد کی دہائی دے رہا ہوں۔ آپ لوگ اولاد تھے اور ہم جننے والے۔ پھر ہم نے تابعداری اختیار کی اور کبھی دست کش نہ ہوئے۔ اللہ آپ کو ہدایت دے، آپ پر زور مدد کیجئے اور اللہ کے بندوں کو پکاریئے، وہ مدد کو آئیں گے۔ جن میں اللہ کے رسول ہوں گے، ہتھیار پوش، اور چڑھے ہوئے چودھویں کے چاند کی طرح گوئے اور خوبصورت۔ اگر ان پر ظلم اور ان کی توہین کی جائے تو چہرہ متما اٹھتا ہے۔ آپ ایک ایسے لشکرِ جبار کے اندر تشریف لائیں گے جو جھاگ بھرے سمندر کی طرح تلاطم خیز ہوگا۔ یقیناً قریش نے آپ کے عہد کی

۲ اشارہ اس عہد کی طرف ہے جو بنو خزاعہ اور بنو ہاشم کے درمیان عبدالمطلب کے زلمے سے چلا آ رہا تھا۔ اس کا ذکر ابتداء کتاب میں کیا جا چکا ہے۔

خلاف ورزی کی ہے اور آپ کا پختہ پیمان توڑ دیا ہے۔ انہوں نے میرے لیے کد میں گھات لگائی اور یہ سمجھا کہ میں کسی کو (مدد کے لیے) نہ پکاروں گا حالانکہ وہ بڑے ذلیل اور تعداد میں قلیل ہیں۔ انہوں نے دس راتوں میں حملہ کیا اور ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا۔ (یعنی ہم مسلمان تھے اور ہمیں قتل کیا گیا۔) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو بن سالم تیری مدد کی گئی۔ اس کے بعد آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا دکھائی پڑا۔ آپ نے فرمایا یہ بادل بنو نعبد کی مدد کی بشارت سے دمک رہا ہے۔

اس کے بعد بُدیل بن ورقاء خزاعی کی سرکردگی میں بنو خزاعہ کی ایک جماعت مدینہ آئی اور رسول اللہ ﷺ کو بتلایا کہ کون سے لوگ مارے گئے اور کس طرح قریش نے بنو بکر کی پشتیبانی کی۔ اس کے بعد یہ لوگ مکہ واپس چلے گئے۔

تجدید صلح کے لیے ابوسفیانؓ مدینہ میں | اس میں شبہ نہیں کہ قریش اور ان کے حلیفوں نے جو کچھ کیا تھا وہ کھلی ہوئی بد عہدی اور

صریح پیمان شکنی تھی جس کی کوئی وجہ جواز نہ تھی۔ اسی لیے خود قریش کو بھی اپنی بد عہدی کا بہت جلد احساس ہو گیا اور انہوں نے اس کے انجام کی سنگینی کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں طے کیا کہ وہ اپنے سپہ سالار ابوسفیان کو اپنا نمائندہ بنا کر تجدید صلح کے لیے مدینہ روانہ کریں۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بتایا کہ قریش اپنی اس عہد شکنی کے بعد اب کیا کرنے والے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ”گویا میں ابوسفیان کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ عہد کو پھر سے پختہ کرنے اور مدت صلح کو بڑھانے کے لیے آگیا ہے۔“

ادھر ابوسفیان طے شدہ قرارداد کے مطابق روانہ ہو کر غطفان پہنچا تو بُدیل بن ورقاء سے ملاقات ہوئی۔ بُدیل مدینہ سے مکہ واپس آ رہا تھا۔ ابوسفیان سمجھ گیا کہ یہ نبی ﷺ کے پاس سے ہو کر آ رہا ہے۔ پوچھا بُدیل! کہاں سے آرہے ہو؟ بُدیل نے کہا، میں خزاعہ کے ہمراہ اس ساحل اور دادی میں گیا ہوا تھا۔ پوچھا کیا تم محمدؐ کے پاس نہیں گئے تھے؟ بُدیل نے کہا، نہیں۔

مگر جب بُدیل مکہ کی جانب روانہ ہو گیا تو ابوسفیان نے کہا، اگر وہ مدینہ گیا تھا تو وہاں اپنے اونٹ (کو) گٹھلی کا چارہ کھلایا ہوگا۔ اس لیے ابوسفیان اس جگہ گیا جہاں بُدیل نے اپنا اونٹ بٹھایا تھا اور اس کی

تہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عبد مناف کی ماں یعنی قحطی کی بیوی جہی بنو خزاعہ سے تھیں۔ اس لیے پورا خاندان نبوت بنو خزاعہ کی اولاد ٹھہرا۔

میٹگنی لے کر توڑی تو اس میں کھجور کی گٹھلی نظر آئی۔ ابوسفیان نے کہا، 'میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بُدیل، محمدؐ کے پاس گیا تھا۔'

بہر حال ابوسفیان مدینہ پہنچا اور اپنی صاحبزادی اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انہوں نے بستر پلٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا: 'بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھایا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا؟' انہوں نے کہا: 'یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک آدمی ہیں۔' ابوسفیان کہنے لگا: 'خدا کی قسم میرے بعد تمہیں شر پہنچ گیا ہے۔'

پھر ابوسفیان وہاں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور آپؐ سے گفتگو کی۔ آپؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کریں۔ انہوں نے کہا، 'میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے بات کی۔ انہوں نے کہا، 'بھلا میں تم لوگوں کے لیے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کروں گا خدا کی قسم اگر مجھے لکڑی کے ٹکڑے کے سوا کچھ دستیاب نہ ہو تو میں اسی کے ذریعے تم لوگوں سے جہاد کروں گا۔ اس کے بعد وہ حضرت علی بن ابی طالب کے پاس پہنچا۔ وہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں اور حضرت حسن بھی تھے۔ جواب بھی چھوٹے سے بچے تھے اور سامنے گھٹنوں گھٹنوں چل رہے تھے۔ ابوسفیان نے کہا: 'اے علی! میرے ساتھ تمہارا سب سے گہرا نبی تعلق ہے۔ میں ایک ضرورت سے آیا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ جس طرح میں نامراد آیا اسی طرح نامراد واپس جاؤں۔ تم میرے لیے محمدؐ سے سفارش کر دو۔ حضرت علیؑ نے کہا: ابوسفیان! تجھ پر افسوس، رسول اللہ ﷺ نے ایک بات کا عزم کر لیا ہے۔ ہم اس بارے میں آپؐ سے کوئی بات نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد وہ حضرت فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: کیا آپ ایسا کر سکتی ہیں کہ اپنے اس بیٹے کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے کا اعلان کر کے ہمیشہ کے لیے عرب کا سردار ہو جائے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: 'واللہ! میرا یہ بیٹا اس درجہ کو نہیں پہنچا ہے کہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے کا اعلان کر سکے اور رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے کوئی پناہ دے بھی نہیں سکتا۔' ان کوششوں اور ناکامیوں کے بعد ابوسفیان کی آنکھوں کے سامنے دنیا تاریک ہو گئی۔ اس نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سخت گھبراہٹ، کش مکش اور مایوسی و ناامیدی کی حالت میں کہا: 'ابو الحسن! میں دیکھتا ہوں معاملات سنگین ہو گئے ہیں، لہذا مجھے کوئی راستہ بتاؤ۔' حضرت علیؑ نے کہا: 'خدا کی قسم! میں

تہارے لیے کوئی کارآمد چیز نہیں جانتا۔ البتہ تم بنوکانہ کے سردار ہو، لہذا کھڑے ہو کر لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دو، اس کے بعد اپنی سرزمین میں واپس چلے جاؤ۔" ابوسفیان نے کہا: "کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ میرے لیے کچھ کارآمد ہوگا؟" حضرت علیؑ نے کہا: "نہیں خدا کی قسم میں اسے کارآمد تو نہیں سمجھتا، لیکن اس کے علاوہ کوئی صورت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے بعد ابوسفیان نے مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ لوگو! میں لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر رہا ہوں۔ پھر اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ چلا گیا۔

قریش کے پاس پہنچا تو وہ پوچھنے لگے کہ پیچھے کا کیا حال ہے؟ ابوسفیان نے کہا: "میں محمدؐ کے پاس گیا۔ بات کی تو واللہ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ابو قحافہ کے بیٹے کے پاس گیا تو اس کے اندر کوئی بھلائی نہیں پائی۔ اس کے بعد عمر بن خطابؓ کے پاس گیا تو اُسے سب سے کڑ دشمن پایا۔ پھر علیؑ کے پاس گیا تو اُسے سب سے نرم پایا۔ اس نے مجھے ایک رائے دی اور میں نے اس پر عمل بھی کیا لیکن پتا نہیں وہ کارآمد بھی ہے یا نہیں؟ لوگوں نے پوچھا: وہ کیا رائے تھی؟ ابوسفیان نے کہا: "وہ رائے یہ تھی کہ میں لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دوں، اور میں نے ایسا ہی کیا۔"

قریش نے کہا، تو کیا محمدؐ نے اسے نافذ قرار دیا۔ ابوسفیان نے کہا، نہیں۔ لوگوں نے کہا، "تیری تباہی ہو، اس شخص (علیؑ) نے تیرے ساتھ محض مذاق کیا۔ ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم اس کے علاوہ کوئی صورت نہ بن سکی۔

غزوے کی تیاری اور انخلاء کی کوشش | طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عہد شکنی کی

خبر آنے سے تین روز پہلے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دے دیا تھا کہ آپ کا ساز و سامان تیار کر دیں لیکن کسی کو پتا نہ چلے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو پوچھا، بیٹی! یہ کیسی تیاری ہے؟ انہوں نے کہا، واللہ مجھے نہیں معلوم۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ بنو آصف یعنی رومیوں سے جنگ کا وقت نہیں پھر رسول اللہ ﷺ کا ارادہ کدھر کا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا، واللہ مجھے علم نہیں۔ تیسرے روز علی الصبح عمرو بن سالم خزامی چالیس سواروں کو لے کر پہنچ گیا اور یارب انی ناشد محمداً ... الخ ولے اشعار کہے تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ قریش نے عہد شکنی کی ہے۔ اس کے بعد بدیل آیا، پھر ابوسفیان آیا تو لوگوں کو حالات کا ٹھیک ٹھیک علم ہو گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تیاری کا حکم دیتے ہوئے بتلایا کہ مکہ چلنا ہے اور ساتھ ہی یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ!

جاسوسوں اور خبروں کو تشریش تک پہنچنے سے روک اور پکڑ لے تاکہ ہم ان کے علاقے میں ان کے سر پر ایک دم جا پہنچیں۔

پھر کمال انخاء اور رازداری کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے شروع ماہ رمضان ۳۳ھ میں حضرت ابوقحادہ بن ربیع کی قیادت میں آٹھ آدمیوں کا ایک سریہ بطن اضم کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ مقام ذی شیب اور ذی المروۃ کے درمیان مدینہ سے تقریباً ۳۶ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مقصد یہ تھا کہ سمجھنے والا سمجھے کہ آپ اسی علاقے کا رخ کریں گے اور یہی خبریں ادھر ادھر پھیلیں لیکن یہ سریہ جب اپنے مقررہ مقام پر پہنچ گیا تو اسے خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں چنانچہ یہ بھی آپ سے جا ملا۔

ادھر عاتب بن ابی بلتعہ نے قریش کو ایک رقعہ لکھ کر یہ اطلاع دے بھیجی کہ رسول اللہ ﷺ حملہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے یہ رقعہ ایک عورت کو دیا تھا اور اسے قریش تک پہنچانے پر معاوضہ رکھا تھا۔ عورت سر کی چوٹی میں رقعہ چھپا کر روانہ ہوئی لیکن رسول اللہ ﷺ کو وحی سے عاتب کی اس حرکت کی خبر دے دی گئی چنانچہ آپ نے حضرت علی، حضرت مقداد، حضرت زبیر اور حضرت ابو مرثد غنوی کو یہ کہہ کر بھیجا کہ جاؤ روضہ خلیج پہنچو۔ وہاں ایک ہودج نشین عورت ملے گی جس کے پاس قریش کے نام ایک رقعہ ہوگا۔ یہ حضرات گھوڑوں پر سوار تیزی سے روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو عورت موجود تھی۔ اس سے کہا کہ وہ نیچے اترے اور پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی خط ہے؟ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں۔ انہوں نے اس کے کجاوے کی تلاشی لی لیکن کچھ نہ ملا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ کہا ہے نہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ تم یا تو خط نکالو یا ہم تمہیں ننگا کر دیں گے۔ جب اس نے یہ پختگی دیکھی تو بولی اچھا منہ پھیرو۔ انہوں نے منہ پھیرا تو اس نے

کہ یہ سریہ ہے جس کی ملاقات عامر بن اضبط سے ہوئی تو عامر نے اسلامی دستور کے مطابق سلام کیا۔ لیکن معلم بن جثامہ نے کسی سابقہ رنجش کے سبب اسے قتل کر دیا اور اس کے اونٹ اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَقِيَ الْيَكْمَ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (الآیہ) یعنی جو تم سے سلام کرے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرام معلم کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے کہ آپ اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں لیکن جب معلم آپ کے سامنے حاضر ہوا تو آپ نے تین بار فرمایا اے اللہ! معلم کو نہ بخش۔ اس کے بعد معلم اپنے کپڑے کے دامن سے اپنے آنسو پونچتا ہوا اٹھا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کی قوم کے لوگ کہتے ہیں کہ بعد میں اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مغفرت کی دعا کر دی تھی۔ دیکھئے زاد المعاد ۲/ ۱۵۰،

چوٹی کھول کر خط نکالا اور ان کے حوالے کر دیا۔ یہ لوگ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے دیکھا تو اس میں تحریر تھا: (عاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے قریش کی جانب) پھر قریش کو رسول اللہ ﷺ کی روانگی کی خبر دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عاطب کو بلا کر پوچھا کہ عاطب! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اے رسول! میرے خلاف جلدی نہ فرمائیں۔ خدا کی قسم! اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان ہے۔ میں نہ تو مرتد ہوا ہوں اور نہ مجھ میں تبدیلی آئی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں خود قریش کا آدمی نہیں البتہ ان میں چپکا ہوا تھا اور میرے اہل و عیال اور بال بچے وہیں ہیں لیکن قریش سے میری کوئی قربت نہیں کہ وہ میرے بال بچوں کی حفاظت کریں۔ اس کے برخلاف دوسرے لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں وہاں ان کے قربت دار ہیں جو ان کی حفاظت کریں گے۔ اس لیے جب مجھے یہ چیز حاصل نہ تھی تو میں نے چاہا کہ ان پر ایک احسان کر دوں جس کے عوض وہ میرے قربت داروں کی حفاظت کریں۔ اس پر حضرت عمر بن خطاب نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے چھوڑیے میں اس کی گردن مار دوں کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے اور یہ منافق ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیکھو! یہ جنگ بدر میں حاضر ہو چکا ہے۔ اور عمر! تمہیں کیا پتہ؟ ہو سکتا ہے اللہ نے اہل بدر کو دیکھ کر کہا ہو کہ تم لوگ جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔

اس طرح اللہ نے جاسوسوں کو پکڑ لیا اور مسلمانوں کی جنگی تیاریوں کی کوئی خبر قریش تک نہ پہنچ سکی۔

۱۰۔ رمضان المبارک ۱۰ھ کو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ چھوڑ کر مکہ کا رخ کیا۔ آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرام تھے۔ مدینہ پر ابوہریرہ غفاری

اسلامی شکر مکہ کی راہ میں

۵۔ سہیلی نے بعض منازعی کے حوالے سے خط کا مضمون یہ بیان کیا ہے: ابا عبد! اے جماعت قریش! رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس رات جیسا، سبیل رواں کی طرح بڑھتا ہوا شکر لے کر آرہے ہیں اور بخدا اگر وہ تنہا بھی تمہارے پاس آجائیں تو اللہ ان کی مدد کریگا اور ان سے اپنا وعدہ پورا کرے گا لہذا تم لوگ اپنے متعلق سوج لو۔ و السلام

واقعی نے اپنی ایک مرسل سند سے روایت کی ہے کہ حضرت عاطب نے سہیل بن عمرو، صفوان بن اُمیہ، اور عکرمہ کے پاس یہ لکھا تھا کہ ”رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں غزوے کا اعلان کر دیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ آپ کا ارادہ تم لوگوں کے سوا کسی اور کا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم لوگوں پر میرا ایک احسان رہے۔“

(فتح الباری ۵/۵۲۱)

۶۔ صحیح بخاری ۱/۴۲۲، ۲/۱۲۲، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوہریرہ کے ناموں کا اضافہ صحیح بخاری کی بعض دوسری روایات میں ہے۔

رضی اللہ عنہ کی تقرری ہوئی۔

محفل میں یا اس سے کچھ اور آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب ملے۔ وہ مسلمان ہو کر اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کرتے ہوئے تشریف لارہے تھے۔ پھر ابواء میں آپ کے چچیرے بھائی ابوسفیان بن حارث اور پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن اُمیہ ملے۔ آپ نے ان دونوں کو دیکھ کر منہ پھیر لیا کیونکہ یہ دونوں آپ کو سخت اذیت پہنچایا کرتے اور آپ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ یہ صورت دیکھ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کے چچیرے بھائی اور پھوپھی زاد بھائی ہی آپ کے یہاں سب سے بدبخت ہوں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حارث کو سکھایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے جباؤ، اور وہی کہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کہا تھا کہ : تَاللّٰهِ لَقَدْ اَشْرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ (۹۱:۱۱۲) خدا کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ یہ پسند نہیں کریں گے کہ کسی اور کا جواب آپ سے عمدہ رہا ہو۔ چنانچہ ابوسفیان نے یہی کیا اور جواب میں فوراً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْنَا الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ (۹۲:۱۱۲) ”آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ اللہ تمہیں بخش دے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔“ اس پر ابوسفیان نے آپ کو چپندہ اشعار سنائے جن میں سے بعض یہ تھے :

لعمرك اني حين احمل راية لتغلب خيل اللات خيل محمد
لكالم دلج الحيران اظلم ليله فهذا اواني حين اهدى فاهدي
هداني هاد غير نفسي ودلني على الله من طردته كل مطرد

”تیری عمر کی قسم! جس وقت میں نے اس لیے جھنڈا اٹھایا تھا کہ لات کے شہسوار محمد کے شہسوار پر غالب آجائیں تو میری کیفیت رات کے اس مسافر کی سی تھی جو تیرہ و تار رات میں حیران و سرگردان ہو، لیکن اب وقت آگیا ہے کہ مجھے ہدایت دی جائے اور میں ہدایت پاؤں۔ مجھے میرے نفس کی بجائے ایک ہادی نے ہدایت دی اور اللہ کا راستہ اسی شخص نے بتایا جسے میں نے ہر موقع پر دھتکار دیا تھا۔“

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس کے سینے پر ضرب لگائی اور فرمایا: تم نے مجھے ہر موقع پر دھتکارا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ آپ اور صحابہ روزے سے تھے لیکن عسفان اور قُدید کے درمیان

مَرَّ الظَّهْرَانِ فِيْ اِسْلَامِيْ شُكْرًا بِرَاوٍ

کدین نامی چشمے پر پہنچ کر آپ نے روزہ توڑ دیا اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام نے بھی روزہ توڑ دیا۔ اس کے

بعد پھر آپ نے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ رات کے ابتدائی اوقات میں مراظہران - وادی فاطمہ - پہنچ کر نزول فرمایا۔ وہاں آپ کے حکم سے لوگوں نے انگ انگ آگ جلائی۔ اس طرح دس ہزار (چولہوں میں) آگ جلائی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطابؓ کو پہرے پر مقرر فرمایا۔

ابوسفیان دربارِ نبوت میں | مراظہران میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر نکلے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ کوئی لکڑہارا یا کوئی بھی آدمی مل جائے تو اس سے قریش کے پاس خبر بھیج دیں تاکہ وہ مکے میں رسول اللہ ﷺ کے داخل ہونے سے پہلے آپ کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کر لیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے قریش پر ساری خبروں کی رسائی روک دی تھی اس لیے انہیں حالات کا کچھ علم نہ تھا؛ البتہ وہ خوف اور اندیشے سے دوچار تھے اور ابوسفیان باہر جا جا کر خبروں کا پتا لگا تا رہتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء خبروں کا پتا لگانے کی غرض سے نکلے ہوئے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بخدا میں رسول اللہ ﷺ کے خچر پر سوار جا رہا تھا کہ مجھے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنائی پڑی۔ وہ باہم رد و قدح کر رہے تھے۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم! میں نے آج رات جیسی آگ اور ایسا شکر تو کبھی دیکھا ہی نہیں، اور جواب میں بدیل کہہ رہا تھا۔ یہ خدا کی قسم بنو خزاعہ ہیں۔ جنگ نے انہیں چھیل کر رکھ دیا ہے۔ اس پر ابوسفیان کہہ رہا تھا، خزاعہ اس سے کہیں کمتر اور ذلیل ہیں کہ یہ ان کی آگ اور ان کا لشکر ہو۔

حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے اس کی آواز پہچان لی اور کہا، ابوحنظلہ! اس نے بھی میری آواز پہچان لی اور بولا، ابو الفضل! میں نے کہا، ہاں۔ اس نے کہا، کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ میں نے کہا، یہ رسول اللہ ﷺ ہیں لوگوں سمیت ہلے قریش کی تباہی۔ واللہ! اس نے کہا، اب کیا حیلہ ہے؟ میرے ماں باپ تم پر قربان۔ میں نے کہا، واللہ اگر وہ تمہیں پا گئے

۷۱ بعد میں ابوسفیان کے اسلام میں بڑی خوبی آگئی۔ کہا جاتا ہے کہ جب سے انہوں نے اسلام قبول کیا حیا کے سبب رسول اللہ ﷺ کی طرف سراٹھا کر نہ دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی ان سے محبت کرتے تھے اور ان کے لیے جنت کی بشارت دیتے تھے اور فرماتے تھے مجھے توقع ہے کہ یہ حمزہ کا بدل ثابت ہوں گے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو کہنے لگے، مجھ پر نہ رونا کیونکہ اسلام لانے کے بعد میں نے کبھی کوئی گناہ کی بات نہیں کہی۔ زاد المعاد ۲/۱۶۲، ۱۶۳

تو تمہاری گردن مار دیں گے لہذا اس نچر پر پیچھے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلتا ہوں اور تمہارے لیے امان طلب کئے دیتا ہوں۔ اس کے بعد ابوسفیان میرے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابوسفیان کو لے کر چلا۔ جب کسی آلاؤ کے پاس سے گزرتا تو لوگ کہتے ہوں ہے؟ مگر جب دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ کا نچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں اور آپ کے نچر پر ہیں۔ یہاں تک کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آلاؤ کے پاس سے گزرا۔ انہوں نے کہا، کون ہے؟ اور اٹھ کر میری طرف آئے۔ جب پیچھے ابوسفیان کو دیکھا تو کہنے لگے، ابوسفیان؟ اللہ کا دشمن؟ اللہ کی حمد ہے کہ اس نے بغیر عہد و پیمان کے تجھے (ہمارے) قابو میں کر دیا۔ اس کے بعد وہ نکل کر رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑے اور میں نے بھی نچر کو اڑ لگائی۔ میں آگے بڑھ گیا اور نچر سے کود کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا گھا۔ اتنے میں عمر بن خطاب بھی گھس آئے اور بولے کہ اے اللہ کے رسول! یہ ابوسفیان ہے۔ مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن مار دوں۔ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! میں نے اسے پناہ دے دی ہے۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر آپ کا سر پکڑ لیا اور کہا، خدا کی قسم آج رات میرے سوا کوئی اور آپ سے سرگوشی نہ کرے گا۔ جب ابوسفیان کے بارے میں حضرت عمرؓ نے بار بار کہا تو میں نے کہا، عمر! ٹھہر جاؤ۔ خدا کی قسم اگر یہ بنی عدی بن کعب کا آدمی ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا عباس! ٹھہر جاؤ۔ خدا کی قسم تمہارا اسلام لانا میرے نزدیک خطاب کے اسلام لانے سے — اگر وہ اسلام لاتے — زیادہ پسندیدہ ہے اور اس کی وجہ میرے لیے صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تمہارا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عباس! اے (یعنی ابوسفیان کو) اپنے ڈیرے میں لے جاؤ۔ صبح میرے پاس لے آنا۔ اس حکم کے مطابق میں اسے ڈیرے میں لے گیا اور صبح خدمت نبوی ﷺ میں حاضر کیا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا، ابوسفیان! تم پر افسوس! کیا اب بھی تمہارے لیے وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں؟ ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا، آپ کتنے بردبار، کتنے کریم اور کتنے خویش پرور ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہوتا تو اب تک میرے کچھ کام آیا ہوتا۔

آپ نے فرمایا، ابوسفیان تم پر افسوس! کیا تمہارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ میں

اللہ کا رسول ہوں۔ ابوسفیان نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ آپ کس قدر علیم، کس قدر کریم اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں! اس بات کے متعلق تو اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک ہے۔ اس پر میں نے کہا، اے! گردن مارے جانے کی نوبت آنے سے پہلے پہلے اسلام قبول کر لو اور یہ شہادت و اقرار کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان اعزاز پسند ہے لہذا اسے کوئی اعزاز دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے اسے امان ہے اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔

اسی صبح — منگل، ۱۱ رمضان ۶۱۰ء کی صبح — اسلامی لشکر مراء الظہران سے مکہ کی جانب

رسول اللہ ﷺ مراء الظہران سے مکہ روانہ

ہوئے اور حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو دادی کی تنگنا سے پر پہاڑ کے ناکے کے پاس روک رکھیں تاکہ وہاں سے گزرنے والی خدائی فوجوں کو ابوسفیان دیکھ سکے۔ حضرت عباسؓ نے ایسا ہی کیا۔ اور قبائل اپنے اپنے پھرے لیے گزر رہے تھے۔ جب وہاں سے کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان پوچھتا کہ عباسؓ! یہ کون لوگ ہیں؟ جواب میں حضرت عباسؓ — بطور مثال — کہتے کہ بنو سلیم ہیں۔ تو ابوسفیان کہتا کہ مجھے سلیم سے کیا واسطہ؟ پھر کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان پوچھتا کہ اے عباسؓ! یہ کون لوگ ہیں؟ وہ کہتے، مُزینہ ہیں۔ ابوسفیان کہتا: مجھے مُزینہ سے کیا مطلب؟ یہاں تک کہ سارے قبیلے ایک ایک کر کے گزر گئے۔ جب بھی کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان حضرت عباسؓ سے اس کی بابت ضرور دریافت کرتا اور جب وہ اسے بتاتے تو وہ کہتا کہ مجھے بنی فلاں سے کیا واسطہ؟ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سزوستے کے جلو میں تشریف لائے۔ آپؐ مہاجرین و انصار کے درمیان فروش تھے۔ یہاں انسانوں کے بجائے صرف لوسے کی باڑھ دکھائی پڑ رہی تھی۔ ابوسفیان نے کہا: سبحان اللہ! اے عباسؓ! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ انصار و مہاجرین کے جلو میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: بھلا ان سے محاذ آرائی کی طاقت کسے ہے؟ اس کے بعد اس نے مزید کہا: ابوالفضل! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو واللہ بڑی زبردست ہوگئی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوسفیان! یہ نبوت ہے۔ ابوسفیان نے کہا: اب تو یہی کہا جلتے گا۔

اس موقع پر ایک واقعہ اور پیش آیا۔ انصار کا پھر یہاں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

وہ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو بولے :

اليوم يوم الملحمة اليوم تستحل الحرمه

”آج خوزیزی اور مار دھاڑ کا دن ہے۔ آج حرمت طلال کر لی جائے گی۔“

آج اللہ نے قریش کی ذلت مقدر کر دی ہے۔ اس کے بعد جب وہاں سے رسول اللہ ﷺ گزرے تو ابوسفیان نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے وہ بات نہیں سنی جو سعد نے کہی ہے؟ آپ نے فرمایا سعد نے کیا کہا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: یہ اور یہ بات کہی ہے۔ یہ سن کر حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں سعد قریش کے اندر مار دھاڑ نہ مچا دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں بلکہ آج کا دن وہ دن ہے جس میں کعبہ کی تعظیم کی جائے گی۔ آج کا دن وہ دن ہے جس میں اللہ قریش کو عزت بخشے گا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت سعد کے پاس آدمی بھیج کر جھنڈا ان سے لے لیا اور ان کے صاحبزادے قیس کے حوالے کر دیا۔ گویا جھنڈا حضرت سعد کے ہاتھ سے نہیں نکلا۔ اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے جھنڈا حضرت زبیر کے حوالے کر دیا تھا۔

اسلامی شکر اچانک قریش کے سر پر | جب رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کے پاس سے گزر چکے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اب

دور کر اپنی قوم کے پاس جاؤ۔ ابوسفیان تیزی سے مکہ پہنچا اور نہایت بلند آواز سے پکارا: ”قریش کے لوگو! یہ محمد ﷺ ہیں۔ تمہارے پاس اتنا شکر لے کر آئے ہیں کہ مقابلے کی تاب نہیں؛ لہذا جو ابوسفیان کے گھر گھس جائے اُسے امان ہے۔“ یہ سن کر اس کی بیوی ہند بنت عتبہ اٹھی اور اس کی مونچھ پکڑ کر بولی۔ مار ڈالو اس مشک کی طرح چربی سے بھرے ہوئے پتلی پنڈلیوں والے کو۔ براہو ایسے پیشرو خبر رساں کا۔

ابوسفیان نے کہا: تمہاری بربادی ہو۔ دیکھو تمہاری جانوں کے بارے میں یہ عورت تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے کیونکہ محمد ﷺ ایسا شکر لے کر آئے ہیں جس سے مقابلے کی تاب نہیں۔ اس لیے جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے اسے امان ہے۔ لوگوں نے کہا: اللہ تجھے مارے، تیرا گھر ہمارے کتنے آدمیوں کے کام آسکتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔ یہ سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔ البتہ اپنے کچھ ادباشوں کو لگا دیا اور کہا کہ انہیں ہم آگے کئے دیتے ہیں۔ اگر قریش کو کچھ کامیابی ہوئی تو ہم ان کے ساتھ ہو رہیں گے اور اگر ان پر ضرب لگی تو ہم سے جو کچھ مطالبہ کیا جائے گا منظور کر لیں گے۔ قریش کے یہ احمق

ادبائش مسلمانوں سے لڑنے کے لیے عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کی کمان میں خندمہ کے اندر جمع ہوئے۔ ان میں بنو بکر کا ایک آدمی حماس بن قیس بھی تھا جو اس سے پہلے ہتھیار ٹھیک ٹھاک کرتا رہتا تھا۔ جس پر اس کی بیوی نے (ایک روز) کہا، ”یہ کاہے کی تیاری ہے جو میں دیکھ رہی ہوں؟“ اس نے کہا، ”محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں سے مقابلے کی تیاری ہے۔ اس پر بیوی نے کہا، ”خدا کی قسم، محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کے مقابل کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی۔ اس نے کہا، ”خدا کی قسم، مجھے امید ہے کہ میں ان کے بعض ساتھیوں کو تمہارا خادم بناؤں گا۔“ اس کے بعد کہنے لگا،

ان یقبلوا لیوم فمائی علة هذا سلاح کامل وألة
وذو غرارین سریع السلة

”اگر وہ آج مد مقابل آگئے تو میرے لیے کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ مکمل ہتھیار، دراز آتی والا نیزہ اور جھٹ سونتی جانے والی دودھاری تلوار ہے۔“

خندمہ کی لڑائی میں یہ شخص بھی آیا ہوا تھا۔

اسلامی شکر ذی طویٰ میں | ادھر رسول اللہ ﷺ مرا نظر ان سے روانہ ہو کر ذی طویٰ پہنچے۔ اس دوران اللہ کے بخشے ہوئے اعزازِ فسح پر فرط تواضع سے آپ نے اپنا سر جھکا رکھا تھا یہاں تک کہ داڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی سے جا لگ رہے تھے۔ ذی طویٰ میں آپ نے شکر کی ترتیب و تقسیم فرمائی۔ خالد بن ولید کو داہنے پہلو پر رکھا۔ اس میں اسلم، سلیم، غفار، مزینہ، جہینہ اور کچھ دوسرے قبائل عرب تھے۔ اور خالد بن ولید کو حکم دیا کہ وہ مکہ میں زیریں حصے سے داخل ہوں اور اگر قریش میں سے کوئی آڑے آئے تو اسے کاٹ کر رکھ دیں، یہاں تک کہ صفا پر آپ سے آلیں۔

حضرت زبیر بن عوام بائیں پہلو پر تھے۔ ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا پھر پرا تھا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ مکے میں بالائی حصے یعنی کداء سے داخل ہوں اور حجون میں آپ کا جھنڈا گاڑ کر آپ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں۔

حضرت ابو عبیدہ پیادے پر مقرر تھے۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ بطن وادی کا راستہ پکڑیں یہاں تک کہ مکے میں رسول اللہ ﷺ کے آگے اُتریں۔

مکہ میں اسلامی شکر کا داخلہ | ان ہدایات کے بعد تمام دستے اپنے اپنے مقصد پر

راستوں سے چل پڑے۔

حضرت خالد اور ان کے رفقاء کی راہ میں جو مشرک بھی آیا اسے مٹا دیا گیا؛ البتہ ان کے رفقاء میں سے بھی کرز بن جابر فہری اور خنیس بن خالد بن ربیعہ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ یہ دونوں لشکر سے بچھڑ کر ایک دوسرے راستے پر چل پڑے اور اسی دوران انہیں قتل کر دیا گیا۔ خندمہ پہنچ کر حضرت خالد اور ان کے رفقاء کی مڈ بھڑ قریش کے ادباشوں سے ہوئی۔ معمولی سی بھڑپ میں بارہ مشرک مارے گئے اور اس کے بعد مشرکین میں جگہ بڑھ چکی۔ حماس بن قیس جو مسلمانوں سے جنگ کے لیے ہتھیار ٹھیک ٹھاک کرتا رہتا تھا بھاگ کر اپنے گھر میں جا گھسا اور اپنی بیوی سے بولا: دروازہ بند کر لو۔ اس نے کہا: وہ کہاں گیا جو تم کہا کرتے تھے؟ کہنے لگا:

انک لو شہدت یوم الخندمہ اذ فرصفوان وفرعکرمہ

واستقبلنا بالسیوف المسلمۃ یقطعن کل ساعد وجمجمہ

ضربا فلا یسمع الا غمغمہ لہم نہیت خلفنا وھمہمہ

لم تنطقی فی اللوم ادنی کلمہ

”اگر تم نے جنگ خندمہ کا حال دیکھا ہو تا جب کہ صفوان اور عکرمہ بھاگ کھڑے ہوئے اور سوتی ہوئی

تو اردوں سے ہمارا استقبال کیا گیا، جو کلاتیاں اور کھوپڑیاں اس طرح کاٹتی جا رہی تھیں کہ پیچھے سوائے

ان کے شور و غوغا اور ہہمہ کے کچھ سنا ہی نہیں پڑتا تھا، تو تم ملامت کی ادنیٰ بات نہ کہتیں۔“

اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ مکہ کے گلی کوچوں کو روندتے ہوئے کوہِ صفا پر رسول اللہ

ﷺ سے جا ملے۔

ادھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حجون میں مسجد فتح کے پاس رسول اللہ ﷺ کا

جھنڈا گاڑا اور آپ کے لیے ایک قبۂ نصب کیا۔ پھر مسلسل وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ رسول اللہ

ﷺ تشریف لے آئے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ | مسجد حرام میں رسول اللہ ﷺ کا داخلہ اور نبوتوں سے تطہیر

آگے پیچھے اور گرد و پیش موجود انصار و مہاجرین کے جلو میں مسجد حرام کے اندر تشریف لائے۔ آگے بڑھ کر حجرِ اسود کو چوما اور اس کے بعد بیت اللہ کا طواف کیا۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی

اور بیت اللہ کے گرد اور اس کی چھت پر تین سو ساٹھ بُت تھے۔ آپ اسی کمان سے ان بتوں کو ٹھوکر مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ (۱۸:۱۷)
 ”حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ باطل جانے والی چیز ہے۔“

جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ۝ (۲۹:۲۳)
 ”حق آگیا اور باطل کی چلت پھرت ختم ہو گئی۔“

اور آپ کی ٹھوکر سے بُت چہروں کے بل گرتے جلتے تھے۔

آپ نے طواف اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر فرمایا تھا اور حالت احرام میں نہ ہونے کی وجہ سے صرف طواف ہی پر اکتفا کیا۔ تکمیل طواف کے بعد حضرت عثمان بن طلحہ کو بلا کر ان سے کعبہ کی کنجی لی۔ پھر آپ کے حکم سے خانہ کعبہ کھولا گیا۔ اندر داخل ہوئے تو تصویریں نظر آئیں جن میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی تھیں اور ان کے ہاتھ میں فال گیری کے تیر تھے۔ آپ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا، ”اللہ ان مشرکین کو ہلاک کرے۔ خدا کی قسم ان دونوں پیغمبروں نے کبھی بھی فال کے تیر استعمال نہیں کئے۔“ آپ نے خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کی بنی ہوئی ایک کبوتری بھی دکھی۔ اسے اپنے دست مبارک سے توڑ دیا اور تصویریں آپ کے حکم سے مٹا دی گئیں۔

خانہ کعبہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز اور قریش نے خطاب اس کے بعد آپ نے اندر سے دروازہ بند

کر لیا۔ حضرت اسامہ اور بلالؓ بھی اندر ہی تھے۔ پھر دروازے کے مقابل کی دیوار کا رخ کیا۔ جب دیوار صرف تین ہاتھ کے فاصلے پر رہ گئی تو وہیں ٹھہر گئے۔ دو کھبے آپ کے بائیں جانب تھے، ایک کھبا دہنے جانب اور تین کھبے پیچھے۔ ان دنوں خانہ کعبہ میں چھ کھبے تھے۔ پھر وہیں آپ نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد بیت اللہ کے اندر دنی حصے کا چکر لگایا۔ تمام گوشوں میں تکبیر و توحید کے کلمات کہے۔ پھر دروازہ کھول دیا۔ قریش (سامنے) مسجد حرام میں صفیں لگائے کھچا کھچ بھرے تھے۔ انہیں انتظار تھا کہ آپ کیا کرتے ہیں! آپ نے دروازے کے دونوں بازو پکڑ لیے، قریش نیچے تھے انہیں یوں مخاطب فرمایا:

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا سارے جتنوں کو شکست دی۔ سنو! بیت اللہ کی کلید برداری اور حاجیوں کو

پانی پلانے کے علاوہ سارا اعزاز یا کمال یا خون میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ یاد رکھو قتلِ خطا شبہِ عمد میں۔ جو کوڑے اور ڈنڈے سے ہو۔ منغلط دیت ہے، یعنی سوا دنٹ جن میں سے چالیس اونٹنیوں کے شکم میں ان کے بچے ہوں۔

اے قریش کے لوگو! اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کا خاتمہ کر دیا۔ سارے لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ (۱۳:۳۹)

”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ

تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ بیشک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔“

اس کے بعد آپ نے فرمایا: قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے | **آج کوئی سرزنش نہیں** | میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا:

”اچھا۔ آپ کریم بھائی ہیں۔ اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: تو میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ لَا تَثْوِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجدِ عرام میں بیٹھ گئے حضرت علیؓ نے۔ جن کے ہاتھ میں کعبے کی کنجی تھی۔ حاضر خدمت ہو کر | **کعبے کی کنجی (حق بحقدار رسید)** |

عرض کیا: حضور ہمارے لیے حجاج کو پانی پلانے کے اعزاز کے ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا اعزاز بھی جمع فرما دیجئے۔ اللہ آپ پر رحمت نازل کرے۔ ایک اور روایت کے بموجب یہ گزارش حضرت عباسؓ نے کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ انہیں بلایا گیا۔ آپ نے فرمایا: عثمان! یہ لو اپنی کنجی۔ آج کا دن نیکی اور وفاداری کا دن ہے۔ طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ آپ نے کنجی دیتے ہوئے فرمایا: اسے ہمیشہ ہمیش کے لیے لو۔ تم لوگوں سے اسے وہی چھینے کا جو ظالم ہوگا۔ اے عثمان! اللہ نے تم لوگوں کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے؛ لہذا اس بیت اللہ سے تمہیں جو کچھ ملے اس سے معرفت کے ساتھ کھانا۔“

کعبے کی چھت پر اذان بلالی | اب نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبے پر چڑھ کر اذان کہیں۔

اس وقت ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید اور عارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے تھے۔ عتاب نے کہا، اللہ نے اسید (کو فوت کر کے اس) پر یہ کرم کیا کہ وہ یہ (اذان) نہ سن سکا ورنہ اسے ایک ناگوار چیز سننی پڑتی۔ اس پر عارث نے کہا، سنو! واللہ! اگر مجھے معلوم ہو جلتے کہ وہ برحق ہیں تو میں ان کا پیروکار بن جاؤں گا۔ اس پر ابوسفیان نے کہا، دیکھو! واللہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ کیونکہ اگر میں بولوں گا تو یہ کنکریاں بھی میرے متعلق خبر دے دیں گی۔ اس کے بعد نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، ابھی تم لوگوں نے جو باتیں کی ہیں، وہ مجھے معلوم ہو چکی ہیں۔ پھر آپ نے ان کی گفتگو دہرا دی۔ اس پر عارث اور عتاب بول اٹھے، ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کی قسم! کوئی شخص ہمارے ساتھ تھا ہی نہیں کہ ہماری اس گفتگو سے آگاہ ہوتا اور ہم کہتے کہ اس نے آپ کو خبر دی ہوگی۔

فتح یا شکرانے کی نماز | اسی روز رسول اللہ ﷺ اُمّ ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں غسل فرمایا اور ان کے گھر میں ہی آٹھ رکعت نماز پڑھی۔

یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس لیے کسی نے اس کو چاشت کی نماز سمجھا اور کسی نے فتح کی نماز۔ اُمّ ہانی نے اپنے دو دیوروں کو پناہ دے رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا، اے اُمّ ہانی جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔ اس ارشاد کی وجہ یہ تھی کہ اُمّ ہانی کے بھائی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان دونوں کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے اُمّ ہانی نے ان دونوں کو چھپا کر گھر کا دروازہ بند کر رکھا تھا۔ جب نبی ﷺ تشریف لے گئے تو ان کے بارے میں سوال کیا اور مذکورہ جواب سے بہرہ ور ہوئیں۔

اکابر مجرہن کا خون رائیگاں قرار دیدیا گیا | فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے اکابر مجرہن میں سے نو آدمیوں کا خون رائیگاں قرار

دیتے ہوئے حکم دیا کہ اگر وہ کبے کے پردے کے نیچے بھی پاتے جائیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

- (۱) عبدالعزیٰ بن حنظل (۲) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (۳) عکرمہ بن ابی جہل (۴) عارث بن نفیل بن وہب (۵) مقیس بن صبابہ (۶) ہبّار بن اسود (۷، ۸) ابن حنظل کی دو لونڈیاں جو نبی ﷺ کی ہجو گایا کرتی تھیں (۹) سارہ، جو اولاد عبدالمطلب میں سے کسی کی لونڈی تھی۔ اسی کے پاس حاطب کا خط

پایا گیا تھا۔

ابن ابی سرح کا معاملہ یہ ہوا کہ اسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں لے جا کر جان بخشی کی سفارش کر دی اور آپ نے اس کی جان بخشی فرماتے ہوئے اس کا اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اس سے پہلے آپ کچھ دیر تک اس اُمید میں خاموش رہے کہ کوئی صحابی اُٹھ کر اسے قتل کر دیں گے۔ کیونکہ یہ شخص اس سے پہلے بھی ایک بار اسلام قبول کر چکا تھا اور ہجرت کر کے مدینہ آیا تھا لیکن پھر مرتد ہو کر بھاگ گیا تھا (تاہم اس کے بعد کارداران کے حُسنِ اسلام کا آئینہ دار ہے۔ رضی اللہ عنہ)

عکرمہ بن ابی جہل نے بھاگ کر مین کی راہ لی لیکن اس کی بیوی خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان کی طالب ہوئی اور آپ نے امان دے دی۔ اس کے بعد وہ عکرمہ کے پیچھے پیچھے گئی اور اسے ساتھ لے آئی۔ اس نے واپس آ کر اسلام قبول کیا اور اس کے اسلام کی کیفیت بہت اچھی رہی۔

ابن نطل خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر لٹکا ہوا تھا۔ ایک صحابی نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا اسے قتل کر دو۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

مقیس بن صبابہ کو حضرت نمیکہ بن عبد اللہ نے قتل کیا۔ مقیس بھی پہلے مسلمان ہو چکا تھا لیکن پھر ایک انصاری کو قتل کر کے مرتد ہو گیا اور بھاگ کر مشرکین کے پاس چلا گیا تھا۔

حارث، مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو سخت اذیت پہنچایا کرتا تھا۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

ہُبَّار بن اسود وہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کو ان کی ہجرت کے موقع پر ایسا کچھ کا مارا تھا کہ وہ ہودج سے ایک چٹان پر جا گری تھیں اور اس کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ یہ شخص فتح مکہ کے روز نکل بھاگا۔ پھر مسلمان ہو گیا اور اس کے اسلام کی کیفیت اچھی رہی۔

ابن نطل کی دونوں لونڈیوں میں سے ایک قتل کی گئی۔ دوسری کے لیے امان طلب کی گئی اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح سارہ کے لیے امان طلب کی گئی اور وہ بھی مسلمان ہو گئی۔ (خلاصہ یہ کہ نو میں سے چار قتل کئے گئے، پانچ کی جان بخشی ہوئی اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: جن لوگوں کا خون رائیگاں قرار دیا گیا ان کے ضمن میں ابو مشر نے حارث بن طلال غزاعی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ امام حاکم نے اسی فہرست میں کعب بن زہیر کا ذکر کیا ہے۔ کعب کا واقعہ مشہور ہے۔ اس نے بعد میں آ کر اسلام قبول کیا اور

نبی ﷺ کی مدح کی۔ (اسی فہرست میں) وحشی بن حرب اور ابوسفیان کی بیوی ہندزنت عتبہ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ابن نطل کی لونڈی ارنب ہے جو قتل کی گئی اور ام سعد ہے۔ یہ بھی قتل کی گئی۔ جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ اس طرح مردوں کی تعداد آٹھ اور عورتوں کی تعداد چھ ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں لونڈیاں ارنب اور ام سعد ہوں اور اختلاف محض نام کا ہو یا کنیت اور لقب کے اعتبار سے اختلاف ہو گیا ہو۔

صفوان بن امیہ اور فضالہ بن عُمیر کا قبول اسلام | صفوان کا خون اگرچہ رائیگاں نہیں

قرار دیا گیا تھا لیکن قریش کا ایک بڑا لیڈر ہونے کی حیثیت سے اُسے اپنی جان کا خطرہ تھا؛ اسی لیے وہ بھی بھاگ گیا۔ عُمیر بن وہبؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان طلب کی۔ آپ نے امان دے دی اور علامت کے طور پر عُمیر کو اپنی وہ پگڑی بھی دے دی جو مکہ میں داخلے کے وقت آپ نے سر پر باندھ رکھی تھی۔ عُمیر صفوان کے پاس پہنچے تو وہ جدہ سے یمن جانے کے لیے سمندر پر سوار ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ عُمیر اسے واپس لے آئے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے دو مہینے کا اختیار دیجئے۔ آپ نے فرمایا: تمہیں چار مہینے کا اختیار ہے۔ اس کے بعد صفوان نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی۔ آپ نے دونوں کو پہلے ہی نکاح پر برقرار رکھا۔

فضالہ ایک جری آدمی تھا۔ جس وقت رسول اللہ ﷺ طواف کر رہے تھے وہ قتل کی نیت سے آپ کے پاس آیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس پر وہ مسلمان ہو گیا۔

فتح کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ کا خطبہ | فتح کے دوسرے دن خطبہ دینے کیلئے رسول اللہ ﷺ لوگوں

کے درمیان پھر کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور اس کے شایان شان اس کی تجہید کی پھر فرمایا: ”لوگو! اللہ نے جس دن آسمان کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام (حرمت والا شہر) ٹھہرایا۔ اس لیے وہ اللہ کی حرمت کے سبب قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ کوئی آدمی جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ اس میں خون بہائے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص اس بنا پر رخصت اختیار کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں قتال کیا تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی لیکن تمہیں اجازت نہیں دی ہے۔ اور میرے لیے بھی اسے صرف دن کی ایک ساعت میں حلال کیا گیا۔ پھر آج اس کی

حرمیت اسی طرح پٹ آئی جس طرح کل اس کی حرمت تھی۔ اب چاہیے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو یہ بات پہنچا دے۔“

ایک روایت میں اتنا مزید اضافہ ہے کہ یہاں کا کائنات کاٹا جائے، شکار نہ بھگایا جائے اور گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے۔ البتہ وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو اس کا تعارف کر لے اور یہاں کی گھاس نہ اکھاڑی جائے۔ حضرت عباسؓ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مگر اذخر (عرب کی مشہور گھاس جو موج کی ہم شکل ہوتی ہے اور چائے اور دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے) کیونکہ یہ لوہار اور گھڑی (ضروریات) کی چیز ہے! آپؐ نے فرمایا: مگر اذخر۔

بنو خزاعہ نے اس روز بنو لیث کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا کیونکہ بنو لیث کے ہاتھوں اُن کا ایک آدمی جاہلیت میں مارا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا: خزاعہ کے لوگو! اپنا ہاتھ قتل سے روک لو، کیونکہ قتل اگر نافع ہوتا تو بہت قتل ہو چکا۔ تم نے ایک ایسا آدمی قتل کیا ہے کہ میں اس کی دیت لازماً ادا کروں گا۔ پھر میرے اس مقام کے بعد اگر کسی نے کسی کو قتل کیا تو مقتول کے اولیاء کو دہاتوں کا اختیار ہوگا؛ چاہیں تو قاتل کا خون بہائیں اور چاہیں تو اس سے دیت لیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد یمن کے ایک آدمی نے جس کا نام ابوشاہ تھا اٹھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! (اے) میرے لیے لکھوا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔

جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کی تکمیل فرما چکے — اور معلوم ہے کہ یہی آپؐ کا شہر، آپؐ کی جائے پیدائش اور وطن تھا — تو انصار نے آپؐ

انصار کے اندیشے

میں کہا: کیا خیال ہے اب اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو آپؐ کی اپنی سرزمین اور آپؐ کا شہر فتح کرا دیا ہے تو آپؐ یہیں قیام فرمائیں گے؟ اس وقت آپؐ صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا فرما رہے تھے۔ دُعا سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا تم لوگوں نے کیا بات کی ہے؟ انہوں نے کہا: کچھ نہیں یا رسول اللہ۔ مگر آپؐ نے اصرار فرمایا تو بالآخر ان لوگوں نے بتلادیا۔ آپؐ نے فرمایا: خدا کی پناہ! اب زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو مکہ کی فتح عطا فرمادی تو اہل مکہ پر حق واضح ہو گیا اور وہ جان گئے کہ اسلام کے سوا کامیابی کی کوئی راہ نہیں اس لیے وہ اسلام

بیعت

کے تابع رہنے ہوئے بیعت کے لیے جمع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے صفا پر بیٹھ کر لوگوں سے

بیعت یعنی شروع کی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ سے نیچے تھے اور لوگوں سے عہد و پیمان لے رہے تھے۔ لوگوں نے حضور ﷺ سے بیعت کی کہ جہاں تک ہو سکے گا آپ کی بات سنیں گے اور مانیں گے۔ اس موقع پر تفسیر مدارک میں یہ روایت مذکور ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مردوں کی بیعت فارغ ہو چکے تو وہیں صفا ہی پر عورتوں سے بیعت یعنی شروع کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ سے نیچے بیٹھے تھے اور آپ کے حکم پر عورتوں سے بیعت لے رہے تھے، اور انہیں آپ کی باتیں پہنچا رہے تھے۔ اسی دوران ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھیس بدل کر آئی۔ دراصل حضرت حمزہ کی لاش کے ساتھ اس نے جو حرکت کی تھی اس کی وجہ سے وہ خوف زدہ تھی کہ کہیں رسول اللہ ﷺ اسے پہچان نہ لیں۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے (بیعت شروع کی) تو فرمایا، میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (یہی بات دہراتے ہوئے) عورتوں سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اور چوری نہ کرو گی۔ اس پر ہند بول اٹھی، ابوسفیان بخیل آدمی ہے۔ اگر میں اس کے مال سے کچھ لے لوں تو وہ ابوسفیان نے (جو وہیں موجود تھے) کہا، تم جو کچھ لے لو وہ تمہارے لیے حلال ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسکرانے لگے۔ آپ نے ہندہ کو پہچان لیا۔ فرمایا، اچھا..... تو تم ہو ہندہ! وہ بولی ہاں، اے اللہ کے نبی جو کچھ گذر چکا ہے اسے معاف فرما دیجئے۔ اللہ آپ کو معاف فرمائے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا، اور زنا نہ کرو گی۔ اس پر ہندہ نے کہا، ابھیلا کہیں حُرّہ (آزاد عورت) بھی زنا کرتی ہے! پھر آپ نے فرمایا، اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی۔ ہندہ نے کہا، ہم نے تو بچپن میں انہیں پالا پوسا لیکن بڑے ہونے پر آپ لوگوں نے انہیں قتل کر دیا۔ اس لیے آپ اور وہ ہی بہتر جانیں۔ یاد رہے کہ ہندہ کا بیٹا حنظلہ بن ابی سفیان بدر کے دن قتل کیا گیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ ہنستے ہنستے چٹ لیٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی تبسم فرمایا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا، اور کوئی بہتان نہ گھڑو گی۔ ہندہ نے کہا، واللہ بہتان بڑی بُری بات ہے اور آپ ہمیں واقعی رشد اور مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا، اور کسی معروف بات میں رسول کی نافرمانی نہ کرو گی۔ ہندہ نے کہا، خدا کی قسم ہم اپنی اس مجلس میں اپنے دلوں کے اندر یہ بات لے کر نہیں بیٹھی ہیں کہ آپ کی نافرمانی بھی کریں گی۔

پھر واپس ہو کر ہندہ نے اپنا بُت توڑ دیا۔ وہ اسے توڑتی جا رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی۔ ہم تیرے متعلق

مکہ میں نبی ﷺ کا قیام اور کام | مکہ میں رسول اللہ ﷺ نے انیس روز قیام فرمایا۔ اس دوران آپ شعاثر اسلام کی تجدید کرتے رہے

اور لوگوں کو ہدایت و تقویٰ کی تلقین فرماتے رہے۔ انہی دنوں آپ کے حکم سے حضرت ابواسید خزاعی نے نئے سرے سے حدودِ حرم کے کچھ نصب کئے۔ آپ نے اسلام کی دعوت اور مکہ کے آس پاس بتوں کو توڑنے کے لیے متعدد سرایا بھی روانہ کئے اور اس طرح سارے بُت توڑ ڈالے گئے۔ آپ کے منادی نے مکے میں اعلان کیا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے گھر میں کوئی بُت نہ چھوڑے بلکہ اسے توڑ ڈالے۔

۱۔ فتح مکہ سے یک سو ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ۲۵ رمضان شہ کو حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں غزویٰ کے انہدام کے لیے ایک سریر

روانہ فرمایا۔ غزویٰ نخلہ میں تھا۔ قریش اور سارے بنو کنانہ اس کی پوجا کرتے تھے اور یہ ان کا سب سے بڑا بُت تھا۔ بنو شیبان اس کے مجاور تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تیس سواروں کی معیت میں نخلہ جاکر اسے ڈھا دیا۔ واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے کچھ دیکھا بھی تھا؟ حضرت خالد نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تب تو درحقیقت تم نے اسے ڈھایا ہی نہیں۔ پھر سے جاؤ اور اسے ڈھا دو۔ حضرت خالد پھر سے اور تلوار سونٹے ہوئے دوبارہ تشریف لے گئے۔ اب کی بار ان کی جانب ایک ننگی، کالی، پراگندہ سر عورت نکلی مجاور اسے چمچ چمچ کر پکارنے لگا لیکن اتنے میں حضرت خالد نے اس زور کی تلوار ماری کہ اس عورت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آکر خبر دی۔ آپ نے فرمایا: ہاں! وہی غزویٰ تھی۔ اب وہ مایوس ہو چکی ہے کہ تمہارے ملک میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائے۔

۲۔ اس کے بعد آپ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اسی مہینے سواع نامی بُت ڈھانے کے لیے روانہ کیا۔ یہ مکہ سے تین میل کے فاصلے پر رباط میں بنو ہذیل کا ایک بُت تھا۔ جب حضرت عمرو وہاں پہنچے تو مجاور نے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے اسے ڈھانے کا حکم دیا ہے۔ اس نے کہا: تم اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ حضرت عمرو نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: (قدرة) روک دیے جاؤ گے۔ حضرت عمرو نے کہا: تم اب تک باطل پر ہو؟ تم پر افسوس! کیا یہ سنایا دیکھتا ہے؟ اس کے بعد بُت کے

پاس جا کر اسے توڑ ڈالا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے خزانہ والا مکان ڈھادیں۔ لیکن اس میں کچھ نہ ملا۔ پھر مجاور سے فرمایا، کہو کیسا رہا؟ اس نے کہا، میں اللہ کے لیے اسلام لایا۔

۳۔ اسی ماہ حضرت سعد بن زید اشہلی کو بیس سواردے کر مناء کی جانب روانہ کیا گیا۔ یہ قذیفہ کے پاس مشعل میں اوس و خمر ج اور غسان وغیرہ کا بت تھا۔ جب حضرت سعد وہاں پہنچے تو اس کے مجاور نے ان سے کہا، تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا مناء کو ڈھانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا، تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ حضرت سعد مناء کی طرف بڑھے تو ایک کالی نگی، پرگندہ سر عورت نکلی۔ وہ اپنا سینہ پیٹ پیٹ کر ہائے ہلتے کر رہی تھی۔ اس سے مجاور نے کہا، مناء! اپنے کچھ نافرمانوں کو پکڑ لے۔ لیکن اتنے میں حضرت سعد نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر لپک کر بت ڈھادیا اور اسے توڑ پھوڑ ڈالا۔ خزانے میں کچھ نہ ملا۔

۴۔ عزیٰ کو ڈھا کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ واپس آئے تو انہیں رسول اللہ ﷺ نے اسی ماہ شعبان ۶ھ میں بنو جذیمہ کے پاس روانہ فرمایا، لیکن مقصود حملہ نہیں بلکہ اسلام کی تبلیغ تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ مہاجرین و انصار اور بنو سلیم کے ساڑھے تین سو افراد لے کر روانہ ہوئے اور بنو جذیمہ کے پاس پہنچ کر اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلحہ (ہم اسلام لائے) کے بجائے صباؤنا صباؤنا (ہم نے اپنا دین چھوڑا، ہم نے اپنا دین چھوڑا) کہا۔ اس پر حضرت خالد نے ان کا قتل اور ان کی گرفتاری شروع کر دی اور ایک ایک قیدی اپنے ہر ہر ساتھی کے حوالے کیا۔ پھر ایک دن حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کر دے؛ لیکن حضرت ابن عمرؓ اور ان کے ساتھیوں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور جب نبی ﷺ کے پاس آئے تو آپ سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دو بار فرمایا: "اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے تیری طرف بڑت اختیار کرتا ہوں۔"

اس موقع پر صرف بنو سلیم کے لوگوں نے اپنے قیدیوں کو قتل کیا تھا۔ انصار و مہاجرین نے قتل نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر ان کے مقتولین کی دیت اور ان کے نقصانات کا معاوضہ ادا فرمایا۔ اس معاملے میں حضرت خالد اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ سخت کلامی اور کشیدگی ہو گئی تھی۔ اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپ نے منہ دیا: خالد! ٹھہر جاؤ۔ میرے رفقا کو کچھ کہنے سے باز رہو۔ خدا کی قسم اگر اُحد پہاڑ سونا ہو جائے اور وہ سارا کا سارا تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تب بھی میرے رفقا میں سے کسی ایک آدمی کی ایک صبح کی عبادت یا ایک

شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔^۳

یہ ہے غزوۂ فتح مکہ۔ یہی وہ فیصلہ کن معرکہ اور فتح عظیم ہے جس نے بُت پرستی کی قوت مکمل طور پر توڑ کر رکھ دی اور اس کا کام اس طرح تمام کر دیا کہ جزیرۃ العرب میں اس کے باقی رہنے کی کوئی گنجائش اور کوئی وجہ جواز نہ رہ گئی، کیونکہ عام قبائل منتظر تھے کہ مسلمانوں اور بُت پرستوں میں جو معرکہ آرائی چل رہی ہے دیکھیں اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ ان قبائل کو یہ بات بھی اچھی طرح معلوم تھی کہ حرم پر وہی مسلط ہو سکتا ہے جو حق پر ہو۔ ان کے اس یقینِ کامل میں مزید حد درجہ سختگی نصف صدی پہلے اصحابِ نبیل ابرہہ اور اس کے ساتھیوں کے واقعہ سے آگئی تھی کیونکہ اہل عرب نے دیکھ لیا تھا کہ ابرہہ اور اس کے ساتھیوں نے بیت اللہ کا رُخ کیا تو اللہ نے انہیں ہلاک کر کے بھس بنا دیا۔

یاد رہے کہ صلح حدیبیہ اس فتح عظیم کا پیش خمیہ اور تمہید تھی۔ اس کی وجہ سے امن و امان کا دور دورہ ہو گیا تھا۔ لوگ کھل کر ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے۔ اسلام کے متعلق تبادُلِ خیال اور بحثیں ہوتی تھیں۔ مکہ کے جو لوگ درپردہ مسلمان تھے انہیں بھی اس صلح کے بعد اپنے دین کے اظہار و تبلیغ اور اس پر بحث و مناظرہ کا موقع ملا۔ ان حالات کے نتیجے میں بہت سے لوگ حلقہٴ گوشِ اسلام ہوئے یہاں تک کہ اسلامی لشکر کی جو تعداد گزشتہ کسی غزوے میں تین ہزار سے زیادہ نہ ہو سکی تھی اس غزوۂ فتح مکہ میں دس ہزار تک جا پہنچی۔

اس فیصلہ کن غزوے نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں اور ان پر پڑا ہوا وہ آخری پردہ ہٹا دیا جو قبولِ اسلام کی راہ میں روک بنا ہوا تھا۔ اس فتح کے بعد پورے جزیرۃ العرب کے سیاسی اور دینی اُفق پر مسلمانوں کا سوج چمک رہا تھا اور اب دینی سربراہی اور دنیوی قیادت کی زمام ان کے ہاتھ آچکی تھی۔

گویا صلح حدیبیہ کے بعد جو مسلمانوں کے حق میں مفید تغیر شروع ہوا تھا اس فتح کے ذریعے مکمل اور تمام ہو گیا اور اس کے بعد ایک دوسرا دور شروع ہوا جو پورے طور پر مسلمانوں کے حق میں تھا اور جس میں پوری صورت حال مسلمانوں کے قابو میں تھی؛ اور عرب اقوام کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ وفود کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیں اور آپ کی دعوت لے کر چار دانگ عالم میں پھیل جائیں۔ اگلے دو برسوں میں اسی کی تیاری کی گئی۔

^۳ اس غزوے کی تفصیلات ذیل کے مأخذ سے لی گئی ہیں۔ ابن ہشام ۲/۳۸۹ تا ۴۳۷، صحیح بخاری ۱/ کتاب الجہاد اور کتاب المناکب، ۲/۹۱۲ تا ۹۱۵، فتح الباری ۸/۳ تا ۲۷، صحیح مسلم ۱/۴۳۷، ۱/ کتاب الجہاد اور کتاب المناکب، ۲/۹۱۲ تا ۹۱۵، زاد المعاد ۲/۱۹۰ تا ۱۹۸، مختصر السیرۃ للشیخ عبد اللہ ص ۳۲۲ تا ۳۵۱

یہ رسول اللہ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کا آخری مرحلہ ہے جو آپ کی اسلامی دعوت کے ان نتائج کی نمائندگی کرتا ہے جنہیں آپ نے تقریباً ۲۳ سال کی طویل جدوجہد، مشکلات و مشقت، ہنگاموں اور فتنوں، فسادات اور جنگوں اور خونریز معرکوں کے بعد حاصل کیا تھا۔

ان طویل برسوں میں فتح مکہ سب سے اہم ترین کامیابی تھی جو مسلمانوں نے حاصل کی۔ اس کی وجہ سے حالات کا دھارا بدل گیا اور عرب کی فضا میں تغیر آگیا۔ یہ فتح درحقیقت اپنے ماقبل اور مابعد کے دونوں مابین کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چونکہ قریش اہل عرب کی نظر میں دین کے محافظ اور انصار تھے اور پورا عرب اس بارے میں انکے تابع تھا اس لیے قریش کی پیراندازی کے معنی یہ تھے کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستانہ دین کا کام تمام ہو گیا۔
یہ آخری مرحلہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔

۱۔ مجاہدہ اور قتال۔

۲۔ قبول اسلام کے لیے قوموں اور قبیلوں کی دوڑ۔

یہ دونوں صورتیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں اور اس مرحلے میں آگے پیچھے بھی اور ایک دوسرے کے دوران بھی پیش آتی رہی ہیں۔ البتہ ہم نے کتابی ترتیب یہ اختیار کی ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ ذکر کریں۔ چونکہ پچھلے صفحات میں معرکہ جنگ کا تذکرہ چل رہا تھا اور اگلی جنگ اسی کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے یہاں جنگوں ہی کا ذکر پہلے کیا جا رہا ہے۔

غزوہ حنین

مکہ کی فتح ایک اچانک ضرب کے بعد حاصل ہوئی تھی جس پر عرب ششدر تھے اور ہمسایہ قبائل میں اتنی سکت نہ تھی کہ اس ناگہانی امر واقعہ کو دفع کر سکیں۔ اس لیے بعض اڑیل، طاقتور اور متکبر قبائل کو چھوڑ کر بقیہ سارے قبیلوں نے سپر ڈال دی تھی۔ اڑیل قبیلوں میں ہوازن اور ثقیف سرفہرست تھے۔ ان کے ساتھ مُضَرَ، جُثْم اور سعد بن بکر کے قبائل اور بنو ہلال کے کچھ لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ ان سب قبیلوں کا تعلق قیس عیلان سے تھا۔ انہیں یہ بات اپنی خودی اور عزت نفس کے خلاف معلوم ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کے سامنے سپر انداز ہو جائیں۔ اس لیے ان قبائل نے مالک بن عوف نصری کے پاس جمع ہو کر طے کیا کہ مسلمانوں پر یلغار کی جائے۔

دشمن کی روانگی اور اوطاس میں پڑاؤ | اس فیصلے کے بعد مسلمانوں سے جنگ کے لئے ان کی روانگی عمل میں آئی تو جنرل کمانڈر — مالک بن

عوف — لوگوں کے ساتھ ان کے مال مویشی اور بال بچے بھی کھینچ لایا اور آگے بڑھ کر وادی اوطاس میں خیمہ زن ہوا۔ یہ حنین کے قریب بنو ہوازن کے علاقے میں ایک وادی ہے، لیکن یہ وادی حنین سے علیحدہ ہے۔ حنین ایک دوسری وادی ہے جو ذوالمجاز کے بازو میں واقع ہے۔ وہاں سے عرفات ہوتے ہوئے مکے کا فاصلہ دس میل سے زیادہ ہے۔

ماہر جنگ کی زبانی سپہ سالار کی تغلیط | اوطاس میں اُترنے کے بعد لوگ کمانڈر کے پاس جمع ہوئے۔ ان میں دُرَید بن صُمَہ بھی تھا — یہ

بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور اب اپنی جنگی واقفیت اور مشورہ کے سوا کچھ کرنے کے لائق نہ تھا۔ لیکن وہ اصلاً بڑا بہادر اور ماہر جنگجو رہ چکا تھا — اس نے دریافت کیا، تم لوگ کس وادی میں ہو؟ جواب دیا، اوطاس میں۔ اس نے کہا، یہ سواروں کی بہترین جولان گاہ ہے؛ نہ پتھر ملی اور کھائی دار ہے نہ بھربھری نشیب۔ لیکن کیا بات ہے کہ میں اونٹوں کی بلبلاہٹ، گدھوں کی ڈھینچ، بچوں کا گریہ اور بکریوں کی میاہٹ سن رہا ہوں؟ لوگوں نے کہا، مالک بن عوف، فوج کے ساتھ ان کی عورتیں، بچے اور مال مویشی بھی کھینچ لایا ہے اس

پر دُرُید نے مالک کو بلایا اور پوچھا "تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اس نے کہا " میں نے سوچا کہ ہر آدمی کے پیچھے اس کے اہل اور مال کو لگا دوں، تاکہ وہ ان کی حفاظت کے جذبے کے ساتھ جنگ کرے۔ دُرُید نے کہا: "واللہ! تم نیسے بھیڑیوں کے چرواہے ہو۔ بھلا شکست کھانے والے کو بھی کوئی چیز روک سکتی ہے؟ دیکھو اگر جنگ میں تم غالب رہتے ہو تو بھی تمہارے لیے شمشیر و سناں سے مسلح آدمی ہی مفید ہے۔ اور اگر شکست کھا گئے تو پھر تمہیں اپنے اہل اور مال کے سلسلے میں رُسا ہونا پڑے گا۔" پھر دُرُید نے بعض قبائل اور سرداروں کے متعلق سوال کیا اور اس کے بعد کہا: "اے مالک تم نے بنو ہوازن کی عورتوں اور بچوں کو سواروں کے مد مقابل لا کر کوئی صحیح کام نہیں کیا ہے۔ انہیں ان کے علاقے کے محفوظ مقامات اور ان کی قوم کی بالائی جگہوں میں بھیج دو۔ اس کے بعد گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر بد دینوں سے ٹکر لو۔ اگر تم نے فتح حاصل کی تو پیچھے والے تم سے آن ملیں گے اور اگر تمہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا تو تمہارے اہل و عیال اور مال مویشی بہر حال محفوظ رہیں گے۔"

لیکن جنرل کمانڈر، مالک نے یہ مشورہ مسترد کر دیا اور کہا: "خدا کی قسم میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تم بوڑھے ہو چکے ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو چکی ہے۔ واللہ! تو ہوازن میری اطاعت کریں یا میں اس تلوار پر ٹیک لگا دوں گا اور یہ میری پیٹھ کے آر پار نکل جاتے گی۔" درحقیقت مالک کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اس جنگ میں درید کا بھی نام یا مشورہ شامل ہو۔ ہوازن نے کہا "ہم نے تمہاری اطاعت کی۔ اس پر درید نے کہا: "یہ ایسی جنگ ہے جس میں میں نہ (صحیح طور پر) شریک ہوں اور نہ (بالکل) الگ ہوں۔"

يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعُ أَخْبَ فِيهَا وَاضِعُ

اَقُوْدُ وَطَفَاءُ الدَّمْعِ كَأَنهَا شَاةُ صَدْعِ

"کاش میں اس میں جوان ہوتا۔ تگ و تازا اور بھاگ دوڑ کرتا۔ ٹانگے لمبے بالوں والے اور میانہ قسم کی بکری جیسے گھوڑے کی قیادت کرتا۔"

اس کے بعد مالک کے وہ جاسوس آئے جو مسلمانوں کے حالات کا پتا لگانے پر مامور کئے گئے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ ان کا جوڑ جوڑ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔

دشمن کے جاسوس

مالک نے کہا: تمہاری تباہی ہو تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم نے کچھ چنگبرے گھوڑوں پر سفید انسان دیکھے، اور اتنے میں واللہ ہماری وہ حالت ہو گئی جسے تم دیکھ رہے ہو۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو بھی دشمن کی روانگی کی خبریں مل چکی تھیں، چنانچہ آپ نے ابوذرؓ کو بھی دشمن کی روانگی کی خبریں

رسول اللہ ﷺ کے جاسوس

کو یہ حکم دے کر روانہ فرمایا کہ لوگوں کے درمیان گھس کر قیام کریں اور ان کے حالات کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگا کر واپس آئیں اور آپ کو اطلاع دیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

رسول اللہ ﷺ مکہ سے حنین کی طرف
سینچر ۶ شوال ۶۱۰ء کو رسول اللہ ﷺ نے
مکہ سے کوچ فرمایا۔ آج آپ کو مکہ میں آئے ہوئے

انیسواں دن تھا۔ بارہ ہزار کی فوج آپ کے ہمراہ تھی۔ دس ہزار وہ جو فتح مکہ کے لیے آپ کے ہمراہ تشریف لائی تھی اور دو ہزار باشندگان مکہ سے، جن میں اکثریت نو مسلموں کی تھی۔ نبی ﷺ نے صفوان بن امیہ سے سوزید ہیں مع آلات و اوزار ادھار لیں اور عثاب بن اریضہ رضی اللہ عنہ کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا۔

دوپہر بعد ایک سوار نے آکر بتایا کہ میں نے فلاں اور فلاں پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بنو ہوازن سب کے سب ہی آگئے ہیں۔ ان کی عورتیں، چوپائے اور بکریاں سب ساتھ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا: یہ سب ان شاء اللہ کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔ رات آئی تو حضرت انس بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے رضا کارانہ طور پر سنتری کے فرائض انجام دیئے۔

حنین جاتے ہوئے لوگوں نے بیر کا ایک بڑا سا ہر اور سخت دیکھا جس کو ذات انواط کہا جاتا تھا۔ (مشرکہن) عرب اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، اس کے پاس جانور ذبح کرتے تھے اور وہاں درگاہ اور میلہ لگاتے تھے۔ بعض فوجیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، آپ ہمارے لیے بھی ذات انواط بنا دیجئے جیسے ان کے لیے ذات انواط ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ اکبر اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، تم نے ویسی ہی بات کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی کہ اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ (ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیجئے جس طرح ان کے لیے معبود ہیں) یہ طور طریقے ہیں۔ تم لوگ بھی یقیناً پہلوں کے طور طریقوں پر سوار ہو گے؟

(اثنا راہ میں) بعض لوگوں نے لشکر کی کثرت کے پیش نظر کہا تھا کہ ہم آج ہرگز مغلوب نہیں ہو سکتے اور یہ بات رسول اللہ ﷺ پر گراں گزری تھی۔

اسلامی لشکر پر تیر اندازوں کا اچانک حملہ
اسلامی لشکر مشکل اور بدھ کی درمیانی رات
۱۰ شوال کو حنین پہنچا لیکن مالک بن عوف

یہاں پہلے ہی پہنچ کر اور اپنا لشکر رات کی تاریکی میں اس وادی کے اندر اُتار کر اسے راستوں، گذرگاہوں گھاٹیوں، پوشیدہ جگہوں اور دروں میں پھیلادیا اور چھپا چکا تھا اور اسے یہ حکم دے چکا تھا کہ مسلمان جو نہی نمودار ہوں انہیں تیروں سے چھلنی کر دینا، پھر ان پر یک دم اکٹھے ٹوٹ پڑنا۔

ادھر سحر کے وقت رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب و تنظیم فرمائی اور پرچم باندھ باندھ کر لوگوں میں تقسیم کئے پھر صبح کے جھپٹے میں مسلمانوں نے آگے بڑھ کر وادی حنین میں قدم رکھا۔ وہ دشمن کے وجود سے قطعی بے خبر تھے۔ انہیں مطلق علم نہ تھا کہ اس وادی کے تنگ دروں کے اندر ثقیف و ہوازن کے جیلے ان کی گھات میں بیٹھے ہیں، اس لیے وہ بے خبری کے عالم میں پورے اطمینان کے ساتھ اُتر رہے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ پھر فوراً ہی ان پر دشمن کے پڑے کے پڑے یک دم اکٹھے ٹوٹ پڑے۔ اس اچانک حملے سے مسلمان سنبھل نہ سکے اور ان میں ایسی بھگدڑ مچی کہ کوئی کسی کی طرف دیکھ نہ رہا تھا، بالکل فاش شکست تھی، یہاں تک کہ ابوسفیان بن حرب نے — جو ابھی نیا نیا مسلمان تھا — کہا، اب ان کی بھگدڑ سمندر سے پہلے نہ رُکے گی۔ اور جبلہ یا کلدہ بن جنید نے چیخ کر کہا، دیکھو آج جادو باطل ہو گیا۔

یہ ابن اسحاق کا بیان ہے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان جو صحیح بخاری میں مروی ہے اس سے مختلف ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ہوازن تیر انداز تھے۔ ہم نے حملہ کیا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد ہم غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو تیروں سے ہمارا استقبال کیا گیا۔

اور حضرت انس کا بیان جو صحیح مسلم میں مروی ہے وہ بظاہر اس سے بھی قدسے مختلف ہے مگر بڑی حد تک اس کا موید ہے۔ حضرت انس کا ارشاد ہے کہ ہم نے مکہ فتح کیا۔ پھر حنین پر چڑھائی کی۔ مشرکین اتنی عمدہ صفیں بنا کر آئے جو میں نے کبھی نہیں دیکھیں۔ سواروں کی صف، پھر پیادوں کی صف، پھر ان کے پیچھے عورتیں، پھر بھیڑ بکریاں، پھر دوسرے چوپائے۔ ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ ہمارے سواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید تھے، مگر ہمارے سوار دشمن کی تیر اندازی کی وجہ سے ہمارے پیچھے پناہ گیر ہونے لگے اور ذرا سی دیر میں ہمارے سوار بھاگ کھڑے ہوئے۔ اعراب بھی بھاگے اور وہ لوگ بھی جنہیں تم جانتے ہو۔

بہر حال جب بھگدڑ مچی تو رسول اللہ ﷺ نے دائیں طرف ہو کر پکارا: لوگو! میری طرف آؤ میں

عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں۔ اس وقت اس جگہ آپ کے ساتھ چند مہاجرین اور اہل خاندان کے سوا کوئی نہ تھا۔ ان نازک ترین لمحات میں رسول اللہ ﷺ کی بے نظیر شجاعت کا ظہور ہوا، یعنی اس شدید بھگڑ کے باوجود آپ کا رخ کفار کی طرف تھا اور آپ پیش قدمی کیلئے اپنے خنجر کو ایڑ لگا رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

”میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔“

لیکن اس وقت ابوسفیان بن عمارت نے آپ کے خنجر کی لگام پکڑ رکھی تھی اور حضرت عباسؓ نے رکاب تھام لی تھی۔ دونوں خنجر کو روک رہے تھے کہ کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو — جن کی آواز خاصی بلند تھی — حکم دیا کہ صحابہ کرام کو پکاریں۔ حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے نہایت بلند آواز سے پکارا و درخت والو....! (بیعت رضوان والو....!) کہاں ہو؟ واللہ وہ لوگ میری آواز سن کر اس طرح مڑے جیسے گائے اپنے بچوں پر مڑتی ہے اور جواباً کہا، ہاں ہاں آئے آئے۔ حالت یہ تھی کہ آدمی اپنے اونٹ کو موڑنے کی کوشش کرتا اور نہ موڑ پاتا تو اپنی زرہ اس کی گردن میں ڈال پھینکتا اور اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال کر اونٹ سے کود جاتا اور اونٹ کو چھوڑ چھاڑ کر آواز کی جانب دوڑتا۔ اس طرح جب آپ کے پاس سوا آدمی جمع ہو گئے تو انہوں نے دشمن کا استقبال کیا اور لڑائی شروع کر دی۔

اس کے بعد انصار کی پکار شروع ہوئی۔ او.... انصاریو! او.... انصاریو! پھر یہ پکار بنو عمارت بن خزرج کے اندر محدود ہو گئی۔ ادھر مسلمان دستوں نے جس رفتار سے میدان چھوڑا تھا اسی رفتار سے ایک کے پیچھے ایک آتے چلے گئے اور دیکھتے دیکھتے فریقین میں دھواں دھار جنگ شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے میدان جنگ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو گھسان کارن پڑ رہا تھا۔ فرمایا: ”اب چولھا گرم ہو گیا ہے“ پھر آپ نے زمین سے ایک مٹھی مٹی لے کر دشمن کی طرف پھینکتے ہوئے منہ مایا، ”شَاهَتِ الْوُجُوهُ“ چہرے بگڑ جائیں“ یہ مٹھی بھر مٹی اس طرح پھیلی کہ دشمن کا کوئی آدمی ایسا نہ تھا جس کی

۱۵ ابن اسحاق کے بقول ان کی تعداد نو یا دس تھی۔ نودی کا ارشاد ہے کہ آپ کے ساتھ بارہ آدمی ثابت قدم رہے۔ امام احمد اور حاکم نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ میں حنین کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے مگر آپ کے ساتھ اسی مہاجرین و انصار ثابت قدم رہے۔ ہم اپنے قدموں پر (پیل) تھے اور ہم نے پیٹھ نہیں پھیری۔ ترمذی نے بہ سند حسن، ابن عمر کی حدیث روایت کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے لوگوں کو حنین کے روز دیکھا کہ انہوں نے پیٹھ پھیر لی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سوا آدمی بھی نہیں۔

آنکھ اس سے بھرنے لگی ہو۔ اس کے بعد ان کی قوت ٹوٹتی چلی گئی اور ان کا کام زوال پذیر ہوتا چلا گیا
دشمن کی شکستِ فاش | مٹی پھینکنے کے بعد چند ہی ساعتیں گزری تھیں کہ دشمن کو فاش
 شکست ہو گئی۔ ثقیف کے تقریباً ستر آدمی قتل کئے گئے اور ان
 کے پاس جو کچھ مال، ہتھیار، عورتیں اور بچے تھے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

یہی وہ تغیر ہے جس کی طرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے :

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ
 بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمُ مُدْبِرِينَ ○ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ
 وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ○ (۲۶/۲۵:۹)
 ”اور (اللہ نے) حنین کے دن (تمہاری مدد کی) جب تمہیں تمہاری کثرت نے غرور میں ڈال دیا تھا۔
 پس وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین کشادگی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم لوگ پیٹھ پھیر کر
 بھاگے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسا لشکر نازل کیا جسے
 تم نے نہیں دیکھا، اور کفر کرنے والوں کو سزا دی اور یہی کافروں کا بدلہ ہے۔“

تعاقب | شکست کھانے کے بعد دشمن کے ایک گروہ نے طائف کا رخ کیا، ایک نخلہ کی طرف
 بھاگا اور ایک نے اوطاس کی راہ لی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ
 کی سرکردگی میں تعاقب کرنے والوں کی ایک جماعت اوطاس کی طرف روانہ کی۔ فریقین میں تھوڑی سی
 جھڑپ ہوئی اس کے بعد مشرکین بھاگ کھڑے ہوئے۔ البتہ اسی جھڑپ میں اس دستے کے کمانڈر ابو عامر
 اشعری رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

مسلمان شہسواروں کی ایک دوسری جماعت نے نخلہ کی طرف پسپا ہونے والے مشرکین کا تعاقب
 کیا اور دُرید بن صمہ کو جا پکڑا جسے ربیعہ بن رافع نے قتل کر دیا۔

شکست خوردہ مشرکین کے تیسرے اور سب سے بڑے گروہ کے تعاقب میں جس نے طائف کی
 راہ لی تھی، خود رسول اللہ ﷺ مال غنیمت جمع فرمانے کے بعد روانہ ہوئے۔

غنیمت | مال غنیمت یہ تھا: قیدی چھ ہزار، اونٹ چوبیس ہزار، بکری چالیس ہزار سے زیادہ،
 چاندی چار ہزار اوقیہ (یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم جس کی مقدار چھ کونسل سے چند
 ہی کیلو کم ہوتی ہے) رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ پھر اسے جبرائیل میں روک کر حضرت
 مسعود بن عمرو غفاریؓ کی نگرانی میں دے دیا اور جب تک غزوہ طائف سے فارغ نہ ہو گئے اسے تقسیم نہ فرمایا۔

قیدیوں میں شہداء بنت حارث سعدیہ بھی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھیں۔ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اور انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو انہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک علامت کے ذریعہ پہچان لیا۔ پھر ان کی بڑی قدر و عزت کی۔ اپنی چادر بچھا کر بٹھایا اور احسان فرماتے ہوئے انہیں ان کی قوم میں واپس کر دیا۔

غزوہ طائف

یہ غزوہ درحقیقت غزوہ حنین کا پھیلاؤ ہے۔ چونکہ ہوازن و ثقیف کے بیشتر شکست خوردہ افراد اپنے جنرل کانڈر مالک بن عوف نصری کے ساتھ بھاگ کر طائف ہی آئے تھے اور یہیں قلعہ بند ہو گئے تھے لہذا رسول اللہ ﷺ نے حنین سے فارغ ہو کر اور حمرانہ میں مال غنیمت جمع فرما کر اسی ماہ شوال ۶ھ میں طائف کا قصد فرمایا۔

اس مقصد کے لیے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک ہزار فوج کا ہر اول دستہ روانہ کیا گیا؛ پھر آپ نے خود طائف کا رخ فرمایا۔ راستہ میں نخلہ، یمانیہ، پھر قرن منازل پھر لیہ سے گزر ہوا۔ لیہ میں مالک بن عوف کا ایک قلعہ تھا۔ آپ نے اسے منہدم کر دیا۔ پھر سفر جاری رکھتے ہوئے طائف پہنچے اور قلعہ طائف کے قریب خیمہ زن ہو کر اس کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ نے قدرے طول پکڑا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ یہ چالیس دن تک جاری رہا۔ اہل سیر میں سے بعض نے اس کی مدت بیس دن بتائی ہے، بعض نے دس دن سے زیادہ بعض نے اٹھارہ دن اور بعض نے پندرہ دن۔

دوران محاصرہ دونوں طرف سے تیر اندازی اور پتھر بازی کے واقعات بھی پیش آتے رہے، بلکہ پہلے پہل جب مسلمانوں نے محاصرہ کیا تو قلعہ کے اندر سے ان پر اس شدت سے تیر اندازی کی گئی کہ معلوم ہوتا تھا ٹنڈی دل چھایا ہوا ہے۔ اس سے متعدد مسلمان زخمی ہوئے، بارہ شہید ہوئے اور انہیں اپنا کیمپ اٹھا کر موجودہ مسجد طائف کے پاس لے جانا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے اہل طائف پر منجنیق نصب کی اور متعدد گولے پھینکے جس سے قلعہ کی دیوار میں شگاف پڑ گیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت دبابہ کے اندر گھس

کر آگ لگانے کے لیے دیوار تک پہنچ گئی۔ لیکن دشمن نے ان پر لوہے کے جلتے ٹکڑے پھینکے جس سے مجبور ہو کر مسلمان دبابہ کے نیچے سے باہر نکل آئے۔ مگر باہر نکلے تو دشمن نے ان پر تیروں کی بارش کر دی جس سے بعض مسلمان شہید ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے دشمن کو زیر کرنے کے لیے ایک اور جنگی حکمت عملی کے طور پر حکم دیا کہ انگوڑ کے درخت کاٹ کر جلادیں جائیں۔ مسلمانوں نے ذرا بڑھ چڑھ کر ہی کٹائی کر دی۔ اس پر ثقیف اللہ اور قربت کا واسطہ دے کر گزارش کی کہ درختوں کو کاٹنا بند کر دیں۔ آپ نے اللہ کے واسطے اور قربت کی خاطر ہاتھ روک لیا۔ دورانِ محاصرہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا: جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آ جائے وہ آزاد ہے۔ اس اعلان پر تنیس آدمی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں میں آ شامل ہوئے۔ انہیں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر ایک چرخی یا گماری کی مدد سے (جس کے ذریعہ رہٹ سے پانی کھینچا جاتا ہے) ٹھک کر نیچے آئے تھے۔ (چونکہ گماری کو عربی میں بکرہ کہتے ہیں) اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی کنیت ابوبکر رکھ دی۔ ان سب غلاموں کو رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر دیا اور ہر ایک کو ایک ایک مسلمان کے حوالے کر دیا کہ اسے سامان بہم پہنچائے۔ یہ حادثہ قلعہ والوں کے لیے بڑا جانکاح تھا۔

جب محاصرہ طول پکڑ گیا اور قلعہ قابو میں آنا نظر نہ آیا اور مسلمانوں پر تیروں کی بارش اور گرم لوہوں کی زد پڑی اور ادھر اہل قلعہ نے سال بھر کا سامانِ خور و نوش بھی جمع کر لیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے نوفل بن معادیہ دہلی سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے کہا: "لو مڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر آپ اس پر ڈٹے رہے تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ کر چلے گئے تو وہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ ختم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ لوگوں میں اعلان کروا دیا کہ ہم ان شاء اللہ کل واپس ہوں گے۔ لیکن یہ اعلان صحابہ کرام پر گراں گزرا۔ وہ کہنے لگے: ہو نہ طائف فتح کیے بغیر واپس ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو کل صبح لڑائی پر چلنا ہے چنانچہ دوسرے دن لوگ لڑائی پر گئے لیکن چوٹ کھانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا تو اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا کہ ہم ان شاء اللہ کل واپس ہوں گے۔ اس پر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے بے چوں و چہرا رخت سفر باندھنا شروع کر دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مسکراتے رہے۔

اس کے بعد جب لوگوں نے ڈیرہ ڈنڈا اٹھا کر کوچ کیا تو آپ نے فرمایا کہ یوں کہو،

اِثْبُوْنَ، تَاثِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ

”ہم پلٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت گزار ہیں، اور اپنے رب کی حمد کرتے ہیں۔“

کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ثقیف پر بددعا کریں۔ آپ نے فرمایا: ”اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں لے آ۔“

رسول اللہ ﷺ طائف سے محاصرہ ختم کر کے واپس آئے تو جعرانہ میں کئی روز مال غنیمت تقسیم کیے بغیر

ٹھہرے رہے۔ اس تاخیر کا مقصد یہ تھا کہ ہوازن کا وفد تائب ہو کر آپ کی خدمت میں آجائے اور اس نے جو کچھ کھویا ہے سب لے جائے۔ لیکن تاخیر کے باوجود جب آپ کے پاس کوئی نہ آیا تو آپ نے مال کی تقسیم شروع کر دی تاکہ قبائل کے سردار اور مکہ کے اشراف جو بڑی حرص سے جھانک رہے تھے ان کی زبان خاموش ہو جائے۔ مولفۃ القلوبؒ کی قسمت نے سب سے پہلے یادری کی اور انہیں بڑے بڑے حصے دیئے گئے۔

ابوسفیان بن حرب کو چالیس اوقیہ (کچھ کم چھ کیلو چاندی) اور ایک سوانٹ عطا کئے گئے۔ اس نے کہا، میرا بیٹا یزید؟ آپ نے اتنا ہی یزید کو بھی دیا۔ اس نے کہا، اور میرا بیٹا معاویہ؟ آپ نے اتنا ہی معاویہ کو بھی دیا۔ (یعنی تنہا ابوسفیان کو اس کے بیٹوں سمیت تقریباً ۸ کیلو چاندی اور تین سوانٹ حاصل ہو گئے) حکیم بن حزام کو ایک سوانٹ دیے گئے۔ اس نے مزید سوانٹوں کا سوال کیا تو اس نے پھر ایک سو اونٹ دیے گئے۔ اسی طرح صفوان بن امیہ کو سو اونٹ، پھر سوانٹ اور پھر سوانٹ (یعنی تین سو اونٹ) دیے گئے۔

حارث بن کلدہ کو بھی سوانٹ دیے گئے اور کچھ مزید قرشی وغیر قرشی رسوا کو سو سوانٹ دیے گئے۔ کچھ دوسروں کو پچاس پچاس اور چالیس چالیس اونٹ دیے گئے یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ محمد ﷺ اس طرح بے دریغ عطیہ دیتے ہیں کہ انہیں فقر کا اندیشہ ہی نہیں۔ چنانچہ مال کی طلب میں بدو آپ پر ٹوٹ پڑے اور آپ کو ایک درخت کی جانب سمٹنے پر مجبور کر دیا۔ اتفاق سے آپ کی چادر درخت میں پھنس کر رہ گئی۔ آپ نے فرمایا: ”لوگو! میری چادر دے دو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد میں بھی چوپائے ہوں تو انہیں بھی تم پر تقسیم کر دوں گا۔ پھر تم

۱۔ وہ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہوں اور ان کا دل جوڑنے کے لیے انہیں مالی مدد دی جائے تاکہ وہ سلام

پر مضبوطی سے جم جائیں۔ ۲۔ الشفاء بتعريف حقوق المصطفى قاضی عیاض ۸۶/۱

مجھے نہ بخیل پاؤ گے، نہ بزدل، نہ جھوٹا۔“

اس کے بعد آپ نے اپنے اونٹ کے بازو میں کھڑے ہو کر اس کی کوبان سے کچھ بال لیے اور چٹکی میں رکھ کر بلند کرتے ہوئے فرمایا: ”لوگو! واللہ میرے لیے تمہارے مال نے میں سے کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اتنا بال بھی نہیں۔ صرف خمس ہے اور خمس بھی تم پر ہی پٹا دیا جاتا ہے۔“

مؤلفۃ القلوب کو دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مالِ غنیمت اور فوج کو یکجا کر کے لوگوں پر غنیمت کی تقسیم کا حساب لگائیں۔ انہوں نے ایسا کیا تو ایک ایک فوجی کے حصے میں چار چار اونٹ اور چالیس چالیس بکریاں آئیں۔ جو شہسوار تھا اسے بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں۔

یہ تقسیم ایک حکیمانہ سیاست پر مبنی تھی کیونکہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنی عقل کے راستے سے نہیں بلکہ پیٹ کے راستے سے حق پر لائے جاتے ہیں۔ یعنی جس طرح جانوروں کو ایک مٹھی ہری گھاس دکھلا دیجئے اور وہ اس کی طرف بڑھتے پکے اپنے محفوظ ٹھکانے تک جا پہنچتے ہیں اسی طرح مذکورہ قسم کے انسانوں کے لیے بھی مختلف ڈھنگ کے اسبابِ شش کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ ایمان سے مانوس ہو کر اس کے لیے پُر جوش بن جائیں۔

انصار کا حزن و اضطراب | یہ سیاست پہلے پہل بھی نہ جاسکی اسی لیے کچھ زبانوں پر حرفِ اعتراض آگیا۔ انصار پر خصوصاً اس سیاست کی زد پڑی تھی۔ کیونکہ وہ سب کے سب حنین کے ان عطایہ سے بالکل محروم رکھے گئے۔ حالانکہ مشکل کے وقت انہیں کوپکارا گیا تھا اور وہی اڑ کر آئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر اس طرح جنگ کی تھی کہ فاش شکست شاندار فتح میں تبدیل ہو گئی تھی لیکن اب وہ دیکھ رہے تھے کہ بھاگنے والوں کے ہاتھ پر ہیں اور وہ خود محروم و تہی دست۔

ابن اسحاق نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش اور قبائل عرب کو وہ عطیے دیے اور انصار کو کچھ نہ دیا تو انصار نے جی ہی جی میں چیخ و تاب کھایا اور ان میں بہت چہ میگوئی ہوئی یہاں تک کہ ایک کہنے والے نے کہا: خدا کی قسم رسول اللہ اپنی قوم سے جا ملے ہیں۔ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ!

آپؐ نے اس حاصل شدہ مال نے میں جو کچھ کیلئے اس پر انصار اپنے جی ہی جی میں آپؐ پر بیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ آپؐ نے اسے اپنی قوم میں تقسیم فرمایا، قبائل عرب کو بڑے بڑے عطیے دیے لیکن انصار کو کچھ نہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا: ”اے سعد! اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ! میں بھی تو اپنی قوم ہی کا ایک آدمی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ”اچھا تو اپنی قوم کو اس چھو لداری میں جمع کر دے۔“ انہوں نے نکل کر انصار کو اس چھو لداری میں جمع کیا۔ کچھ مہاجرین بھی آگئے تو انہیں داخل ہونے دیا۔ پھر کچھ دوسرے لوگ بھی آگئے تو انہیں واپس کر دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت سعدؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قبیلہ انصار آپؐ کے لیے جمع ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا:

”انصار کے لوگو! تمہاری یہ کیا چیز میگوئی ہے جو میرے علم میں آئی ہے! اور یہ کیا ناراضگی ہے جو جی ہی جی میں تم نے مجھ پر محسوس کی ہے! کیا ایسا نہیں کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم گمراہ تھے، اللہ نے تمہیں ہدایت دی اور محتاج تھے، اللہ نے تمہیں غنی بنا دیا۔ اور باہم دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دل جوڑ دیے؟“ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! اللہ اور اس کے رسول کا بڑا فضل و کرم ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ”انصار کے لوگو! مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟“ انصار نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! بھلا ہم آپؐ کو کیا جواب دیں؟“ اللہ اور اس کے رسول کا فضل و کرم ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ”دیکھو! خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو۔ اور سچ ہی کہو گے اور تمہاری بات سچ ہی مانی جائے گی۔“ کہ آپؐ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپؐ کو جھٹلایا گیا تھا، ہم نے آپؐ کی تصدیق کی، آپؐ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا تھا، ہم نے آپؐ کی مدد کی، آپؐ کو دھتکار دیا گیا تھا، ہم نے آپؐ کو ٹھکانا دیا، آپؐ محتاج تھے، ہم نے آپؐ کی غمخواری و غمگساری کی؛

اے انصار کے لوگو! تم اپنے جی میں دُنیا کی اس عارضی دولت کے لیے ناراض ہو گئے جس کے ذریعہ میں نے لوگوں کا دل جوڑا تھا تا کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تم کو تمہارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا؟ اے انصار! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے ڈیروں میں پٹو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سارے لوگ ایک راہ چلیں اور انصار دوسری راہ چلیں تو میں بھی انصار ہی کی راہ چلوں گا۔

اے اللہ رحم فرما انصار پر اور ان کے بیٹوں پر اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں (پوتوں) پر۔“

رسول اللہ ﷺ کا یہ خطاب سن کر لوگ اس قدر روتے کہ ڈاڑھیاں تڑپ گئیں اور کہنے لگے: ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے اور نصیب میں رسول اللہ ﷺ ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس ہو گئے اور لوگ بھی بکھر گئے۔

وفد ہوازن کی آمد | غنیمت تقسیم ہو جانے کے بعد ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر آگیا۔ یہ کل چودہ آدمی تھے۔ ان کا سربراہ زہیر بن صرد تھا اور ان میں رسول اللہ ﷺ کا

رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا۔ وفد نے سوال کیا کہ آپ مہربانی کر کے قیدی اور مال واپس کر دیں۔ اور اس انداز کی بات کی کہ دل پیچ جائے۔ آپ نے فرمایا میرے ساتھ جو لوگ ہیں انہیں دیکھ ہی رہے ہو۔ اور مجھے سچ بات زیادہ پسند ہے اس لیے بتاؤ کہ تمہیں اپنے بال بچے زیادہ محبوب ہیں یا مال؟ انہوں نے کہا ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا تو جب میں ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم لوگ اٹھ کر کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو مومنین کی جانب سفارشی بناتے ہیں اور مومنین کو رسول اللہ کی جانب سفارشی بناتے ہیں کہ آپ ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔ اس کے بعد جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں نے یہی کہا۔ جواباً آپ نے فرمایا جہاں تک اس حصے کا تعلق ہے جو میرا ہے اور بنی عبدالمطلب کا ہے تو وہ تمہارے لیے ہے، اور میں ابھی لوگوں سے پوچھے لیتا ہوں۔ اس پر انصار اور مہاجرین نے اٹھ کر کہا، جو کچھ ہمارا ہے وہ سب بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ اس کے بعد اقرع بن حابس نے کہا، لیکن جو کچھ میرا اور بنو تمیم کا ہے وہ آپ کے لیے نہیں؛ اور عیینہ بن حصن نے کہا کہ جو کچھ میرا اور بنو فزارہ کا وہ بھی آپ کے لیے نہیں ہے؛ اور عباس بن مرداس نے کہا، جو کچھ میرا اور بنو سلیم کا ہے وہ بھی آپ کے لیے نہیں۔ اس پر بنو سلیم نے کہا، جی نہیں، جو کچھ ہمارا ہے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ عباس بن مرداس نے کہا: تم لوگوں نے میری توہین کر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دیکھو یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے ہیں (اور اسی غرض سے) میں نے ان

۱۴ ابن ہشام ۲/۴۹۹، ۵۰۰۔ ایسی ہی روایت صحیح بخاری میں بھی ہے۔ ۶۲۰/۲، ۶۲۱

۱۵ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ان میں انکے نواسر اہل تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ بیعت کی۔ اس کے بعد آپ سے گفتگو کی۔ اور عرض کی کہ لے لے اللہ کے رسول! آپ نے جنہیں قید فرمایا ہے، ان میں مائیں اور بہنیں ہیں۔ اور پھوپھیاں اور خالائیں ہیں۔ اور یہی قوم کے لیے رسوائی کا سبب ہوتی ہیں۔ (فتح الباری ۸/۳۳) واضح رہے کہ ماؤں وغیرہ سے مراد رسول اللہ ﷺ کی رضاعی مائیں، خالائیں، پھوپھیاں اور بہنیں ہیں۔ ان کے خطیب زہیر بن صرد تھے۔ ابو برقان کے ضبط میں اختلاف ہے۔ چنانچہ انہیں ابو مردان اور ابو ثردان بھی کہا گیا ہے۔

کے قیدیوں کی تقسیم میں تاخیر کی تھی۔ اور اب میں نے انہیں اختیار دیا تو انہوں نے بال بچوں کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھا لہذا جس کسی کے پاس کوئی قیدی ہو، اور وہ بخوشی واپس کر دے تو یہ بہت اچھی راہ ہے اور جو کوئی اپنے حق کو روکنا ہی چاہتا ہو تو وہ بھی ان کے قیدی تو انہیں واپس ہی کر دے۔ البتہ آئندہ جو سب سے پہلا مال نے حاصل ہوگا اس سے ہم اس شخص کو ایک کے بدلے چھ دیں گے۔ لوگوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے بخوشی دینے کو تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا ہم جان نہ سکے کہ آپ میں سے کون راضی ہے اور کون نہیں؛ لہذا آپ لوگ واپس جائیں اور آپ کے چودھری حضرات آپ کے معاملے کو ہمارے سامنے پیش کریں۔ اس کے بعد سارے لوگوں نے ان کے بال بچے واپس کر دیے۔ صرف عیینہ بن حصن رہ گیا جس کے حصے میں ایک بڑھیا آئی تھی۔ اس نے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن آخر میں اس نے بھی واپس کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سارے قیدیوں کو ایک ایک قبلی چادر عطا فرما کر واپس کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر ہجرانہ ہی سے عمرہ اور مدینہ کو واپسی | مکہ کا والی بنا کر مدینہ روانہ ہو گئے۔ مدینہ واپسی ۲۴ ذیقعدہ ۳ھ کو ہوئی۔

محمد غزالی کہتے ہیں: ان فاتحانہ اوقات میں جبکہ اللہ نے آپ کے سر پر فتح مبین کا تاج رکھا اور اس وقت میں جبکہ آپ اسی شہر عظیم میں آٹھ سال پہلے تشریف لائے تھے کتنا لمبا چوڑا فاصلہ ہے۔ آپ یہاں اس حالت میں آئے تھے کہ آپ کو کھڑ دیا گیا تھا اور آپ امان کے طالب تھے۔ اجنبی اور وحشت زدہ تھے اور آپ کو انس و الفت کی تلاش تھی۔ وہاں کے باشندوں نے آپ کی خوب متدرو منزلت کی، آپ کو جگہ دی، اور آپ کی مدد کی، اور جو نور آپ کے ساتھ نازل کیا گیا تھا اس کی پیروی کی اور آپ کی خاطر ساری دنیا کی عداوت میچ سمجھی۔ اب وہی آپ ہیں کہ جس شہر نے ایک خوف زدہ مہاجر کی حیثیت سے آپ کا استقبال کیا تھا آج آٹھ سال بعد وہی شہر آپ کا اس حیثیت سے استقبال کر رہا ہے کہ مکہ آپ کے زیر نگین ہے اور اس نے اپنی کبریائی اور جاہلیت کو آپ کے پیروں تلے ڈال دیا ہے اور آپ اس کی پچھلی خطا معاف کر کے اسے اسلام کے ذریعے سرفرازی بخش رہے ہیں۔

إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ○ (۹۰:۱۲)

یقیناً جو شخص استبازی اور صبر اختیار کرے تو بلاشبہ اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ۱۹

۱۹ فقہ السیرہ ص ۳۰۳، فتح مکہ اور غزوہ طائف کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو زاد المعاد ۲/۱۶۰ تا ۲۰۱،

ابن ہشام ۲/۳۸۹ تا ۵۰۱، صبح بخاری ۲/۶۱۲ تا ۶۲۲، فتح الباری ۸/۳ تا ۸۵

فتح مکہ کے بعد کے سرایا اور عمال کی فہرست

اس طویل اور کامیاب سفر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں قدرے طویل قیام فرمایا۔ اس دوران آپ وفود کا استقبال فرماتے رہے، حکومت کے عمالی بھیجتے رہے، داعیانِ دین کو روانہ فرماتے رہے اور جنہیں اللہ کے دین میں داخلے اور عرب کے اندر اُبھرنے والی قوت کو تسلیم کرنے میں تکبر مانع تھا انہیں سرنگوں فرماتے رہے۔ ان امور کا مختصر سا خاکہ پیش خدمت ہے۔

گزشتہ مباحث سے معلوم ہو چکا ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ شہر کے اواخر میں تشریف لائے تھے۔ شہر کا ہلالِ محرم طلوع ہوتے ہی آپ نے

تحصیل دارانِ زکوٰۃ

قبائل کے پاس صدقات کی وصولی کے لیے عمال روانہ فرمائے جن کی فہرست یہ ہے :

وہ قبیلہ جس سے زکوٰۃ وصول کرنی تھی

عمال کے نام

- | | |
|----------------------|--|
| ۱۔ عیینہ بن حصن | بنو تمیم |
| ۲۔ یزید بن الحصین | اسلم اور غفار |
| ۳۔ عباد بن بشر اشہلی | سُلَیم اور مرزینہ |
| ۴۔ رافع بن کمیث | جہینہ |
| ۵۔ عمرو بن العاص | بنو فزارہ |
| ۶۔ ضحاک بن سفیان | بنو کلاب |
| ۷۔ بشر بن سفیان | بنو کعب |
| ۸۔ ابن اللثبیہ ازدی | بنو ذبیان |
| ۹۔ مہاجر بن ابی امیہ | شہر صنعاء (ان کی موجودگی میں ان کے خلاف اسود غسی نے صغار میں خروج کیا تھا) |
| ۱۰۔ زیاد بن لبید | علاقہ حضر موت |
| ۱۱۔ عدی بن حاتم | طی اور بنو اسد |
| ۱۲۔ مالک بن نویرہ | بنو خنظلہ |

بنو سعد (کی ایک شاخ)

۱۳۔ زبرقان بن بدر

بنو سعد (کی دوسری شاخ)

۱۴۔ قیس بن عاصم

علاقہ بحرین

۱۵۔ علاء بن الحضرمی

علاقہ نجران (زکوٰۃ اور جزیرہ دونوں وصول کرنے کے لیے)

۱۶۔ علی بن ابی طالب

واضح رہے کہ یہ سارے عمال محرم سہہ ہی میں روانہ نہیں کر دیے گئے تھے بلکہ بعض بعض کی روانگی خاصی تاخیر سے اس وقت عمل میں آئی تھی جب متعلقہ قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ البتہ اس اہتمام کے ساتھ ان عمال کی روانگی کی ابتداء محرم سہہ میں ہوئی تھی اور اسی سے صلح حدیبیہ کے بعد اسلامی دعوت کی کامیابی کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ باقی رہا فتح مکہ کے بعد کا دور تو اس میں تو لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے۔

جس طرح قبائل کی طرف زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عمال بھیجے گئے اسی طرح جزیرۃ العرب

سرایا

کے عام علاقوں میں امن و امان قائم ہو چکنے کے باوجود بعض مقامات پر متعدد فوجی مہمات

بھی بھیجی گئیں۔ فہرست یہ ہے :

عینہ کو پچاس سواروں کی کمان دے کر بنو تمیم کے پاس بھیجا گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ بنو تمیم نے قبائل کو

۱۔ سریرہ عینہ بن حصن فزاری (محرم سہہ)

بھڑکا کر جزیرہ کی ادائیگی سے روک دیا تھا۔ اس مہم میں کوئی مہاجر یا انصاری نہ تھا۔

عینہ بن حصن رات کو چلتے اور دن کو چھپتے ہوئے آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ صحرا میں بنو تمیم پر حملہ بول دیا۔ وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور ان کے گیارہ آدمی، اکیس عورتیں اور بیس بچے گرفتار ہوئے جنہیں مدینہ لا کر رطبہ بنت حارث کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔

پھر ان کے سلسلے میں بنو تمیم کے دس سردار آئے اور نبی ﷺ کے دروازے پر جا کر یوں آواز لگائی، اے محمد! ہمارے پاس آؤ۔ آپ باہر تشریف لائے تو یہ لوگ آپ سے چٹ کر باتیں کرنے لگے۔ پھر آپ ان کے ساتھ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے فخر و مباہات میں مقابلہ کی خواہش ظاہر کی اور اپنے خطیب عطار دبن حاجب کو پیش کیا۔ اس نے تقریر کی۔ رسول اللہ ﷺ نے خطیب اسلام حضرت ثابت بن قیس بن شماس کو حکم دیا، اور انہوں نے جوابی تقریر کی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے شاعر زبرقان بن بدر کو آگے بڑھایا اور اس نے کچھ فخریہ اشعار کہے۔ اس کا جواب

شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے دیا۔

جب دونوں خطیب اور دونوں شاعر فارغ ہو چکے تو اقرع بن حابس نے کہا: ان کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ پُر زور اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ پُر گو ہے۔ ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ اُونچی ہیں اور ان کی باتیں ہماری باتوں سے زیادہ بلند پایہ ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بہترین تحالف سے نوازا اور ان کی عورتیں اور بچے انہیں پس کر دیے۔

۲۔ سرِ تِیہ قطیبہ بن عامر (صفر ۹ھ) | یہ سرِ تِیہ تریہ کے قریب تبالہ کے علاقے میں قبیلہ خثعم کی ایک شاخ کی جانب روانہ کیا گیا۔ قطیبہ بیس آدمیوں کے درمیان

روانہ ہوئے۔ دس اونٹ تھے جن پر یہ لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے شیخون مارا جس پر سخت لڑائی بھڑک اُٹھی اور فریقین کے خاصے افراد زخمی ہوئے۔ قطیبہ کچھ دوسرے افراد سمیت مارے گئے تاہم مسلمان بھیڑ بکریوں اور بال بچوں کو مدینہ ہانک لاتے۔

۳۔ سرِ تِیہ ضحاک بن سفیان کلابی (ربیع الاول ۹ھ) | یہ سرِ تِیہ بنو کلاب کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے روانہ کیا گیا تھا لیکن

انہوں نے انکار کرتے ہوئے جنگ پھیر دی۔ مسلمانوں نے انہیں شکست دی اور ان کا ایک آدمی تہ تیغ کیا۔

۴۔ سرِ تِیہ علقمہ بن مجرزدی (ربیع الآخر ۹ھ) | انہیں تین سو آدمی کی کمان دے کر ساحل جدہ کی جانب روانہ کیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ کچھ حبشی

ساحل جدہ کے قریب جمع ہو گئے تھے اور وہ اہل مکہ کے خلاف ڈاکہ زنی کرنا چاہتے تھے۔ علقمہ نے سمندر میں اتر کر ایک جزیرہ تک پیش قدمی کی۔ حبشیوں کو مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

۵۔ سرِ تِیہ علی بن ابی طالب (ربیع الاول ۹ھ) | انہیں قبیلہ طی کے ایک بُت کو جس کا نام قلس (کلیسا) تھا۔ ڈھانے کیلئے

بھیجا گیا تھا۔ آپ کی سرکردگی میں ایک سو اونٹ اور سچاس گھوڑوں سمیت ڈیڑھ سو آدمی تھے۔ جھنڈیاں کالی اور پھر یہ اسفید تھا۔ مسلمانوں نے فجر کے وقت حاتم طائی کے محلہ پر چھاپہ مار کر قلس کو ڈھادیا اور قیدیوں، چوپایوں اور

۱۔ اہل مغازی کا بیان یہی ہے کہ یہ واقعہ محرم ۹ھ میں پیش آیا لیکن یہ بات یقینی طور پر عمل نظر ہے کیونکہ واقعہ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اقرع بن حابس اس سے پہلے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حالانکہ خود اہل سیر ہی کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنو ہوازن کے قیدیوں کو واپس کرنے کے لیے کہا تو اسی اقرع بن حابس نے کہا کہ میں اور بنو تمیم واپس نہ کریں گے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اقرع بن حابس اس محرم ۹ھ والے واقعہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ ۲۔ فتح الباری ۵۹/۸

بھیڑ بکریوں پر قبضہ کر لیا۔ انہیں قیدیوں میں حاتم طائی کی صاحبزادی بھی تھیں۔ البتہ حاتم کے صاحبزادے عدی ملک شام بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے قلس کے خزانے میں تین تلواریں اور تین زردیں پائیں اور راستے میں مال غنیمت تقسیم کر لیا۔ البتہ منتخب مال رسول اللہ ﷺ کے لیے علیحدہ کر دیا اور آل حاتم کو تقسیم نہیں کیا۔ مدینہ پہنچے تو حاتم کی صاحبزادی نے رسول اللہ ﷺ سے رحم کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! یہاں جو آسکتا تھا لاپتہ ہے۔ والد گزر چکے ہیں اور میں بڑھیا ہوں۔ خدمت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ آپ مجھ پر احسان کیجئے، اللہ آپ پر احسان کرے گا۔ آپ نے دریافت فرمایا، تمہارے لیے کون آسکتا تھا۔ بولیں، عدی بن حاتم۔ فرمایا، وہی جو اللہ اور رسول سے بھاگاہے۔ پھر آپ آگے بڑھ گئے۔ دوسرے دن اس نے پھر یہی بات دہرائی۔ اور آپ نے پھر وہی فرمایا جو کل فرمایا تھا۔ تیسرے دن پھر اس نے وہی بات کہی تو آپ نے احسان فرماتے ہوئے اسے آزاد کر دیا۔ اس وقت آپ کے بازو میں ایک صحابی تھے غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے کہا، آپ ﷺ سے سواری کا بھی سوال کرو۔ اس نے سواری کا سوال کیا۔ آپ نے سواری فراہم کرنے کا بھی حکم صادر فرمایا۔

حاتم کی صاحبزادی لوٹ کر اپنے بھائی عدی کے پاس ملک شام گئیں۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتلایا کہ آپ نے ایسا کارنامہ انجام دیا ہے کہ تمہارے باپ بھی ویسا نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے پاس رغبت یا خوف کے ساتھ جاؤ۔ چنانچہ عدی کسی امان یا تحریر کے بغیر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ انہیں اپنے گھر لے گئے اور جب وہ سامنے بیٹھے تو آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا: ”تم کس چیز سے بھاگ رہے ہو؟ کیا لا الہ الا اللہ کہنے سے بھاگ رہے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ کیا تمہیں اللہ کے سوا کسی اور معبود کا علم ہے؟“ انہوں نے کہا، نہیں۔ پھر آپ نے کچھ دیر گفتگو کی اس کے بعد فرمایا: ”اچھا تم اس سے بھاگتے ہو کہ اللہ اکبر کہا جائے تو کیا تم اللہ سے بڑی کوئی چیز جانتے ہو؟“ انہوں نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا: ”سنو! یہود پر اللہ کے غضب کی مار ہے اور نصاریٰ گمراہ ہیں۔“ انہوں نے کہا تو میں ایک رُخا مسلمان ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ فرط مسرت سے دمک اٹھا۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے انہیں ایک انصاری کے ہاں ٹھہرا دیا گیا اور وہ صبح و شام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

ابن اسحاق نے حضرت عدی سے یہ بھی روایت کی ہے کہ جب نبی ﷺ نے انہیں اپنے سامنے

اپنے گھر میں بٹھایا تو فرمایا، اور.....! عدی بن حاتم! کیا تم مذہباً رکوسی نہ تھے؟ عدی کہتے ہیں کہ میں نے کہا، کیوں نہیں! آپ نے فرمایا، کیا تم اپنی قوم میں مال غنیمت کا چوتھائی لینے پر عمل پیرا نہیں تھے؟ میں نے کہا، کیوں نہیں! آپ نے فرمایا، حالانکہ یہ تمہارے دین میں حلال نہیں۔ میں نے کہا، ہاں قسم بخدا۔ اور اسی سے میں نے جان لیا کہ واقعی آپ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں، کیونکہ آپ وہ بات جانتے ہیں جو جانی نہیں جاتی۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، اے عدی! اسلام لاؤ سلامت رہو گے میں نے کہا: میں تو خود ایک دین کا ماننے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا، میں تمہارا دین تم سے بہتر طور پر جانتا ہوں۔ میں نے کہا، آپ میرا دین مجھ سے بہتر طور پر جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! کیا ایسا نہیں کہ تم مذہباً رکوسی ہو، اور پھر بھی اپنی قوم کے مال غنیمت کا چوتھائی کھاتے ہو؟ میں نے کہا، کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے دین کی رو سے حلال نہیں۔ آپ کی اس بات پر مجھے سرنگوں ہو جانا پڑا۔

صحیح بخاری میں حضرت عدی سے مروی ہے کہ میں خدمت نبوی میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے آکر فاقہ کی شکایت کی، پھر دوسرے آدمی نے آکر رہزنی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا عدی: تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھ لو گے کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر آئے گی، خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔ اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ آدمی چلو بھر کر سونایا چاندی نکالے گا اور ایسے آدمی کو تلاش کرے گا جو اسے قبول کر لے تو کوئی اسے قبول کرنے والا نہ ملے گا۔

اسی روایت کے اخیر میں حضرت عدی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرتی ہے اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں۔ اور میں خود ان لوگوں میں تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کئے۔ اور اگر تم لوگوں کی زندگی دراز ہوئی تو تم لوگ وہ چیز بھی دیکھ لو گے جو نبی ابوالقاسم ﷺ نے فرمائی تھی کہ آدمی چلو بھر سونایا چاندی نکالے گا۔



غزوہ تبوک ۴

غزوہ فتح مکہ، حق و باطل کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اس معرکہ کے بعد اہل عرب کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی رسالت میں کوئی شک باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اسی لیے حالات کی رفتار کیسر بدل گئی اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئے۔ اس کا کچھ اندازہ ان تفصیلات سے لگ سکے گا جنہیں ہم دفود کے باب میں پیش کریں گے اور کچھ اندازہ اس تعداد سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو حجۃ الوداع میں حاضر ہوئی تھی۔ بہر حال اب اندرونی مشکلات کا تقریباً خاتمہ ہو چکا تھا اور مسلمان شریعت الہی کی تعلیم عام کرنے اور اسلام کی دعوت پھیلانے کے لیے مکیہ ہو گئے تھے۔

غزوہ کا سبب مگر اب ایک ایسی طاقت کا رخ مدینہ کی طرف ہو چکا تھا جو کسی وجہ جواز کے بغیر مسلمانوں سے چھڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ یہ طاقت رومیوں کی تھی جو اس وقت روم سے زمین پر سب سے بڑی فوجی قوت کی حیثیت رکھتی تھی۔ پچھلے اوراق میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس چھڑ چھاڑ کی ابتداء شرنجیل بن عمرو غسانی کے ہاتھوں رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے قتل سے ہوئی جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا پیغام لے کر بصری کے حکمران کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا تھا جس نے رومیوں سے سرزمین موتہ میں خوفناک ٹکری مگر یہ لشکر ان متکبر ظالموں سے انتقام لینے میں کامیاب نہ ہوا، البتہ اس نے دور و نزدیک کے عرب باشندوں پر نہایت بہترین اثرات چھوڑے۔ قیصر روم ان اثرات کو اور ان کے نتیجے میں عرب قبائل کے اندر روم سے آزادی اور مسلمانوں کی ہم نوائی کے لیے پیدا ہونے والے جذبات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لیے یقیناً یہ ایک ”خطرہ“ تھا، جو قدم بہ قدم اس کی سرحد کی طرف بڑھ رہا تھا اور عرب سے ملی ہوئی سرحد شام کے لیے چیلنج بننا جا رہا تھا اس لیے قیصر نے سوچا کہ مسلمانوں کی قوت کو ایک عظیم اور ناقابل شکست خطرے کی صورت اختیار کرنے سے پہلے پہلے کچل دینا ضروری ہے تاکہ روم سے متصل عرب علاقوں میں ”فتنے“ اور ”ہنگامے“ سر نہ اٹھاسکیں۔ ان مصلحتوں کے پیش نظر ابھی جنگ موتہ پر ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ قیصر نے رومی باشندوں اور

اپنے ماتحت عربوں یعنی آل غسان وغیرہ پر شتمل فوج کی فراہمی شروع کر دی اور ایک خوزیر اور فیصلہ کن معرکے کی تیاری میں لگ گیا۔

روم و غسان کی تیاریوں کی عام خبریں | ادھر مدینہ میں پہلے درپے خبریں پہنچ رہی تھیں کہ رومی مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن معرکے

کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو ہمہ وقت کھٹکا لگا رہتا تھا اور ان کے کان کسی بھی غیر مانوس آواز کو سن کر فوراً کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ رومیوں کا ریلہ آگیا۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے کہ اسی سالؓ میں نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ایک مہینہ کے لیے ایلا کر لیا تھا اور انہیں چھوڑ کر ایک بالاخانہ میں علحدہ ہو گئے تھے صحابہ کرام کو ابتداء حقیقت حال معلوم نہ ہو سکی تھی۔ انہوں نے سمجھا کہ نبی ﷺ نے طلاق دے دی ہے اور اس کی وجہ سے صحابہ کرام میں شدید رنج و غم پھیل گیا تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا ایک انصاری ساتھی تھا۔ جب میں (خدمت نبویؐ میں) موجود نہ رہتا تو وہ میرے پاس خبر لاتا؛ اور جب وہ موجود نہ ہوتا تو میں اس کے پاس خبر لے جاتا۔ یہ دونوں ہی عوالی مدینہ میں رہتے تھے، ایک دوسرے کے پڑوسی تھے اور باری باری خدمت نبویؐ میں حاضر ہوتے تھے۔ اس زمانے میں ہمیں شاہ غسان کا خطرہ لگا ہوا تھا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ ہم پر یورش کرنا چاہتا ہے اور اس کے ڈر سے ہمارے سینے بھرے ہوئے تھے۔ ایک روز اچانک میرا انصاری ساتھی دروازہ پیٹنے لگا اور کہنے لگا، کھولو کھولو۔ میں نے کہا، کیا غسانی آگئے؟ اس نے کہا نہیں بلکہ اس سے بھی بڑی بات ہوگئی، رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں سے علحدہ ہو گئے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا، ہم میں چرچا تھا کہ آل غسان ہم پر چڑھائی کرنے کے لیے گھوڑوں کو نعل لگوا رہے ہیں۔ ایک روز میرا ساتھی اپنی باری پر گیا اور عشاء کے وقت واپس آکر میرا دروازہ بڑے زور سے پیٹا اور کہا، کیا وہ (عمرؓ) سویا ہوا ہے؟ میں گھبرا کر باہر آیا۔ اس نے کہا کہ بڑا حادثہ ہو گیا۔ میں نے کہا، کیا ہوا؟ کیا غسانی آگئے؟ اس نے کہا نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑا اور لمبا حادثہ، رسول اللہ

ﷺ عورت کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینا۔ اگر یہ قسم چار ماہ یا اس سے کم مدت کے لیے ہے تو اس پر شرعاً کوئی حکم لاگو نہ ہوگا اور اگر یہ ایلا چار مہینے سے زیادہ مدت کے لیے ہے تو پھر چار ماہ پورے ہوتے ہی شرعی عدالت دخیل ہوگی کہ شوہر یا تو بیوی کو بیوی کی طرح رکھے یا اسے طلاق دے۔ بعض صحابہؓ کے بقول فقط چار ماہ کی مدت گزر جانے سے طلاق پڑ جائے گی۔ ۲/۴۳۰ صحیح بخاری

ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ الخ

اس سے اس صورت حال کی شگنی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو اس وقت رومیوں کی جانب سے مسلمانوں کو درپیش تھی۔ اس میں مزید اضافہ منافقین کی ان ریشہ دوانیوں سے ہوا جو انہوں نے رومیوں کی تیاری کی خبریں مدینہ پہنچنے کے بعد شروع کیں۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ یہ منافقین دیکھ چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہر میدان میں کامیاب ہیں اور روئے زمین کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے بلکہ جو رکاوٹیں آپ کی راہ میں حائل ہوتی ہیں وہ پاش پاش ہو جاتی ہیں اس کے باوجود ان منافقین نے یہ امید باندھ لی کہ مسلمانوں کے خلاف انہوں نے اپنے سینوں میں جو دیرینہ آرزو چھپا رکھی ہے اور جس گردشِ دوراں کا وہ عرصہ سے انتظار کر رہے ہیں اب اس کی تکمیل کا وقت قریب آگیا ہے۔ اپنے اسی تصور کی بناء پر انہوں نے ایک مسجد کی شکل میں (جو مسجدِ ضرار کے نام سے مشہور ہوئی) دسیہ کاری اور سازش کا ایک بھٹ تیار کیا جس کی بنیاد اہل ایمان کے درمیان تفرقہ اندازی اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر اور ان سے لڑنے والوں کے لیے گھات کی جگہ فراہم کرنے کے ناپاک مقصد پر رکھی اور رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ آپ اس میں نماز پڑھادیں۔ اس سے منافقین کا مقصد یہ تھا کہ وہ اہل ایمان کو فریب میں رکھیں اور انہیں پتہ نہ لگنے دیں کہ اس مسجد میں ان کے خلاف سازش اور دسیہ کاری کی کارروائیاں انجام دی جا رہی ہیں اور مسلمان اس مسجد میں آنے جانے والوں پر نظر نہ رکھیں۔ اس طرح یہ مسجد، منافقین اور ان کے بیرونی دوستوں کے لیے ایک پُر امن گھونسلے اور بھٹ کا کام دے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس ”مسجد“ میں نماز کی ادائیگی کو جنگ سے واپسی تک کے لیے مؤخر کر دیا کیونکہ آپ تیاری میں مشغول تھے۔ اس طرح منافقین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور اللہ نے ان کا پردہ واپسی سے پہلے ہی چاک کر دیا۔ چنانچہ آپ نے غزوہ سے واپس آکر اس مسجد میں نماز پڑھنے کے بجائے اسے منہدم کر دیا۔

ان حالات اور خبروں کا مسلمان سامنا کر ہی رہے تھے کہ انہیں اچانک ملکِ شام سے

روم و غسان کی تیاریوں کی خاص خبریں

تیل لے کر آنے والے بنظیوں سے معلوم ہوا کہ ہرقل نے چالیس ہزار سپاہیوں کا ایک لشکرِ جزا تیار کیا ہے اور روم کے ایک عظیم کمانڈر کو اس کی کمان سونپی ہے۔ اپنے جھنڈے تلے عیسائی قبائل لخم و جذام وغیرہ کو بھی

نابت بن اسماعیل علیہ السلام کی نسل، جنہیں کسی وقت شمالی حجاز میں بڑا عروج حاصل تھا، زوال کے بعد رفتہ رفتہ یہ لوگ معمولی کسانوں اور تاجروں کے درجہ میں آگئے۔ ایضاً صحیح بخاری ۳۳۴/۱

جمع کر لیا ہے اور ان کا ہر اول دستہ بقاء پہنچ چکا ہے۔ اس طرح ایک بڑا خطرہ مجسم ہو کر مسلمانوں کے سامنے آ گیا۔

پھر جس بات سے صورت حال کی نزاکت میں مزید اضافہ ہو رہا تھا وہ یہ تھی کہ زمانہ سخت گرمی کا تھا۔ لوگ تنگی اور

حالات کی نزاکت میں اضافہ

تھک سالی کی آزمائش سے دوچار تھے۔ سواریاں کم تھیں، پھل پک چکے تھے، اس لیے لوگ پھل اور سائے میں رہنا چاہتے تھے۔ وہ فی الفور روانگی نہ چاہتے تھے۔ ان سب پر مستزاد مسافت کی دوری اور راستے کی پیچیدگی اور دشواری تھی۔

لیکن رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک قطعی اقدام کا فیصلہ

حالات و تغیرات کا مطالعہ

کہیں زیادہ دقت نظر سے فرما رہے تھے۔ آپ سمجھ رہے تھے کہ اگر آپ نے ان فیصلہ کن لمحات میں رومیوں سے جنگ لڑنے میں کاہلی اور سستی سے کام لیا، رومیوں کو مسلمانوں کے زیر اثر علاقوں میں گھسنے دیا، اور وہ مدینہ تک بڑھ اور چڑھ آئے تو اسلامی دعوت پر اس کے نہایت بُرے اثرات مرتب ہو گئے۔ مسلمانوں کی فوجی ساکھ اکھڑ جائے گی اور وہ جاہلیت جو جنگ خنین میں کاری ضرب لگنے کے بعد آخری دم توڑ رہی ہے دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ اور منافقین جو مسلمانوں پر گردش زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں اور ابو عامر فاسق کے ذریعہ شاہ روم سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں، پیچھے سے عین اس دقت مسلمانوں کے شکم میں خنجر گھونپ دیں گے جب آگے سے رومیوں کا ریلہ ان پر خونخوار حملے کر رہا ہوگا۔ اس طرح وہ بہت ساری کوششیں رائیگاں چلی جائیں گی جو آپ نے اور آپ کے صحابہ کرام نے اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف کی تھیں اور بہت ساری کامیابیاں ناکامی میں تبدیل ہو جائیں گی جو طویل اور خوریز جنگوں اور مسلسل فوجی دوڑ دھوپ کے بعد حاصل کی گئی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ ان نتائج کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے اس لیے عسرت و شدت کے باوجود آپ نے طے کیا کہ رومیوں کو دارالاسلام کی طرف پیش قدمی کی مہلت دیے بغیر خود ان کے علاقے اور حدود میں گھس کر ان کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔

یہ معاملہ طے کر لینے کے بعد آپ نے صحابہ کرامؓ میں اعلان فرما دیا کہ لڑائی کی تیاری کریں قبائل

رومیوں سے جنگ کی تیاری کا اعلان

عرب اور اہل مکہ کو بھی پیغام دیا کہ لڑائی کے لیے نکل پڑیں۔ آپ کا دستور تھا کہ جب کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو کسی اور ہی جانب روانہ ہوتے۔ لیکن صورت حال کی نزاکت اور تنگی کی شدت کے سبب اب کی بار آپ نے صاف صاف اعلان فرما دیا کہ رومیوں سے جنگ کا ارادہ ہے، تاکہ لوگ مکمل تیاری کر لیں۔ آپ نے

اس موقع پر لوگوں کو جہاد کی ترغیب بھی دی اور جنگ ہی پر ابھارنے کے لیے سورہ توبہ کا بھی ایک ٹکڑا نازل ہوا۔ ساتھ ہی آپؐ نے صدقہ و خیرات کرنے کی فضیلت بیان کی اور اللہ کی راہ میں اپنا نفیس مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی۔

غزوے کی تیاری کے لیے مسلمانوں کی دوڑ دھوپ | صحابہ کرام نے جو نبی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنا کہ آپؐ

رومیوں سے جنگ کی دعوت دے رہے ہیں جھٹ اس کی تعمیل کے لیے دوڑ پڑے اور پوری تیز رفتاری سے لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ قبیلے اور برادریاں ہر چہار جانب سے مدینہ میں اتنا شروع ہو گئیں اور سولے ان لوگوں کے جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری تھی، کسی مسلمان نے اس غزوے سے پیچھے رہنا گوارا نہ کیا۔ البتہ تین مسلمان اس سے مستثنیٰ ہیں کہ صحیح الایمان ہونے کے باوجود انہوں نے غزوے میں شرکت نہ کی۔ حالت یہ تھی کہ حاجت مند اور فاقہ مست لوگ آتے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرتے کہ ان کے لیے سواری فراہم کر دیں تاکہ وہ بھی رومیوں سے ہونے والی اس جنگ میں شرکت کر سکیں۔ اور جب آپؐ ان سے معذرت کرتے کہ :

لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا
أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ○ (۹۲ : ۹)

”میں تمہیں سوار کرنے کے لیے کچھ نہیں پاتا تو وہ اس حالت میں واپس ہوتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے کہ وہ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں پا رہے ہیں۔“

اسی طرح مسلمانوں نے صدقہ و خیرات کرنے میں بھی ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کی۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا تھا جس میں پالان اور کجاوے سمیت دو سواونٹ تھے اور دو سواونٹ (تقریباً ساڑھے انتیس کیلو) چاندی تھی۔ آپؐ نے یہ سب صدقہ کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک سواونٹ پالان اور کجاوے سمیت صدقہ کیا۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کیلو سونے کے سکے) لے آئے اور انہیں نبی ﷺ کی آغوش میں بکھیر دیا۔ رسول اللہ ﷺ انہیں اُلٹے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے، آج کے بعد عثمانؓ جو بھی کریں انہیں ضرر نہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر صدقہ کیا، اور صدقہ کیا، یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سواونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔

ادھر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ دو سو اوقیہ (تقریباً ساڑھے ۲۹ کلو) چاندی لے آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال حاضر خدمت کر دیا اور بال بچوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ ان کے صدقے کی مقدار چار ہزار درہم تھی اور سب سے پہلے یہی اپنا صدقہ لے کر تشریف لائے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال خیرات کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت سا مال لائے حضرت طلحہؓ، سعد بن عبادہؓ اور محمد بن مسلمہؓ بھی کافی مال لائے۔ حضرت عاصم بن عدیؓ نوے و سق (یعنی ساڑھے تیرہ ہزار کلو، ۱۳ ۱/۲ ٹن) کھجور لے کر آئے۔ بقیہ صحابہ بھی پے درپے اپنے تھوڑے زیادہ صدقات لے آئے۔ یہاں تک کہ کسی کسی نے ایک دوا صدقہ کیا کہ وہ اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ عورتوں نے بھی ہار، بازو بند، پازیب، بالی اور انگوٹھی وغیرہ جو کچھ ہو سکا آپؐ کی خدمت میں بھیجا۔ کسی نے بھی اپنا ہاتھ نہ روکا اور بخل سے کام نہ لیا۔ صرف منافقین تھے جو صدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں پر طعنہ زنی کرتے تھے کہ یہ ریاکار ہے اور جن کے پاس اپنی مشقت کے سوا کچھ نہ تھا، ان کا مذاق اڑاتے تھے کہ یہ ایک دو کھجور سے قیصر کی مملکت فتح کرنے اُٹھے ہیں۔ (۹: ۷۹)

اسلامی لشکر تبوک کی راہ میں | اس دھوم دھام جوش و خروش اور بھاگ دوڑ کے نتیجے میں لشکر تیار ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو اور کہا جاتا ہے کہ سباع بن عرفطہ کو مدینہ کا گورنر بنایا اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کو اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا۔ لیکن منافقین نے ان پر طعنہ زنی کی اس لیے وہ مدینہ سے نکل پڑے اور رسول اللہ ﷺ سے جالاحق ہوئے۔ لیکن آپؐ نے انہیں پھر مدینہ واپس کر دیا اور فرمایا: ”کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ مجھ سے تمہیں وہی نسبت ہو جو حضرت موسیٰؑ سے حضرت ہارونؑ کو تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔“

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اس انتظام کے بعد شمال کی جانب کوچ فرمایا (نسائی کی روایت کے مطابق یہ جمعات کا دن تھا) منزل تبوک تھی لیکن لشکر بڑا تھا۔ تیس ہزار مردان جنگی تھے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کا اتنا بڑا لشکر کبھی فراہم نہ ہوا تھا اس لیے مسلمان ہر چند مال خرچ کرنے کے باوجود لشکر کو پوری طرح تیار نہ کر سکے تھے، بلکہ سواری اور توشتے کی سخت کمی تھی۔ چنانچہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں پر ایک ایک اونٹ تھا جس پر یہ لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ اسی طرح کھانے کے لیے بسا اوقات درختوں کی پتیاں استعمال کرنی پڑتی تھیں جس سے ہونٹوں میں درم آگیا تھا۔ مجبوراً اونٹوں کو قلت کے باوجود ذبح کرنا

پڑا تاکہ اس کے معدے اور آنتوں کے اندر جمع شدہ پانی اور تری پی جاسکے۔ اسی لیے اس کا نام حبشِ عُسرت (تنگی کا لشکر) پڑ گیا۔

تبوک کی راہ میں لشکر کا گزر حجر یعنی دیارِ ثمود سے ہوا۔ ثمود وہ قوم تھی جس نے وادی القریٰ کے اندر چٹانیں تراش تراش کر مکانات بنائے تھے۔ صحابہ کرام نے وہاں کے کنویں سے پانی لے لیا تھا لیکن جب چلنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم یہاں کا پانی نہ پینا اور اس سے نماز کے لیے وضو نہ کرنا اور جو آٹا تم لوگوں نے گوندھ رکھا ہے اسے جانوروں کو کھلا دو، خود نہ کھاؤ۔“ آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ لوگ اس کنویں سے پانی لیں جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

صحیحین میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ حجر (دیارِ ثمود) سے گزرے تو فرمایا ”ان ظالموں کی جائے سکونت میں داخل نہ ہونا کہ کہیں تم پر بھی وہی مصیبت نہ آن پڑے جو ان پر آئی تھی، ہاں مگر روتے ہوئے۔“ پھر آپ نے اپنا سر ڈھکا اور تیزی سے چل کر وادی پار کر گئے۔

راستے میں لشکر کو پانی کی سخت ضرورت پڑی حتیٰ کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکوہ کیا۔ آپ نے اللہ سے دعا کی۔ اللہ نے بادل بھیج دیا، بارش ہوئی۔ لوگوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور ضرورت کا پانی لا دیا۔ پھر جب تبوک کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا: ”کل انشاء اللہ تم لوگ تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے لیکن چاشت سے پہلے نہیں پہنچو گے۔ لہذا جو شخص وہاں پہنچے اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے، یہاں تک کہ میں آجاؤں۔“ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ پہنچے تو وہاں دو آدمی پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ چشمے سے تھوڑا تھوڑا پانی آ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا تم دونوں نے اس کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ نے ان دونوں سے جو کچھ اللہ نے چاہا، فرمایا۔ پھر چشمے سے چلو گے ذریعہ تھوڑا تھوڑا پانی نکالا یہاں تک کہ قدرے جمع ہو گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس میں اپنا چہرہ اور ہاتھ دھویا، اور اسے چشمے میں انڈیل دیا۔ اس کے بعد چشمے سے خوب پانی آیا۔ صحابہ کرام نے سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے معاذ! اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم اس مقام کو باغات سے ہر ابھر دیکھو گے۔“

راستے ہی میں یا تبوک پہنچ کر۔ روایات میں اختلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آج رات تم پر سخت آندھی چلے گی لہذا کوئی نہ اُٹھے اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کی رسی مضبوطی سے

باندھ دئے چنانچہ سخت آندھی چلی۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا تو آندھی نے اسے اڑا کر طلی کی دو پہاڑیوں کے پاس پھینک دیا۔ راستے میں رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی اور مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھتے تھے۔ جمع تقدیم بھی کرتے تھے اور جمع تاخیر بھی۔ (جمع تقدیم کا مطلب یہ ہے کہ

ظہر اور عصر دونوں ظہر کے وقت میں اور مغرب اور عشاء دونوں مغرب کے وقت میں پڑھی جائیں۔ اور جمع تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ ظہر اور عصر دونوں عصر کے وقت میں اور مغرب و عشاء دونوں عشاء کے وقت میں پڑھی جائیں۔

اسلامی شکر تبوک میں | اسلامی شکر تبوک میں اُتر کر خیمہ زن ہوا۔ وہ رومیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اہل لشکر

کو مخاطب کر کے نہایت بلند خطبہ دیا۔ آپ نے جوامع الکلم ارشاد فرمائے دُنیا اور آخرت کی بھلائی کی رغبت دلائی، اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اس کے انعامات کی خوشخبری دی۔ اس طرح فوج کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ ان میں توشے، ضروریات اور سامان کی کمی کے سبب جو نقص اور خلل تھا وہ اس کا بھی ازالہ ہو گیا۔ دوسری طرف رومیوں اور ان کے حلیفوں کا یہ حال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر سُن کر ان کے اندر خوف کی لہر دوڑ گئی۔ انہیں آگے بڑھنے اور ٹکرائے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ اندرون ملک مختلف شہروں میں بکھر گئے۔ ان کے اس طرزِ عمل کا اثر جزیرہ عرب کے اندر اور باہر مسلمانوں کی فوجی ساکھ پر بہت عمدہ مرتب ہوا اور مسلمانوں نے ایسے ایسے اہم سیاسی فوائد حاصل کئے کہ جنگ کی صورت میں اس کا حاصل کرنا آسان نہ ہوتا۔ تفصیل یہ ہے :

ایلیہ کے حاکم یحٰنہ بن ربیعہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جزیرہ کی ادائیگی منظور کی اور صلح کا معاہدہ کیا۔ جزیرہ اور اذرح کے باشندوں نے بھی خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر جزیرہ دینا منظور کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک تحریر لکھ دی جو ان کے پاس محفوظ تھی۔ آپ نے حاکمِ ایلیہ کو بھی ایک تحریر لکھ کر دی جو یہ تھی۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم : یہ پروانہ امن ہے اللہ کی جانب سے اور نبی محمد رسول اللہ کی جانب سے یحٰنہ بن ربیعہ اور باشندگانِ ایلیہ کے لیے۔ خشکی اور سمندریں ان کی کشتیوں اور قافلوں کے لیے اللہ کا ذمہ ہے اور محمد نبی کا ذمہ ہے اور یہی ذمہ ان شامی اور سمندری باشندوں کے لیے ہے جو یحٰنہ کے ساتھ ہوں۔ ہاں ! اگر ان کا کوئی آدمی کوئی گڑبڑ کرے گا تو اس کا مال اس کی جان کے آگے روک نہ بن سکے گا اور جو آدمی

اس کا مال لے لے گا اس کے لیے وہ حلال ہو گا۔ انہیں کسی چشمے پر اترنے اور خشکی یا سمندر کے کسی راستے پر چلنے سے منع نہیں کیا جاسکتا۔“

اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس سواروں کا رسالہ دے کر دومتہ الجندل کے حاکم اگیدر کے پاس بھیجا اور فرمایا تم اسے نیل گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے۔ جب اتنے فاصلے پر رہ گئے کہ قلعہ صاف نظر آرہا تھا تو اچانک ایک نیل گائے نکلی اور قلعہ کے دروازے پر سینگ رگڑنے لگی۔ اگیدر اس کے شکار کو نکلا۔ چاندنی رات تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے سواروں نے اُسے جالیا اور گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے اس کی جان بخشی کی اور دو ہزار اونٹ، آٹھ سو غلام، چار سو زریں اور چار سو نیرے دینے کی شرط پر مصالحت فرمائی۔ اس نے جزیہ بھی دینے کا اقرار کیا۔ چنانچہ آپ نے اس سے یمنہ سمیت دومتہ، تبوک، ایلہ اور تیماء کے شرائط کے مطابق معاملے کیا۔

ان حالات کو دیکھ کر وہ قبائل جو اب تک رومیوں کے آلہ کار بنے ہوئے تھے، سمجھ گئے کہ اب اپنے ان پرانے سرپرستوں پر اعتماد کرنے کا وقت ختم ہو چکا ہے اس لیے وہ بھی مسلمانوں کے حمایتی بن گئے۔ اس طرح اسلامی حکومت کی سرحدیں وسیع ہو کر براہ راست رومی سرحد سے جا ملیں اور رومیوں کے آلہ کاروں کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا۔

مدینہ کو واپسی

اسلامی لشکر تبوک سے منظر و منصور واپس آیا۔ کوئی ٹکڑہ نہ ہوئی۔ اللہ جنگ کے معاملے میں مومنین کے لیے کافی ہوا۔ البتہ راستے میں ایک جگہ ایک گھاٹی کے پاس بارہ منافقین نے نبی ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت آپ اس گھاٹی سے گزر رہے تھے اور آپ کے ساتھ صرف حضرت عمارؓ تھے جو اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ تھے جو اونٹنی ہانک رہے تھے۔ باقی صحابہ کرام دُور وادی کے نشیب سے گزر رہے تھے اس لیے منافقین نے اس موقع کو اپنے ناپاک مقصد کے لیے غنیمت سمجھا اور آپ کی طرف قدم بڑھایا۔ ادھر آپ اور آپ کے دونوں ساتھی حسب معمول راستے طے کر رہے تھے کہ پیچھے سے ان منافقین کے قدموں کی چاپیں سنائی دیں۔ یہ سب چہروں پر ڈھٹا باندھے ہوئے تھے اور اب آپ پر تقریباً چڑھ ہی آئے تھے کہ آپ نے حضرت حذیفہؓ کو ان کی جانب بھیجا۔ انہوں نے ان کی ساریوں کے چہروں پر اپنی ایک ڈھال سے ضرب لگانی شروع کی، جس سے اللہ نے انہیں مرعوب کر دیا اور وہ تیزی سے بھاگ کر لوگوں میں جا ملے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کے نام بتائے اور ان کے ارادے سے باخبر کیا۔ اسی لیے حضرت حذیفہؓ کو

رسول اللہ ﷺ کا ”رازداں“ کہا جاتا ہے۔ اسی واقعہ سے متعلق اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ ”وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا (۴۱۹) انہوں نے اس کام کا قصد کیا جسے وہ نہ پاسکے۔“

خاتمہ سفر پر جب دُور سے نبی ﷺ کو مدینہ کے نقوش دکھائی پڑے تو آپ نے فرمایا: ”یہ رہا طابہ“ اور یہ رہا اُحد، یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔ ادھر مدینہ میں آپ کی آمد کی خبر پہنچی تو عورتیں بچے اور بچیاں باہر نکل پڑیں اور زبردست اعزاز کے ساتھ لشکر کا استقبال کرتے ہوئے یہ نغمہ گنگنایا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا إِلَهُ دَاعِ

”ہم پر شنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے ہم پر شکر واجب ہے۔“

رسول اللہ ﷺ تبوک کے لیے رجب میں روانہ ہوتے تھے اور واپس آئے تو رمضان کا مہینہ تھا۔ اس سفر میں پورے پچاس روز صرف ہوئے۔ بیس دن تبوک میں اور تیس دن آمد و رفت میں۔ یہ آپ کی حیات مبارکہ کا آخری غزوہ تھا جس میں آپ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔

مخلفین | یہ غزوہ اپنے مخصوص حالات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت آزمائش بھی تھا جس سے اہل ایمان اور دوسرے لوگوں میں تمیز ہو گئی۔ اور اس قسم کے موقع پر اللہ تعالیٰ کا دستور بھی یہی ہے! ارشاد ہے:

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ
(۱۴۹۳)

”اللہ مومنین کو اسی حالت پر چھوڑ نہیں سکتا جس پر تم لوگ ہو یہاں تک کہ نجیث کو پاکیزہ سے علیحدہ کر دے۔“

چنانچہ اس غزوہ میں سارے کے سارے مومنین صادقین نے شرکت کی اور اس سے غیر حاضری نفاق کی علامت قرار پائی۔ چنانچہ کیفیت یہ تھی کہ اگر کوئی پیچھے رہ گیا تھا اور اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا جاتا تو آپ فرماتے کہ اسے چھوڑ دو۔ اگر اس میں خیر ہے تو اللہ اسے جلد ہی تمہارے پاس پہنچا دے گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اللہ نے تمہیں اس سے راحت دے دی ہے۔ غرض اس غزوے سے یا تو وہ لوگ پیچھے رہے جو معذور تھے یا وہ لوگ جو منافق تھے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے ایمان کا جھوٹا

دعویٰ کیا تھا اور اب جھوٹا عذر پیش کر کے غزوہ میں شریک نہ ہونے کی اجازت لے لی تھی اور پیچھے بیٹھ رہے تھے یا سرے سے اجازت لیے بغیر ہی بیٹھے رہ گئے تھے۔ ہاں تین آدمی ایسے تھے جو سچے اور پکے مومن تھے اور کسی وجہ جواز کے بغیر پیچھے رہ گئے تھے۔ انہیں اللہ نے آزمائش میں ڈالا اور پھر ان کی توبہ قبول کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ واپسی پر رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تو حسب معمول سب پہلے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر لوگوں کی خاطر بیٹھ گئے۔ ادھر منافقین نے جن کی تعداد اسی سے کچھ زیادہ تھی، آکر عذر پیش کرنے شروع کر دیے اور قسمیں کھانے لگے۔ آپ نے ان سے ان کا ظاہر قبول کرتے ہوئے بیعت کر لی اور دُعائے مغفرت کی اور ان کا باطن اللہ کے حوالے کر دیا۔

باقی رہے تینوں مومنین صادقین — یعنی حضرت کعب بن مالک، مرارہ بن رزیع اور ہلال بن امیہ — تو انہوں نے سچائی اختیار کرتے ہوئے اقرار کیا کہ ہم نے کسی مجبوری کے بغیر غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان تینوں سے بات چیت نہ کریں۔ چنانچہ ان کے خلاف سخت بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ لوگ بدل گئے، زمین بھیاں تک بن گئی اور کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی۔ خود ان کی اپنی جان پر بن آئی۔ سختی یہاں تک بڑھی کہ چالیس روز گزرنے کے بعد حکم دیا گیا کہ اپنی عورتوں سے بھی الگ رہیں جب بائیکاٹ پر پچاس روز پورے ہو گئے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کئے جانے کا مشرودہ نازل کیا۔ ارشاد ہوا :

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○ (۱۱۸:۹)

اور اللہ نے ان تین آدمیوں کی بھی توبہ قبول کی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جان بھی ان پر تنگ ہو گئی اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ سے (بھاگ کر) کوئی جاتے پناہ نہیں ہے مگر اسی کی طرف۔ پھر اللہ ان پر رجوع ہوا تاکہ وہ توبہ کریں یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔ اس فیصلے کے نزول پر مسلمان عموماً اور یہ تینوں صحابہ کرام خصوصاً بے حد حساب خوش ہوئے۔ لوگوں نے دوڑ دوڑ کر بشارت دی۔ خوشی سے چہرے کھل اُٹھے اور انعامات اور صدقے دیے۔ درحقیقت یہ ان کی زندگی کا

نلہ واقعی نے ذکر کیا ہے کہ یہ تعداد منافقین انصار کی تھی۔ ان کے علاوہ بنی غفار وغیرہ اعراب میں سے معذرت کرنے والوں کی تعداد بھی بیاسی تھی؛ پھر عبداللہ بن ابی اور اس کے پیروکاران کے علاوہ تھے اور ان کی بھی خاصی بڑی تعداد تھی۔ (دیکھئے فتح الباری ۸/۱۱۹)

سب سے باسعادت دن تھا۔

اسی طرح جو لوگ معذوری کی وجہ سے شریکِ غزوہ نہ ہو سکے تھے ان کے بارے میں اللہ نے فرمایا :
لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ
حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ (۹: ۹۱)

”کمزوروں پر، مریضوں پر اور جو لوگ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ پائیں ان پر کوئی حرج نہیں جب کہ وہ
اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں۔“

ان کے متعلق نبی ﷺ نے بھی مدینہ کے قریب پہنچ کر فرمایا تھا: ”مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم
نے جس جگہ بھی سفر کیا اور جو دادی بھی ملے گی وہ تمہارے ساتھ رہے، انہیں عذر دے روک رکھا تھا۔ لوگوں نے
کہا، ”یا رسول اللہ ﷺ! وہ مدینہ میں رہتے ہوئے بھی (ہمارے ساتھ تھے)؟ آپ نے فرمایا، (ہاں)
مدینہ میں رہتے ہوئے بھی۔“

یہ غزوہ جزیرۃ العرب پر مسلمانوں کا اثر پھیلانے اور اسے تقویت پہنچانے میں
بڑا موثر ثابت ہوا۔ لوگوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ اب جزیرۃ العرب

اس غزوے کا اثر

میں اسلام کی طاقت کے سوا اور کوئی طاقت زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس طرح جاہلین اور منافقین کی وہ بچی کھچی
آرزوئیں اور اُمیدیں بھی ختم ہو گئیں جو مسلمانوں کے خلاف گردشِ زمانہ کے انتظار میں ان کے نہاں خانہ دل میں
پنہاں تھیں، کیونکہ ان کی ساری امیدوں اور آرزوؤں کا محور رومی طاقت تھی اور اس غزوے میں اس کا بھی
بھرم کھل گیا تھا اس لیے ان حضرات کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انہوں نے امر واقعہ کے سامنے سپردِال دی
کہ اب اس سے بھاگنے اور چھٹکارا پانے کی کوئی راہ ہی نہیں رہ گئی تھی۔

اور اسی صورتِ حال کی بناء پر اب اس کی بھی ضرورت نہیں رہ گئی تھی کہ سلمان، منافقین کے ساتھ
رفق و نرمی کا معاملہ کریں؛ لہذا اللہ نے ان کے خلاف سخت رویہ اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ یہاں تک کہ
ان کے صدقے قبول کرنے، ان کی نماز جنازہ پڑھنے، ان کے لیے دُعاے مغفرت کرنے اور ان کی —
قبروں پر کھڑے ہونے سے روک دیا اور انہوں نے مسجد کے نام پر سازش اور دیسہ کاری کا جو گھونسلہ تعمیر کیا تھا
اسے ڈھا دینے کا حکم دیا۔ پھر ان کے بارے میں ایسی ایسی آیات نازل فرمائیں کہ وہ بالکل ننگے ہو گئے اور انہیں
پہچاننے میں کوئی ابہام نہ رہا۔ گویا اہل مدینہ کے لیے ان آیات نے ان منافقین پر انگلیاں رکھ دیں۔

اس غزوے کے اثرات کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد (بلکہ اس سے پہلے بھی)

عرب کے وفود اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آنا شروع ہو گئے تھے، لیکن ان کی بھرمار اس غزوے کے بعد ہی ہوئی۔

اس غزوے سے متعلق قرآن کا نزول | اس غزوے سے متعلق سورہ توبہ کی بہت سی آیات نازل ہوئیں۔ کچھ روانگی سے پہلے، کچھ روانگی کے بعد دوران سفر،

اور کچھ مدینہ واپس آنے کے بعد۔ ان آیات میں غزوے کے حالات ذکر کئے گئے ہیں، منافقین کا پردہ کھولا گیا ہے، مخلص مجاہدین کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور منافقین جو غزوے میں گئے تھے اور جو نہیں گئے تھے ان کی توبہ کی قبولیت کا ذکر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

۹۔ بعض اہم واقعات

اس سن (۶۱۰ء) میں تاریخی اہمیت کے متعدد واقعات پیش آئے :

- ۱۔ تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد عؤمیر عجلانی اور ان کی بیوی کے درمیان لعان ہوا۔
- ۲۔ غامدیہ عورت کو جس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بدکاری کا اقرار کیا تھا، رجم کیا گیا۔ اس عورت نے بچے کی پیدائش کے بعد جب دودھ چھڑا لیا تب اسے رجم کیا گیا تھا۔
- ۳۔ اُضحہ نجاشی شاہ حبشہ نے وفات پائی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔
- ۴۔ نبی ﷺ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات پر آپ کو سخت غم ہوا اور آپ نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ اگر میرے پاس تیسری لڑکی ہوتی تو اس کی شادی بھی تم سے کر دیتا۔
- ۵۔ تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد اس منافقین عبداللہ بن ابی نے وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے دُعاے مغفرت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ بعد میں وحی نازل ہوئی اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت اور تائید کرتے ہوئے منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

۱۔ اس غزوے کی تفصیل مآخذ ذیل سے لی گئی ہیں : ابن ہشام ۲/ ۵۱۵ تا ۵۳۷، زاد المعاد ۳/ ۲ تا ۱۳،

صحیح بخاری ۲/ ۶۳۳ تا ۶۳۷، ۱/ ۲۵۲، ۴۱۴ وغیرہ، صحیح مسلم مع شرح نووی ۲/ ۲۴۶،

فتح الباری ۸/ ۱۱۰ تا ۱۲۶، مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۲۹۱ تا ۳۰۷۔

حجۃ (زیر امارت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ)

اسی سال ذی قعدہ یا ذی الحجہ (۱۱ھ) میں رسول اللہ ﷺ نے مناسکِ حج قائم کرنے کی غرض سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا۔

اس کے بعد سورہ براءت کا ابتدائی حصہ نازل ہوا جس میں مشرکین سے کئے گئے عہد و پیمان کو برابری کی بنیاد پر ختم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حکم کے آجانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عسل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تاکہ وہ آپ کی جانب سے اس کا اعلان کر دیں۔ ایسا اس لیے کرنا پڑا کہ خون اور مال کے عہد و پیمان کے سلسلے میں عرب کا یہی دستور تھا (کہ آدمی یا تو خود اعلان کرے یا اپنے خاندان کے کسی فرد سے اعلان کرائے۔ خاندان سے باہر کے کسی آدمی کا کیا ہوا اعلان تسلیم نہیں کیا جاتا تھا)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات عرج یا وادی ضبجان میں ہوئی۔ حضرت ابوبکر نے دریافت کیا کہ امیر ہوا یا مامور؟ حضرت علیؑ نے کہا، نہیں بلکہ مامور ہوں۔ پھر دونوں آگے بڑھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔ جب (دسویں تاریخ) یعنی قربانی کا دن آیا تو حضرت علیؑ بن ابی طالب نے حجرہ کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں میں وہ اعلان کیا جس کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ یعنی تمام عہد والوں کا عہد ختم کر دیا اور انہیں چار مہینے کی مہلت دی۔ اسی طرح جن کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہ تھا انہیں بھی چار مہینے کی مہلت دی۔ البتہ جن مشرکین نے مسلمانوں سے عہد نبھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی تھی اور نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد کی تھی، اُن کا عہد ان کی طے کردہ مدت تک برقرار رکھا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت بھیج کر یہ اعلان عام کرایا کہ آئندہ سے کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور نہ کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف کر سکتا ہے۔

یہ اعلان گویا جزیرۃ العرب سے بُت پرستی کے خاتمے کا اعلان تھا۔ یعنی اس سال کے بعد بُت پرستی کے لیے آمد و رفت کی کوئی گنجائش نہیں رہے۔

غزوات پر ایک نظر

نبی ﷺ کے غزوات، سرایا اور فوجی مہمات پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی شخص جو جنگ کے ماحول، پس منظر و پیش منظر اور آثار و نتائج کا علم رکھتا ہو یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نبی ﷺ دنیا کے سب سے بڑے اور باکمال فوجی کمانڈر تھے۔ آپ کی سوجھ بوجھ سب سے زیادہ درست اور آپ کی فراست اور بیدار مغزی سب سے زیادہ گہری تھی۔ آپ جس طرح نبوت و رسالت کے اوصاف میں سید المرسل اور اعظم الانبیاء تھے، اسی طرح فوجی قیادت کے وصف میں بھی آپ یگانہ روزگار اور نادار عبقریت کے مالک تھے۔ چنانچہ آپ نے جو بھی معرکہ آرائی کی اس کے لیے ایسے حالات و جہات کا انتخاب فرمایا جو عزم و تدبیر اور حکمت و شجاعت کے عین مطابق تھے۔ کسی معرکہ میں حکمت عملی، لشکر کی ترتیب اور حساس مراکز پر اس کی تعیناتی، موزوں ترین مقام جنگ کے انتخاب اور جنگی پلاننگ وغیرہ میں آپ سے کبھی کوئی چوک نہیں ہوئی اور اسی لیے اس بنیاد پر آپ کو کبھی کوئی زک نہیں اٹھانی پڑی، بلکہ ان تمام جنگی معاملات و مسائل کے سلسلے میں آپ نے اپنے عملی اقدامات سے ثابت کر دیا کہ دنیا بڑے بڑے کمانڈروں کے تعلق سے جس طرح کی قیادت کا علم رکھتی ہے آپ اس سے بہت کچھ مختلف ایک زالی ہی قسم کی کمانڈراناہ صلاحیت کے مالک تھے۔ جس کے ساتھ شکست کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ اس موقع پر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اُحد اور خنین میں جو کچھ پیش آیا اس کا سبب رسول اللہ ﷺ کی کسی حکمت عملی کی غامی نہ تھی بلکہ اس کے پیچھے خنین میں کچھ افرادِ شکر کی بعض کمزوریاں کارفرما تھیں اور اُحد میں آپ کی نہایت اہم حکمت عملی اور لازمی ہدایات کو نہایت فیصلہ کن لمحات میں نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

پھر ان دونوں غزوات میں جب مسلمانوں کو زک اٹھانے کی نوبت آئی تو آپ نے جس عبقریت کا مظاہرہ فرمایا وہ اپنی مثال آپ تھی۔ آپ دشمن کے مد مقابل ڈٹے رہے اور اپنی نادارہ روزگار حکمت عملی سے اسے یا تو اس کے مقصد میں ناکام بنادیا۔ جیسا کہ اُحد میں ہوا۔ یا جنگ کا پانسہ اس طرح پلٹ دیا کہ مسلمانوں کی شکست، فتح میں تبدیل ہو گئی۔ جیسا کہ خنین میں ہوا۔ حالانکہ اُحد جیسی خطرناک صورت حال اور خنین جیسی بے لگام بھگدڑ سپہ سالاروں کی قوت فیصلہ سلب کر لیتی ہے اور ان کے اعصاب پر اتنا بدترین

اثر ڈالتی ہے کہ انہیں اپنے بچاؤ کے علاوہ اور کوئی فکر نہیں رہ جاتی۔

یہ گفتگو تو ان غزوات کے خالص فوجی اور جنگی پہلو سے تھی۔ باقی رہے دوسرے گوشے تو وہ بھی بے حد اہم ہیں۔ آپؐ نے ان غزوات کے ذریعے امن و امان قائم کیا، فتنے کی آگ بجھائی، اسلام و بُت پرستی کی کشمکش میں دشمن کی شوکت توڑ کر رکھ دی اور انہیں اسلامی دعوت و تبلیغ کی راہ آزاد چھوڑنے اور مصالحت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح آپؐ نے ان جنگوں کی بدولت یہ بھی معلوم کر لیا کہ آپؐ کا ساتھ دینے والوں میں کون سے لوگ مخلص ہیں اور کون سے لوگ منافق، جوہاں خاندول میں غد و خیانت کے جذبات چھپائے ہوئے ہیں۔ پھر آپؐ نے محاذ آرائی کے عملی نمونوں کے ذریعے مسلمان کمانڈروں کی ایک زبردست جماعت بھی تیار کر دی جنہوں نے آپؐ کے بعد عراق و شام کے میدانوں میں فارس و روم سے ٹکمرلی، اور جنگی پلاننگ اور تکنیک میں ان کے بڑے بڑے کمانڈروں کو مات دے کر انہیں ان کے مکانات و سرزمین سے، اموال و باغات سے، چشموں اور کھیتوں سے، آرام و باعزت مقام سے اور مزے دار نعمتوں سے نکال باہر کیا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ان غزوات کی بدولت مسلمانوں کے لیے رہائش، کھیتی، پیٹھے اور کام کا انتظام فرمایا۔ بے خانماں اور محتاج پناہ گزینوں کے مسائل حل فرمائے۔ ہتھیار، گھوڑے، ساز و سامان اور اخراجات جنگ مہیا کئے اور یہ سب کچھ اللہ کے بندوں پر ذرہ برابر ظلم و زیادتی اور جور و جفا کئے بغیر حاصل کیا۔

آپؐ نے ان اسباب و وجوہ اور اغراض و مقاصد کو بھی تبدیل کر ڈالا جن کے لیے دورِ جاہلیت میں جنگ کے شعلے بھڑکا کرتے تھے، یعنی دورِ جاہلیت میں جنگ نام تھی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا، ظلم و زیادتی اور انتقام و تشدد کا، کمزوروں کو کچلنے، آبادیاں ویران کرنے اور عمارتیں ڈھلانے کا، عورتوں کی بے حرمتی کرنے اور بوڑھوں، بچوں اور بچیوں کے ساتھ سنگدلی سے پیش آنے کا، کھیتی باڑی اور جانوروں کو ہلاک کرنے اور زمین میں تباہی و فساد مچانے کا۔ مگر اسلام نے اس جنگ کی رُوح تبدیل کر کے اسے ایک مقدس جہاد میں بدل دیا۔ جسے نہایت موزوں اور معقول اسباب کے تحت شروع کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے ایسے شریفانہ مقاصد اور بلند پایہ اغراض حاصل کئے جاتے ہیں جنہیں ہر زمانے اور ہر ملک میں انسانی معاشرہ کے لیے باعثِ اعزاز تسلیم کیا گیا ہے۔ کیونکہ اب جنگ کا مفہوم یہ ہو گیا تھا کہ انسان کو قہر و ظلم کے نظام سے نکال کر عدل و انصاف کے نظام میں لانے کی مسلح جدوجہد کی جائے۔ یعنی ایک ایسے نظام کو جس میں طاقتور کمزور کو کھارہا ہو، اُلٹ کر ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں طاقتور کمزور ہو جائے جب تک کہ اس سے

کمزور کا حق لے نہ لیا جائے۔ اسی طرح اب جنگ کا معنی یہ ہو گیا تھا کہ ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو نجات دلائی جائے جو دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور ہمارے لیے اپنے پاس سے ولی بنا، اور اپنے پاس سے مددگار بنا۔ نیز اس جنگ کا معنی یہ ہو گیا کہ اللہ کی زمین کو غدر و خیانت، ظلم و ستم اور بدی و گناہ سے پاک کر کے اس کی جگہ امن و امان، رافت و رحمت، حقوق رسانی اور مروت و انسانیت کا نظم بجالایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے لیے شریفانہ ضوابط بھی مقرر فرمائے اور اپنے فوجیوں اور کمانڈروں پر ان کی پابندی لازمی قرار دیتے ہوئے کسی حال میں ان سے باہر جانے کی اجازت نہ دی۔ حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر یا سرے کا امیر مقرر فرماتے تو اسے خاص اس کے اپنے نفس کے بارے میں اللہ عزوجل کے تقویٰ کی اور اس کے مسلمان ساتھیوں کے بارے میں خیر کی وصیت فرماتے۔ پھر فرماتے: ”اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں غزوہ کرو۔ جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ان سے لڑائی کرو۔ غزوہ کرو، خیانت نہ کرو، بدعہدی نہ کرو، ناک کان وغیرہ نہ کاٹو، کسی بچے کو قتل نہ کرو، الزم اسی طرح آپ آسانی بتنے کا حکم دیتے اور فرماتے: ”آسانی کرو، سختی نہ کرو۔ لوگوں کو سکون دلاؤ، متغیر نہ کرو۔“ اور جب رات میں آپ کسی قوم کے پاس پہنچتے تو صبح ہونے سے پہلے چھاپہ نہ مارتے۔ نیز آپ نے کسی کو آگ میں جلانے سے نہایت سختی کے ساتھ منع کیا۔ اسی طرح باندھ کر قتل کرنے اور عورتوں کو مارنے اور انہیں قتل کرنے سے بھی منع کیا اور ٹوٹ مار سے روکا۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا کہ لوٹ کا مال مُردار کی طرح ہی حرام ہے۔ اسی طرح آپ نے کھیتی باڑی تباہ کرنے، جانور ہلاک کرنے اور درخت کاٹنے سے منع فرمایا، سوائے اس صورت کے کہ اس کی سخت ضرورت آن پڑے اور درخت کاٹے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا: ”کسی زخمی پر حملہ نہ کرو کسی بھلے گئے والے کا پیچھا نہ کرو، اور کسی قیدی کو قتل نہ کرو۔“ آپ نے یہ سنت بھی جاری فرمائی کہ سفیر کو قتل نہ کیا جائے۔ نیز آپ نے معاہدین (غیر مسلم شہریوں) کے قتل سے بھی نہایت سختی سے روکا یہاں تک کہ فرمایا: ”جو شخص کسی معاہد کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے فاصلے سے پائی جاتی ہے۔“

یہ اور اس طرح کے دوسرے بلند پایہ قواعد و ضوابط تھے جن کی بدولت جنگ کا عمل جاہلیت کی گندگیوں سے پاک و صاف ہو کر مقدس جہاد میں تبدیل ہو گیا۔

اللہ کے دین میں فوج در فوج داخلہ

جیسا کہ ہم نے عرض کیا غزوہ فتح مکہ ایک فیصلہ کن معرکہ تھا جس نے بُت پرستی کا کام تمام کر دیا اور سارے عرب کے لیے حق و باطل کی پہچان ثابت ہوا۔ اس کی وجہ سے ان کے شبہات جاتے رہے۔ اسی لیے اس کے بعد انہوں نے بڑی تیز رفتاری سے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمرو بن سلمہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک چشمے پر (آباد) تھے جو لوگوں کی گزرگاہ تھا۔ ہمارے ہاں سے قافلے گزرتے رہتے تھے اور ہم ان سے پوچھتے رہتے تھے کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس آدمی — یعنی نبی ﷺ — کا کیا حال ہے؟ اور کیا ہے؟ لوگ کہتے: ”وہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے اسے پیغمبر بنایا ہے؛ اس کے پاس وحی بھیجی ہے؛ اللہ نے یہ اور یہ وحی کی ہے۔“ میں یہ بات یاد کر لیتا تھا، گویا وہ میرے سینے میں چپک جاتی تھی اور عرب حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے۔ کہتے تھے: ”اسے اور اس کی قوم کو رہنمائی کے لیے (چھوڑ دو۔ اگر وہ اپنی قوم پر غالب آگیا تو سچا نبی ہے۔ چنانچہ جب فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا تو ہر قوم نے اپنے اسلام کے ساتھ (مدینہ کی جانب) پیش رفت کی اور میرے والد بھی میری قوم کے اسلام کے ساتھ تشریف لے گئے اور جب (خدمتِ نبوی سے) واپس آئے تو فرمایا: ”میں تمہارے پاس خدا کی قسم ایک نبی برحق کے پاس سے آ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ فلاں نماز فلاں وقت پڑھو اور فلاں نماز فلاں وقت پڑھو۔ اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان کہے، اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو وہ امامت کرے۔“

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ فتح مکہ کا واقعہ حالات کو تبدیل کرنے میں، اسلام کو قوت بخشنے میں، اہل عرب کا موقف متعین کرنے میں اور اسلام کے سامنے انہیں سپر انداز کرنے میں کتنے گہرے اور دُور رس اثرات رکھتا تھا۔ یہ کیفیت غزوہ تبوک کے بعد پختہ سے پختہ تر ہو گئی۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ان دو برسوں ۶۳۰ء اور ۶۳۱ء — میں مدینہ آنے والے وفود کا تانا باندا بندھا ہوا تھا اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے تھے، یہاں تک کہ وہ اسلامی لشکر جو فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار سپاہ پر مشتمل تھا اس کی تعداد غزوہ تبوک میں (جبکہ ابھی فتح مکہ پر پورا ایک سال بھی نہیں گزرا تھا) اتنی بڑھ گئی کہ وہ تیس ہزار فوجیوں کے

ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں تبدیل ہو گیا؛ پھر ہم حجۃ الوداع میں دیکھتے ہیں کہ ایک لاکھ ۲۴ ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار اہل اسلام کا سیلاب امنڈ پڑا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے گرد اگر دس طرح بلیک پکارتا، تبکیر کہتا اور حمد و تسبیح کے نغمے گنگنا تا ہے کہ آفاق گونج اٹھتے ہیں اور وادی و کوہ سار نغمہ توحید سے معمور ہو جاتے ہیں۔

اہل مغازی نے جن دفود کا تذکرہ کیا ہے ان کی تعداد ستر سے زیادہ ہے۔ لیکن یہاں نہ تو ان

دفود

سب کے ذکر کی گنجائش ہے اور نہ ان کے تفصیلی بیان میں کوئی بڑا فائدہ ہی مضمر ہے اس لیے ہم صرف انہی دفود کا ذکر کر رہے ہیں جو تاریخی حیثیت سے اہمیت و ندرت کے حامل ہیں۔ قارئین کرام کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اگرچہ عام قبائل کے دفود فتح مکہ کے بعد خدمت نبویؐ میں حاضر ہونا شروع ہوئے تھے لیکن بعض بعض قبائل ایسے بھی تھے جن کے دفود فتح مکہ سے پہلے ہی مدینہ آچکے تھے۔ یہاں ہم ان کا ذکر بھی کر رہے ہیں۔

۱۔ وفد عبدالقیس — اس قبیلے کا وفد دوبار خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا تھا۔ پہلی بار شہ ۹۷۰ میں یا اس سے بھی پہلے اور دوسری بار عام الوفود ۹۷۰ء میں۔ پہلی بار اس کی آمد کی وجہ یہ ہوئی کہ اس قبیلے کا ایک شخص منقذ بن حبان سامان تجارت لے کر مدینہ آیا جایا کرتا تھا۔ وہ جب نبی ﷺ کی ہجرت کے بعد پہلی بار مدینہ آیا اور اسے اسلام کا علم ہوا تو وہ مسلمان ہو گیا اور نبی ﷺ کا ایک خط لے کر اپنی قوم کے پاس گیا۔ ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اور ان کے ۱۳ یا ۱۴ آدمیوں کا ایک وفد خدمت دالے ہینے میں خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا۔ اسی وفد اس وفد نے نبی ﷺ سے ایمان اور مشروبات کے متعلق سوال کیا تھا۔ اس وفد کا سربراہ الاشج العصریؓ تھا جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم میں دو ایسی خصلتیں ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے۔ (۱) دُور اندیشی اور (۲) بُر دباری۔

دوسری بار اس قبیلے کا وفد جیسا کہ بتایا گیا وفد دالے سال میں آیا تھا۔ اس وقت ان کی تعداد چالیس تھی اور ان میں علماء بن جارد و عبدی تھا جو نصرانی تھا، لیکن مسلمان ہو گیا اور اس کا اسلام بہت خوب رہا۔

۲۔ وفدِ دوس — یہ وفد شہ ۹۷۰ء کے اوائل میں مدینہ آیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے۔ آپ پھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ اس قبیلے کے سربراہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اس وقت حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے۔ پھر انہوں نے اپنی قوم میں واپس جا کر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام مسلسل کیا لیکن ان کی قوم برابر ناتواں اور تاخیر کرتی رہی یہاں تک کہ حضرت طفیل ان کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ پھر انہوں نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ قبیلہ دوس پر

بددعا کر دیجئے لیکن آپ نے فرمایا: اے اللہ! دوس کو ہدایت دے۔ اور آپ کی اس دُعا کے بعد اس قبیلے کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ حضرت طفیل نے اپنی قوم کے شریا سستی گھرانوں کی جمعیت لے کر سحری کے اوائل میں اس وقت مدینہ ہجرت کی جب نبی ﷺ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ اس کے بعد حضرت طفیل رضی اللہ عنہ خیبر میں آپ کے ساتھ جا ملے۔

۳۔ فرزہ بن عمرو جذامی کا پیغام رسان — حضرت فرزہ، رومی سپاہ کے اندر ایک عربی کمانڈر تھے۔ انہیں رومیوں نے اپنی حدود سے متصل عرب علاقوں کا گورنر بنا رکھا تھا۔ ان کا مرکز معان (جنوبی اردن) تھا اور عملداری گرد و پیش کے علاقے میں تھی۔ انہوں نے جنگِ موتہ (۶۲۸ء) میں مسلمانوں کی معرکہ آرائی، شجاعت اور جنگی پختگی دیکھ کر اسلام قبول کر لیا اور ایک قاصد بھیج کر رسول اللہ ﷺ کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔ تحفہ میں ایک سفید خچر بھی بھجوا دیا۔ رومیوں کو ان کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو انہوں نے پہلے تو انہیں گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا پھر اختیار دیا کہ یا تو مرتد ہو جائیں یا موت کے لیے تیار رہیں۔ انہوں نے ارتداد پر موت کو ترجیح دی۔ چنانچہ انہیں فلسطین میں عفرہ نامی ایک چشمے پر سولی دے کر شہید کر دیا گیا۔

۴۔ وفدِ صداء — یہ وفد سحری میں جعزانہ سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے چار سو مسلمانوں کی ایک مہم تیار کر کے اسے حکم دیا کہ مین کا وہ گوشہ روند آویں جس میں قبیلہ صداء رہتا ہے۔ یہ مہم ابھی وادی قناتہ کے سرے پر خیمہ زن تھی کہ حضرت زیاد بن حارث صدائی کو اس کا علم ہو گیا۔ وہ بھاگ بھاگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے پیچھے جو لوگ ہیں میں ان کے نمائندہ کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں لہذا آپ لشکر واپس بلا لیں۔ اور میں آپ کے لیے اپنی قوم کا ضامن ہوں۔ آپ نے وادی قناتہ ہی سے لشکر واپس بلا لیا۔ اس کے بعد حضرت زیاد نے اپنی قوم میں واپس جا کر انہیں ترغیب دی کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ان کی ترغیب پر پندرہ آدمی خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام پر بیعت کی۔ پھر اپنی قوم میں واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کی، اور ان میں اسلام پھیل گیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ان کے ایک سو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شرفِ باریابی حاصل کیا۔

۵۔ کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ کی آمد — یہ شخص ایک شاعر خانوادے کا چشم و چراغ تھا اور خود بھی عرب کا عظیم ترین شاعر تھا۔ یہ کافر تھا اور نبی ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ امام حاکم کے بقول یہ بھی ان

مجرموں کی فہرست میں شامل تھا جن کے متعلق فتح مکہ کے موقع پر حکم دیا گیا تھا کہ اگر وہ خانہ کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے پائے جائیں تو بھی ان کی گردن مار دی جائے۔ لیکن یہ شخص بچ نکلا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ غزوہ طائف (۶۳۰ء) سے واپس ہوتے تو کعب کے پاس اس کے بھائی: بحیر بن زہیر نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے کئی ان افراد کو قتل کر دیا ہے جو آپ کی ہجو کرتے اور آپ کو ایذا میں پہنچاتے تھے۔ قریش کے بچے کچھے شعراء میں سے جس کے جد ہر سینگ سمائے ہیں نکل بھاگا ہے لہذا اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس اڑ کر آ جاؤ، کیونکہ کوئی بھی شخص توبہ کر کے آپ کے پاس آجائے تو آپ اسے قتل نہیں کرتے؛ اور اگر یہ بات منظور نہیں تو پھر جہاں نجات مل سکے نکل بھاگو۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں میں مزید خط و کتابت ہوئی جس کے نتیجے میں کعب بن زہیر کو زمین تنگ محسوس ہونے لگی اور اسے اپنی جان کے لئے پڑتے نظر آئے اس لیے آخر کار وہ مدینہ آ گیا اور جہینہ کے ایک آدمی کے ہاں مہمان ہوا۔ پھر اسی کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوا تو جہینہ نے اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا بیٹھا اور اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اسے پہچانتے نہ تھے۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! کعب بن زہیر توبہ کر کے مسلمان ہو گیا ہے اور آپ سے امن کا خواستگار بن کر آیا ہے تو کیا اگر میں اسے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں تو آپ اس کے اسلام کو قبول فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ یہ سن کر ایک انصاری صحابی اس پر جھپٹ پڑے اور اس کی گردن مارنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا: چھوڑ دو، یہ شخص تائب ہو کر اور پچھلی باتوں سے دست کش ہو کر آیا ہے۔ اس کے بعد اسی موقع پر کعب بن زہیر نے اپنا مشہور قصیدہ آپ کو پڑھ کر سنایا جس کی ابتدا یوں ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول مستیم اشرہالم یفد، مکتبول

”سعاد دور ہو گئی تو میرا دل بے قرار ہے۔ اس کے پیچھے دارفتہ اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کا فدیہ نہیں دیا گیا۔“

اس قصیدے میں کعب نے رسول اللہ ﷺ سے معذرت کرتے ہوئے اور آپ کی مدح کرتے

ہوئے آگے یوں کہا ہے:

نُبِئتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ أَوْعَدَنِي وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ مَأْمُولُ
مَهْلًا هَذَا الَّذِي أَعْطَاكَ نَافِلَةً ... قُلَانِ نِيهَا مَوَاعِظُ وَتَفْصِيلُ
لَا تَأْخُذَنِ بِأَقْوَالِ الْوَشَاةِ وَلَمْ أُذْنِبْ وَلَوْ كَثُرَتْ فِي الْإِقْأَوِيلِ
لَقَدْ أَقَوْمُ مَقَامًا لَوْ يَقُومُ بِهِ أَرَى وَأَسْمَعُ مَا لَوْ يَسْمَعُ الْفِيلُ

لَفَلَّ يَرَعْدُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُ
 مِنْ الرِّسُولِ بِإِذْنِ اللَّهِ تَنْوِيلٌ
 حَتَّى وَضَعْتُ يَمِينِي مَا أَنَا زَعِي
 فِي كَفِّ ذِي نَقَمَاتٍ قِيلَهُ الْقِيلُ
 وَقِيلَ ! إِنَّكَ مَنْسُوبٌ وَمَسْئُولٌ
 فَكَلِّمْهُمْ أَخَوْفٌ عِنْدِي إِذَا كَلَّمْتَهُ
 مِنْ ضَيْغٍ بِضَاءِ الْأَرْضِ مَخْدَرِ
 فِي بَطْنِ عَشْرِ غِيلٍ دُونَهُ غِيلُ
 إِنَّ الرِّسُولَ لَنُؤَدِّيُ تَضَائِبَهُ
 مُهَيَّئًا مِنْ سَيُوفِ اللَّهِ مَسْئُولُ

”مجھے بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول نے مجھے دھکی دی ہے، حالانکہ اللہ کے رسول سے درگزر کی توقع ہے۔ آپؐ ٹھہریں چغٹوروں کی بات نہ لیں — وہ ذات آپؐ کی رہنمائی کرے جس نے آپؐ کو نصائح اور تفصیل سے پُر قرآن کا تحفہ دیا ہے — اگرچہ میرے بارے میں باتیں بہت کہی گئی ہیں، لیکن میں نے جرم نہیں کیا ہے۔ میں ایسی جگہ کھڑا ہوں اور وہ باتیں دیکھ اور سن رہا ہوں کہ اگر ہاتھی بھی وہاں کھڑا ہو اور ان باتوں کو سُننے اور دیکھنے تو تھرا تھرا رہ جاتے۔ سوائے اس صورت کے کہ اس پر اللہ کے اذن سے رسولؐ کی نوازش ہو۔ حتیٰ کہ میں نے اپنا ہاتھ کسی نزع کے بغیر اس ہستی معترم کے ہاتھ میں رکھ دیا جسے انتقام پر پوری قدرت ہے اور جس کی بات بات ہے۔ جب میں اس سے بات کرتا ہوں — دراصل ایک مجھ سے کہا گیا ہے کہ تمہاری طرف (فلاں فلاں باتیں) منسوب ہیں اور تم سے باز پرس کی جائے گی — تو وہ میرے نزدیک اس شیرے بھی زیادہ خوفناک ہوتے ہیں جس کا کچھار کسی ہلاکت خیز وادی کے بطن میں واقع کسی ایسی سخت زمین میں ہو جس سے پہلے بھی ہلاکت ہی ہو۔ یقیناً رسولؐ ایک نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اللہ کی تلواروں میں سے ایک سونتی ہوئی ہندی تلوار ہیں۔“

اس کے بعد کعب بن زہیر نے مہاجرین قریش کی تعریف کی، کیونکہ کعب کی آمد پر ان کے کسی آدمی نے خیر کے سوا کوئی بات اور حرکت نہیں کی تھی، لیکن ان کی مدح کے دوران انصار پر طنز کی، کیونکہ ان کے ایک آدمی نے ان کی گردن مارنے کی اجازت چاہی تھی۔ چنانچہ کہا

يَمْشُونَ مَشَى الْجَمَالِ الزَّهْرِ عِصْمَهُمْ
 ضَرْبُ إِذَا عَرَدَ السُّودُ التَّنَابِيلُ

”وہ (قریش) خوبصورت، منگتے اونٹ کی چال چلتے ہیں اور شمیر زنی ان کی حفاظت کرتی ہے جب کہ نمائے کھوٹے، کالے کھوٹے لوگ راستہ چھوڑ کر بھاگتے ہیں۔“

لیکن جب وہ مسلمان ہو گیا، اور اس کے اسلام میں عہدگی آگئی تو اس نے ایک قصیدہ انصار کی مدح میں کہا اور ان کی شان میں اس سے جو غلطی ہو گئی تھی اس کی تلافی کی۔ چنانچہ اس قصیدے میں کہا:

مِنْ سِرِّهِ كَرَمِ الْحَيَاةِ فَلَا يَزِلُ
 فِي مَقْنَبٍ مِنْ صَالِحِي الْأَنْصَارِ

ورثوالمکارم کابرا عن کابرو اِنَّ الْخِيَارَ هُمْ بَيْنُ الْاِخْمَارِ

”جسے کریمانہ زندگی پسند ہو وہ ہمیشہ صالح انصار کے کسی دستے میں رہے۔ انہوں نے خوبیاں باپ دادا

سے ورثہ میں پائی ہیں۔ درحقیقت اچھے لوگ وہی ہیں جو اچھوں کی اولاد ہوں۔“

۶۔ وفدِ عذرہ — یہ وفدِ صفر ۱ھ میں مدینہ آیا۔ بارہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس میں حمزہ بن نعمان بھی تھے۔ جب وفد سے پوچھا گیا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ تو ان کے نمائندے نے کہا، ہم بنو عذرہ ہیں۔ قصی کے انخیانی بھائی۔ ہم نے ہی قصی کی تائید کی تھی اور خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ سے نکالا تھا۔ (یہاں) ہمارے رشتے اور قربت دایاں ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے خوش آمدید کہا اور ملکِ شام کے فتح کیے جانے کی بشارت دی۔ نیز انہیں کاہنہ عورتوں سے سوال کرنے سے منع کیا اور ان ذبیحوں سے روکا جنہیں یہ لوگ (حالتِ شرک میں) ذبح کیا کرتے تھے۔ اس وفد نے اسلام قبول کیا اور چند روز ٹھہر کر واپس گیا۔

۷۔ وفدِ بلی — یہ ربیع الاول ۱ھ میں مدینہ آیا اور علقہ بگوشِ اسلام ہو کر تین روز مقیم رہا۔ دورانِ قیام وفد کے رئیس ابوالضبیب نے دریافت کیا کہ کیا ضیافت میں بھی اجر ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں! کسی مالدار یا فقیر کے ساتھ جو بھی اچھا سلوک کر دے وہ صدقہ ہے۔ اس نے پوچھا مدتِ ضیافت کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا: تین دن۔ اس نے پوچھا کسی لاپتہ شخص کی گمشدہ بھیڑ بکری مل جائے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تمہارے لیے ہے یا تمہارے بھائی کے لیے یا پھر بھیڑیے کے لیے ہے۔ اس کے بعد اس نے گمشدہ اونٹ کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، تمہیں اس سے کیا واسطہ؟ اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ اسکا مالک اُسے پا جائے۔

۸۔ وفدِ ثقیف — یہ وفدِ رمضان ۱ھ میں تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد حاضر ہوا۔ اس قبیلے میں اسلام پھیلنے کی صورت یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ ذی قعدہ ۱ھ میں جب غزوہ طائف سے واپس ہوئے تو آپ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اس قبیلے کے سردار عروہ بن مسعود نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ پھر اپنے قبیلہ میں واپس جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ چونکہ اپنی قوم کا سردار تھا اور صرف یہی نہیں کہ اس کی بات مانی جاتی تھی بلکہ اسے اس قبیلے کے لوگ اپنی لڑکیوں اور عورتوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتے تھے اس لیے اس کا خیال تھا کہ لوگ اس کی اطاعت کریں گے۔ لیکن جب اس نے اسلام کی دعوت دی تو اس توقع کے بالکل برعکس لوگوں نے اس پر ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور اسے جان سے مار ڈالا۔ پھر اسے قتل کرنے کے بعد چند مہینے تو یوں ہی مقیم رہے لیکن اس کے بعد انہیں احساس ہوا کہ گرد و پیش کا علاقہ جو سلمان ہو چکا ہے اس سے ہم مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے لہذا انہوں نے باہم مشورہ کر کے

طے کیا کہ ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجیں اور اس کے لیے عبدِ یاکیل بن عمرو سے بات چیت کی مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اس کے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کیا جائے جو عروہ بن مسعود کے ساتھ کیا جا چکا ہے اس لیے اس نے کہا، میں یہ کام اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک میرے ساتھ مزید کچھ آدمی نہ بھیجوں۔ لوگوں نے اس کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا اور اس کے ساتھ حلیفوں میں سے دو آدمی اور بنی مالک میں سے تین آدمی لگا دیئے۔ اس طرح کل چھ آدمیوں کا وفد تیار ہو گیا۔ اسی وفد میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی بھی تھے جو سب سے زیادہ کم عمر تھے۔

جب یہ لوگ خدمتِ نبویؐ میں پہنچے تو آپؐ نے ان کے لیے مسجد کے ایک گوشے میں ایک قبۃ لگوا دیا تاکہ یہ قرآن سن سکیں اور صحابہ کرام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ سکیں۔ پھر یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے جاتے رہے اور آپؐ انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ آخر ان کے سردار نے سوال کیا کہ آپؐ اپنے اور ثقیف کے درمیان ایک معاہدہ صلح لکھ دیں جس میں زنا کاری، شراب نوشی اور سود خوری کی اجازت ہو۔ ان کے معبود ”لات“ کو برقرار رہنے دیا جائے انہیں نماز سے معاف رکھا جائے اور ان کے بُت خود ان کے ہاتھوں سے نہ توڑوائے جائیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کوئی بھی بات منظور نہ کی۔ لہذا انہوں نے تنہائی میں مشورہ کیا مگر انہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سپردِ آلنے کے سوا کوئی تدبیر نظر نہ آئی۔ آخر انہوں نے یہی کیا اور اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ البتہ یہ شرط لگائی کہ ”لات“ کو ڈھانے کا انتظام رسول اللہ ﷺ خود فرمادیں، ثقیف اسے اپنے ہاتھوں سے ہرگز نہ ڈھائیں گے۔ آپؐ نے یہ شرط منظور کر لی اور ایک نوشتہ لکھ دیا اور عثمان بن ابی العاص ثقفی کو ان کا امیر بنادیا کیونکہ وہی اسلام کو سمجھنے اور دین و قرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش اور عریض تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وفد کے ارکان ہر روز صبح خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوتے تھے لیکن عثمان بن ابی العاص کو اپنے ڈیرے پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس لیے جب وفد واپس آکر دوپہر میں قیلو کہرتا تو حضرت عثمان بن ابی العاص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن پڑھتے اور دین کی باتیں دریافت کرتے اور جب آپؐ کو استراحت فرماتے ہوئے پاتے تو اسی مقصد کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چلے جاتے (حضرت عثمان بن ابی العاص کی گورنری بڑی بابرکت ثابت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب خلافت صدیقی میں ارتداد کی لہر چلی اور ثقیف نے بھی مرتد ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے مخاطب کر کے کہا: ”ثقیف کے لوگو! تم سب سے اخیر میں اسلام لائے ہو۔ اس لیے سب سے پہلے مرتد نہ ہو۔“

یہ سن کر لوگ ارتداد سے رک گئے اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔

بہر حال وفد نے اپنی قوم میں واپس آکر اصل حقیقت چھپائے رکھی اور قوم کے سامنے لڑائی اور مار دھاڑ کا ہوا کھڑا کیا اور حزن و غم کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے مطالبہ کیا ہے کہ اسلام قبول کر لیں اور زنا، شراب اور سود چھوڑ دیں ورنہ سخت لڑائی کی جائے گی۔ یہ سن کر پہلے تو ثقیف پر سخت جاہلیہ غالب آئی اور وہ دو تین روز تک لڑائی ہی کی بات سوچتے رہے، لیکن پھر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے وفد سے گزارش کی کہ وہ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس جائے اور آپ کے مطالبات تسلیم کر لے۔ اس مرحلے پر پہنچ کر وفد نے اصل حقیقت ظاہر کی اور جن باتوں پر مصاحت ہو چکی تھی ان کا اظہار کیا۔ ثقیف نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے لات کو ڈھلنے کے لیے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں چند صحابہ کی ایک ذرا سی نفری روانہ فرمائی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کھڑے ہو کر گرز اٹھایا اور اپنے ساتھیوں سے کہا، واللہ میں ذرا آپ لوگوں کو ثقیف پر ہنساؤں گا۔ اس کے بعد لات پر گرز مار کر خود ہی گر پڑے اور ایڑیاں پٹکنے لگے۔ یہ بناؤٹی منظر دیکھ کر اہل طائف پر ہول طاری ہو گیا۔ کہنے لگے: اللہ مغیرہ کو ہلاک کرے، اسے دیوی نے مار ڈالا۔ اتنے میں حضرت مغیرہ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اللہ تمہارا بُرا کرے۔ یہ تو پتھر اور مٹی کا تماشہ ہے۔ پھر انہوں نے دروازے پر ضرب لگائی اور اسے توڑ دیا۔ اس کے بعد سب سے اونچی دیوار پر چڑھے اور ان کے ساتھ کچھ اور صحابہ بھی چڑھے۔ پھر اسے ڈھالتے ڈھالتے زمین کے برابر کر دیا حتیٰ کہ اس کی بنیاد بھی کھود ڈالی اور اس کا زیور اور لباس نکال لیا۔ یہ دیکھ کر ثقیف دم بخود رہ گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ زیور اور لباس لے کر اپنی ٹیم کے ساتھ واپس ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کچھ اسی دن تقسیم فرما دیا اور نبی کی نصرت اور دین کے اعزاز پر اللہ کی حمد کی۔

۹۔ شاہانِ مین کا خط — تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی کے بعد شاہانِ حِمْیَر یعنی حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور رَعِین، ہمدان اور معافر کے سربراہ نعمان بن قیل کا خط آیا۔ نامہ بر مالک بن مُرہ رہادی تھا۔ ان بادشاہوں نے اپنے اسلام لانے اور شرک و اہل شرک سے علیحدگی اختیار کرنے کی اطلاع دے کر اسے بھیجا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس ایک جوانی خط لکھ کر واضح فرمایا کہ اہل ایمان کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ آپ نے اس خط میں معاہدین کے لیے اللہ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ بھی دیا تھا،

بشرطیکہ وہ مقررہ جزیہ ادا کریں۔ اس کے علاوہ آپؐ نے کچھ صحابہ کو یمن روانہ فرمایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔

۱۰۔ وفد ہمدان — یہ وفد ۳۵ھ میں تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک تحریر لکھ کر، جو کچھ انہوں نے مانگا تھا عطا فرمادیا اور ملک بن نسط کو ان کا امیر مقرر کیا، ان کی قوم کے جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کا گورنر بنایا اور باقی لوگوں کے پاس اسلام کی دعوت دینے کے لیے حضرت خالد بن ولید کو بھیج دیا۔ وہ چھ مہینے مقیم رہ کر دعوت دیتے رہے لیکن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر آپؐ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو بھیجا اور حکم دیا کہ وہ خالد کو واپس بھیج دیں۔ حضرت علیؓ نے قبیلہ ہمدان کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ کا خط سنایا اور اسلام کی دعوت دی تو سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی بشارت بھیجی۔ آپؐ نے خط پڑھا تو سجدے میں گر گئے۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا، ہمدان پر سلام، ہمدان پر سلام۔

۱۱۔ وفد بنی قریظہ — یہ وفد ۳۵ھ میں تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی کے بعد آیا۔ اس میں دس سے کچھ زیادہ افراد تھے اور سب کے سب اسلام لا چکے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے علاقے کی قحط سالی کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا کی۔ آپؐ نے فرمایا: ”اے اللہ! اپنے ملک اور اپنے چوپایوں کو میرا بکر، اپنی رحمت پھیل، اپنے مردہ شہر کو زندہ کر۔ اے اللہ! ہم پر ایسی بارش برسا جو ہماری فریاد رسی کر دے، راحت پہنچا دے، خوش گوار ہو، پھیلی ہوئی ہمہ گیر ہو جلد آئے، دیر نہ کرے، نفع بخش ہو، نقصان رسا نہ ہو۔ اے اللہ! رحمت کی بارش، عذاب کی بارش نہیں اور نہ ڈھانے والی، نہ غرق کرنے والی اور نہ مٹانے والی بارش۔ اے اللہ! ہمیں بارش سے سیراب کر، اور دشمنوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔“

۱۲۔ وفد نجران — (ن پر زبر، ج ساکن۔ مکہ سے یمن کی جانب سات مرحلے پر ایک بڑا علاقہ تھا جو ۳۷ بستیوں پر مشتمل تھا۔ تیز رفتار سوار ایک دن میں پورا علاقہ طے کر سکتا تھا۔ اس علاقہ میں ایک لاکھ مردان جنگی تھے جو سب کے سب عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔)

نجران کا وفد ۳۵ھ میں آیا۔ یہ ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ۲۴ آدمی اشراف سے تھے جن میں سے تین آدمیوں کو اہل نجران کی سربراہی و سرکردگی حاصل تھی۔ ایک عاقب جس کے ذمہ امارت و حکومت کا کام تھا

اور اس کا نام عبدالمسیح تھا۔ دوسرا سید جوثقانی اور سیاسی امور کا نگران تھا اور اس کا نام انہم یا شریضیل تھا۔
تیسرا اسقف (لاٹ پادری) جو دینی سربراہ اور روحانی پیشوا تھا۔ اس کا نام ابو عارثہ بن علقمہ تھا۔

دفد نے مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ سے ملاقات کی۔ پھر آپ نے ان سے کچھ سوالات کئے اور انہوں نے آپ سے کچھ سوالات کئے۔ اس کے بعد آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن حکیم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں لیکن انہوں نے اسلام قبول نہ کیا اور دریافت کیا کہ آپ مسیح علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے اس روز دن بھر توقف کیا یہاں تک کہ آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں :

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلُ لَكَ الْكَاذِبِينَ ۝ (۱۳: ۵۹-۶۷)

”بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے اے مٹی سے پیدا کیا پھر اس سے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ پھر تمہارے پاس علم آ جانے کے بعد جو کوئی تم سے اس (عیسیٰ) کے بارے میں حجت کرے تو اس سے کہہ دو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو پھر مباہلہ کریں (اللہ سے گڑگڑا کر دعا کریں) پس اللہ کی لعنت ٹھہرائیں جھوٹوں پر۔“

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان ہی آیات کریمہ کی روشنی میں انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے قول سے آگاہ کیا اور اس کے بعد دن بھر انہیں غور و فکر کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ لیکن انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر جب اگلی صبح ہوئی — درآنحالیکہ دفد کے ارکان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کی بات تسلیم کرنے اور اسلام لانے سے انکار کر چکے تھے — تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں مباہلے کی دعوت دی اور آپ حسن و حسین رضی اللہ عنہما سمیت ایک چادر میں لپیٹے ہوئے تشریف لائے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چل رہی تھیں۔ جب دفد نے دیکھا کہ آپ واقعی بالکل تیار ہیں تو تنہائی میں جا کر مشورہ کیا۔ عاقب اور سید دونوں نے ایک دوسرے سے کہا: ”دیکھو مباہلہ نہ کرنا۔ خدا کی قسم اگر یہ نبی ہے، اور ہم نے اس سے ملاعت کر لی تو ہم اور ہمارے پیچھے ہماری اولاد ہرگز کامیاب نہ ہوگی۔ رُوئے زمین پر ہمارا ایک بال اور ناخن بھی تباہی سے نہ بچ سکے گا۔“ آخر ان کی

رائے یہ ٹھہری کہ رسول اللہ ﷺ ہی کو اپنے بارے میں حکم بنایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کا جو مطالبہ ہو ہم اسے ماننے کو تیار ہیں۔ اس پیش کش پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے جزیہ لینا منظور کیا، اور دو ہزار جوڑے کپڑوں پر مصاحبت فرمائی؛ ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں۔ اور طے کیا کہ ہر جوڑے کے ساتھ ایک اوقیہ (ایک سو باون گرام چاندی) بھی ادا کرنی ہوگی۔ اس کے عوض آپ نے انہیں اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ عطا فرمایا اور دین کے بارے میں مکمل آزادی مرحمت فرمائی۔ اس سلسلے میں آپ نے انہیں ایک باقاعدہ نوشتہ لکھ دیا۔ ان لوگوں نے آپ سے گزارش کی آپ ان کے ہاں ایک امین (امانت دار) آدمی روانہ فرمائیں۔ اس پر آپ نے صلح کا مال وصول کرنے کے لیے اس اُمت کے امین حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

اس کے بعد ان کے اندر اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ اہل سیر کامیان ہے کہ سید اور عاقب نجران پلٹنے کے بعد مسلمان ہو گئے۔ پھر نبی ﷺ نے ان سے صدقات اور جزیہ لانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ صدقہ مسلمانوں ہی سے لیا جاتا ہے۔

۱۳۔ وفد بنی حنیفہ — یہ وفد ۹ھ میں مدینہ آیا۔ اس میں مسلمہ کذاب سمیت ستر آدمی تھے۔^۹ مسلمہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: مسلمہ بن ثمامہ بن کبیر بن حبیب بن حارث — یہ وفد ایک انصاری صحابی کے مکان پر اُترا۔ پھر خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ البتہ مسلمہ کذاب کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ تمام روایات پر مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اکڑ، تکبر اور امارت کی ہوس کا اظہار کیا اور وفد کے باقی ارکان کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ نبی ﷺ نے پہلے تو قولاً اور فعلاً اچھے اور شریفانہ برتاؤ کے ذریعہ اس کی دلجوئی کرنی چاہی لیکن جب دیکھا کہ اس شخص پر اس برتاؤ کا کوئی مفید اثر نہیں پڑا تو آپ نے اپنی فراست سے تاڑ لیا کہ اس کے اندر شر ہے۔

اس سے قبل نبی ﷺ یہ خواب دیکھ چکے تھے کہ آپ کے پاس روتے زمین کے خزانے لاکر رکھ دیے گئے ہیں اور اس میں سے سونے کے دو کنگن آپ کے ہاتھ میں آ پڑے ہیں۔ آپ کو یہ دونوں بہت گراں اور رنج وہ محسوس ہوئے۔ چنانچہ آپ کو وحی کی گئی کہ ان دونوں کو پھونک دیجئے۔ آپ نے پھونک دیا تو وہ

۹ فتح الباری ۸/۹۲، ۹۵، زاد المعاد ۳/۳۸ تا ۴۱۔ وفد نجران کی تفصیلات میں روایات کے اندر خاصا اضطراب

ہے اور اسی وجہ سے بعض محققین کا رجحان ہے کہ نجران کا وفد دوبارہ مدینہ آیا۔ لیکن ہمارے نزدیک وہی بات

راجح ہے جسے ہم نے اوپر مختصراً بیان کیا ہے۔ ۹ فتح الباری ۸/۸۷

دونوں اڑ گئے۔ اس کی تعبیر آپؐ نے یہ فرمائی کہ آپؐ کے بعد دو کذاب (پرے درجے کے جھوٹے) نکلیں گے۔ چنانچہ جب مسلمہ کذاب نے اڑا اور انکار کا اظہار کیا — وہ کہتا تھا کہ اگر محمدؐ نے کاروبار حکومت کو اپنے بعد میرے حوالے کرنا طے کیا، تو میں ان کی پیروی کروں گا — تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت آپؐ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھی اور آپؐ کے ہمراہ آپؐ کے خطیب حضرت ثابت بن قیس بن شکس رضی اللہ عنہ تھے۔ مسلمہ اپنے ساتھیوں کے درمیان موجود تھا۔ آپؐ اس کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور گفتگو فرمائی۔ اس نے کہا: ”اگر آپؐ چاہیں تو ہم حکومت کے معاملے میں آپؐ کو آزاد چھوڑ دیں، لیکن اپنے بعد اس کو ہمارے لیے طے فرمادیں۔“ آپؐ نے (کھجور کی شاخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: ”اگر تم مجھ سے یہ ٹکڑا چاہو گے تو تمہیں یہ بھی نہ دوں گا؛ اور تم اپنے بارے میں اللہ کے مقرر کئے ہوئے فیصلے سے آگے نہیں جاسکتے، اور اگر تم نے پیٹھ پھیری تو اللہ تمہیں توڑ کر رکھ دے گا۔ خدا کی قسم! میں تجھے وہی شخص سمجھتا ہوں جس کے بارے میں مجھے وہ (خواب) جو دکھلایا گیا ہے۔ اور یہ ثابت بن قیس ہیں جو تمہیں میری طرف سے جواب دیں گے۔“ اس کے بعد آپؐ واپس چلے آئے۔

بالآخر وہی ہوا جس کا اندازہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی فراست سے کر لیا تھا؛ یعنی مسلمہ کذاب یمامہ واپس جا کر پہلے تو اپنے بارے میں غور کرتا رہا، پھر دعویٰ کیا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کارِ نبوت میں شریک کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جمع گھڑنے لگا۔ اپنی قوم کے لیے زنا اور شراب حلال کر دی اور ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ شہادت بھی دیتا رہا کہ آپؐ اللہ کے نبی ہیں۔ اس شخص کی وجہ سے اس کی قوم فتنے میں پڑ کر اس کی پیروی کا وہم آواز بن گئی۔ نتیجہً اس کا معاملہ نہایت سنگین ہو گیا۔ اس کی اتنی قدر و منزلت ہوئی کہ اسے یمامہ کا رحمان کہا جانے لگا۔ اب اس نے رسول اللہ ﷺ کو ایک خط لکھا: ”مجھے اس کام میں آپؐ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے۔ آدھی حکومت ہمارے لیے ہے اور آدھی قریش کے لیے۔“ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں لکھا: ”زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام متقیوں کے لیے ہے۔“

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال مسلمہ کے قاصد بن کر نبی ﷺ کے پاس آئے تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: ”تم دونوں شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟“ انہوں نے کہا: ”ہم شہادت دیتے ہیں کہ مسلمہ اللہ کا رسول ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میں اللہ اور اس

کے رسول (محمد) پر ایمان لایا۔ اگر میں کسی قاصد کو قتل کرتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔
 میلہ کذاب نے سنہ ۳۷ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور ربیع الاول ۳۸ میں برہم خلافت صدیقی
 پیامہ کے اندر قتل کیا گیا۔ اس کا قاتل وہی وحشی تھا جس نے حضرت حمزہ کو قتل کیا تھا۔
 ایک مدعی نبوت تو یہ تھا جس کا یہ انجام ہوا۔ ایک دوسرا مدعی نبوت انسود غنسی تھا جس نے یمن
 میں فساد برپا کر رکھا تھا۔ اسے نبی ﷺ کی وفات سے صرف ایک دن اور ایک رات پہلے حضرت فیروز
 نے قتل کیا۔ پھر آپ کے پاس اس کے متعلق وحی آئی اور آپ نے صحابہ کرام کو اس واقعہ سے باخبر کیا۔ اس کے
 بعد یمن سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس باقاعدہ خبر آئی۔

۱۴۔ وفد بنی عامر بن صعصعہ — اس وفد میں دشمن خدا عامر بن طفیل، حضرت لبید کا انخیانی بھائی اربد بن
 قیس، خالد بن جعفر اور جبار بن اسلم شامل تھے۔ یہ سب اپنی قوم کے سربراہ اور شیطانی تھے۔ عامر بن طفیل
 وہی شخص ہے جس نے بصرہ پر ستر صحابہ کرام کو شہید کرایا تھا۔ ان لوگوں نے جب مدینہ آنے کا ارادہ کیا تو
 عامر اور اربد نے باہم سازش کی کہ نبی ﷺ کو دھوکا دے کر اچانک قتل کر دیں گے۔ چنانچہ جب یہ وفد مدینہ
 پہنچا تو عامر نے نبی ﷺ سے گفتگو شروع کی اور اربد گھوم کر آپ کے پیچھے پہنچا اور بالشت بھر
 تلوار میان سے باہر نکالی، لیکن اس کے بعد اللہ نے اس کا ہاتھ روک لیا اور وہ تلوار بے نیام نہ کر سکا۔
 اللہ نے اپنے نبی کو محفوظ رکھا۔ نبی ﷺ نے ان دونوں پر بددعا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واپسی پر اللہ نے
 اربد اور اس کے اونٹ پر بجلی گرا دی جس سے اربد جل مرا۔ ادھر عامر ایک سلولیہ عورت کے ہاں اُترا،
 اور اسی دوران اس کی گردن میں گلی نکل آئی۔ اس کے بعد وہ یہ کہتا ہوا مر گیا کہ: آہ! اونٹ کی گلی جیسی گلی،
 اور ایک سلولیہ عورت کے گھر میں موت؟

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ عامر نے نبی ﷺ کے پاس آکر کہا: میں آپ کو تین باتوں کا اختیار
 دیتا ہوں (۱) آپ کے لیے دادی کے باشندے ہوں اور میرے لیے آبادی کے (۲) یا میں آپ کے بعد آپ
 کا خلیفہ ہوں (۳) ورنہ میں غطفان کو ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار گھوڑیوں سمیت آپ پر چڑھالادوں گا۔
 اس کے بعد وہ ایک عورت کے گھر میں طاعون کا شکار ہو گیا (جس پر اس نے فرط غم سے) کہا، کیا اونٹ کی
 گلی جیسی گلی؟ اور وہ بھی بنی فلاں کی ایک عورت کے گھر میں؟ میرے پاس میرا گھوڑا لاؤ۔ پھر وہ سوار ہوا،
 اور اپنے گھوڑے ہی پر مر گیا۔

۱۵۔ وفد تجیب — یہ وفد اپنی قوم کے صدقات کو جو فقرار سے فاضل بچ گئے تھے، لے کر مدینہ آیا۔ وفد میں تیرہ آدمی تھے جو قرآن و سنن پوچھتے اور سیکھتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ باتیں دریافت کیں تو آپ نے وہ باتیں انہیں لکھ دیں۔ وہ زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں تحائف سے نوازا تو انہوں نے اپنے ایک نوجوان کو بھی بھیجا جو ڈیرے پر بیٹھ رہ گیا تھا۔ نوجوان نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: حضور! خدا کی قسم! مجھے میرے علاقے سے اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں لانی ہے کہ آپ اللہ عز و جل سے میرے لیے یہ دُعا فرمادیں کہ وہ مجھے اپنی بخشش و رحمت سے نوازے اور میری مالداری میرے دل میں رکھ دے۔ آپ نے اس کے لیے یہ دُعا فرمائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص سب سے زیادہ قناعت پسند ہو گیا اور جب ارتداد کی لہر چلی تو صرف یہی نہیں کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہا بلکہ اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کی تو وہ بھی اسلام پر ثابت قدم رہی۔ پھر اہل وفد نے حجۃ الوداع سالہ میں نبی ﷺ سے دوبارہ ملاقات کی۔

۱۶۔ وفد طئی — اس وفد کے ساتھ عرب کے مشہور شہسوار زید الخیل بھی تھے۔ ان لوگوں نے جب نبی ﷺ سے گفتگو کی اور آپ نے ان پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور بہت اچھے مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے عرب کے جس کسی آدمی کی خوبی بیان کی گئی اور پھر وہ میرے پاس آیا تو میں نے اسے اس کی شہرت سے کچھ کمتر ہی پایا۔ مگر اس کے برعکس زید الخیل کی شہرت ان کی خوبیوں کو نہیں پہنچ سکی، اور آپ نے اُن کا نام زید الخیر رکھ دیا۔

اس طرح سالہ اور سالہ میں پے درپے وفود آئے۔ اہل یمن نے یمن، اُزد، ثُصاعہ کے بنی سعد، ہذیم، بنی عامر بن قیس، بنی اسد، بہرا، خلان، محارب، بنی حارث بن کعب، غامد، بنی منتفق، سلامان، بنی عبس، مزینہ، مراد، زبید، کندہ، ذی مرہ، غسان، بنی عیش اور نضج کے وفود کا تذکرہ کیا ہے۔ نضج کا وفد آخری وفد تھا جو محرم سالہ کے وسط میں آیا تھا اور دوسو آدمیوں پر مشتمل تھا۔ باقی بیشتر وفود کی آمد سالہ اور سالہ میں ہوئی تھی۔ صرف بعض وفود سالہ تک متاخر ہوئے تھے۔

ان وفود کی پے پے آمد سے پتا لگتا ہے کہ اس وقت اسلامی دعوت کو کس قدر فروغ اور قبول عام حاصل ہو چکا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل عرب مدینہ کو کتنی قدر اور تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے تھے حتیٰ کہ اس کے سامنے سپر انداز ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں سمجھتے تھے۔ درحقیقت مدینہ جزیرۃ العرب کا دارالحکومت بن چکا تھا اور کسی کے لیے اس سے صرف نظر ممکن نہ تھا۔ البتہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان سب لوگوں کے دلوں میں دین اسلام اثر کر چکا تھا۔ کیونکہ ان میں ابھی بہت سے ایسے اکھڑے بدو تھے جو محض اپنے مزارعوں

کی متابعت میں مسلمان ہو گئے تھے ورنہ ان میں قتل و غارت گری کا جو رجحان جبر پکڑ چکا تھا اس سے وہ پاک صاف نہیں ہوئے تھے اور ابھی اسلامی تعلیمات نے انہیں پورے طور پر مہذب نہیں بنایا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم کی سورہ توبہ میں ان کے بعض افراد کے اوصاف یوں بیان کئے گئے ہیں:

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُّ بِكُمُ الدَّوَائِرَ ۗ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ الشَّوْطِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (۹۸/۹۷-۹۹)

”اعراب (بدو) کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسولؐ پر جو کچھ نازل کیا ہے اس کے حدود کو نہ جانیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور بعض اعراب جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور تم پر گردشوں کا انتظار کرتے ہیں۔ ان ہی پر بُری گردش ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔“

جبکہ کچھ دوسرے افراد کی تعریف کی گئی ہے اور ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے :

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۚ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ ۖ تَسِيْدُ خَلْفَهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (۹۹/۹۸)

”اور بعض اعراب اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی قربت اور رسولؐ کی دُعائیں کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ ان کے لیے قربت کا ذریعہ ہے۔ عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔“

جہاں تک مکہ، مدینہ، ثقیف، یمن اور بحرین کے بہت سے شہری باشندوں کا تعلق ہے، تو ان کے اندر اسلام پختہ تھا اور ان ہی میں سے کبار صحابہ اور ساداتِ مسلمین ہوئے۔^{۱۲}

^{۱۲} یہ بات نخعی نے محاضرات ۱/۱۴۴ میں کہی ہے۔ اور جن ذہود کا ذکر کیا گیا یا جن کی طرف اشارہ کیا گیا ان کی تفصیل کے لیے دیکھئے: صحیح بخاری ۱/۱۳، ۲/۲۶۶ تا ۲۷۰، ابن ہشام ۲/۵۰۱ تا ۵۰۳، ۵۱۰ تا ۵۱۴، ۵۳۷ تا ۵۴۲، ۵۶۰ تا ۵۶۱، زاد المعاد ۳/۲۶ تا ۲۷، فتح الباری ۸/۸۳ تا ۱۰۳، رحمة للعالمین ۱/۸۴ تا ۲۱۷۔

دعوت کی کامیابی اور اثرات

اب ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخری ایام کے تذکرہ تک پہنچ رہے ہیں۔ لیکن اس تذکرہ کے لیے رہوارِ قلم کو آگے بڑھانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذرا اٹھ کر آپ کے اس جلیل الشان عمل پر ایک اجمالی نظر ڈالیں جو آپ کی زندگی کا خلاصہ ہے اور جس کی بنا پر آپ کو تمام نبیوں اور پیغمبروں میں یہ امتیازی مقام حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سر پر اولین و آخرین کی سیادت کا تاج رکھ دیا۔

آپ ﷺ سے کہا گیا کہ،

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمْ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ○ (۲/۱:۴۳)

”اے چادر پوشِ برات میں کھڑا ہو مگر تھوڑا“

اور يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنْذِرْ ○ (۲/۱:۴۴)

”اے کھل پوش! اٹھ اور لوگوں کو سنگین انجام سے ڈرا دے۔“

پھر کیا تھا؟ آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے کاندھے پر اس رُوتے زمین کی سب سے بڑی امانت کا بارِ گراں اٹھائے مسلسل کھڑے رہے؛ یعنی ساری انسانیت کا بوجھ سائے عقیدے کا بوجھ اور مختلف میدانوں میں جنگ و جہاد اور تنگ و تاز کا بوجھ،

آپ نے اس انسانی ضمیر کے میدان میں جنگ و جہاد اور تنگ و تاز کا بوجھ اٹھایا جو جاہلیت کے اوہام و تصورات کے اندر غرق تھا؛ جسے زمین اور اس کی گونا گوں کشش کے بار نے بوجھل کر رکھا تھا؛ جو شہوات کی بیڑیوں اور پھندوں میں جکڑا ہوا تھا اور جب اس ضمیر کو اپنے بعض صحابہ کی صورت میں جاہلیت اور حیاتِ ارضی کے تہ و ترتہ بوجھ سے آزاد کر لیا تو ایک دوسرے میدان میں ایک دوسرا معرکہ، بلکہ معرکوں پر معرکے شروع کر دیئے۔ یعنی دعوتِ الہی کے وہ دشمن جو دعوت اور اس پر ایمان لانے والوں کے خلاف ٹوٹے پڑ رہے تھے اور اس پاکیزہ پودے کو پینے، مٹی کے اندر جڑ پکڑنے، فضا میں شاخیں لہرانے اور پھلنے پھولنے سے پہلے اس کی

نمو گاہ ہی میں مار ڈانا چاہتے تھے۔ ان دشمنانِ دعوت کے ساتھ آپؐ نے پیہم معرکہ آرائیاں شروع کیں اور ابھی آپؐ جزیرۃ العرب کے معرکوں سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ رُوم نے اس نئی امت کو دبوچنے کے لیے اس کی سرحدوں پر تیاریاں شروع کر دیں۔

پھر ان تمام کارروائیوں کے دوران ابھی پہلا معرکہ — یعنی ضمیر کا معرکہ — ختم نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ یہ دائمی معرکہ ہے۔ اس میں شیطان سے مقابلہ ہے اور وہ انسانی ضمیر کی گہرائیوں میں گھس کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھتا ہے اور ایک لحظہ کے لیے ڈھیلا نہیں پڑتا۔ محمد ﷺ دعوت الی اللہ کے کام میں جھے ہوئے تھے اور متفرق میدان کے پیہم معرکوں میں مصروف تھے۔ دُنیا آپؐ کے قدموں پر ڈھیر تھی مگر آپؐ تنگی و ترشی سے گذر بسر کر رہے تھے۔ اہل ایمان آپؐ کے گرد اگر دامن و راحت کا سایہ پھیلا رہے تھے مگر آپؐ جہد و مشقت اپنائے ہوئے تھے۔ مسلسل اور کڑی محنت سے سابقہ تھا مگر ان سب پر آپؐ نے صبرِ جمیل اختیار کر رکھا تھا۔ رات میں قیام فرماتے تھے؛ اپنے رب کی عبادت کرتے تھے، اس کے قرآن کی ٹھہر ٹھہر کر قرات کرتے تھے اور ساری دُنیا سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا تھا۔ اس طرح آپؐ نے مسلسل اور پیہم معرکہ آرائی میں بیس برس سے اُوپر گزار دیئے اور اس دوران آپؐ کو کوئی ایک معاملہ دوسرے معاملے سے غافل نہ کر سکا یہاں تک کہ اسلامی دعوت اتنے بڑے پیمانے پر کامیاب ہوئی کہ عقلمیں حیران رہ گئیں۔ سارا جزیرۃ العرب آپؐ کے تابع فرمان ہو گیا اس کے اُنق سے جاہلیت کا غبار چھٹ گیا، بیمار عقلمیں تندرست ہو گئیں، یہاں تک کہ بتوں کو چھوڑ بلکہ توڑ دیا گیا، توحید کی آوازوں سے فضا گونجنے لگی، ایمانِ جدید سے حیات پائے ہوئے صحرا کا شہستانِ وجود آذانوں سے لرزنے لگا اور اس کی پہنائیوں کو اللہ اکبر کی صدا میں چیرنے لگیں۔ قرآن مجید کی آیتیں تلاوت کرتے اور اللہ کے احکام قائم کرتے ہوئے شمال و جنوب میں پھیل گئے۔

بکھری ہوئی قومیں اور قبیلے ایک ہو گئے۔ انسان بندوں کی بندگی سے نکل کر اللہ کی بندگی میں داخل ہو گیا۔ اب نہ کوئی قاہر ہے نہ مقہور، نہ مالک ہے نہ مملوک، نہ حاکم ہے نہ محکوم، نہ ظالم ہے نہ مظلوم، بلکہ سارے لوگ اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک دوسرے

سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ کے احکام بجالاتے ہیں۔ اللہ نے اُن سے جاہلیت کا غرور و نخوت اور باپ دادا پر فخر کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر کالے کو گورے پر کوئی برتری نہیں۔ برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے، ورنہ سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔

غرض اس دعوت کی بدولت عربی وحدت، انسانی وحدت، اور اجتماعی عدل وجود میں آگیا۔ نوع انسانی کو دنیاوی مسائل اور اُغروی معاملات میں سعادت کی راہ مل گئی۔ بالفاظ دیگر زمانے کی رفتار بدل گئی، رُوسے زمین متغیر ہو گیا تاریخ کا دھارا مڑ گیا اور سوچنے کے انداز بدل گئے۔

اس دعوت سے پہلے دنیا پر جاہلیت کی کارفرمائی تھی۔ اس کا ضمیر متعفن تھا اور روح بدبودار تھی۔ قدریں اور پیمانے مختلف تھے۔ ظلم اور غلامی کا دور دورہ تھا۔ فاجرانہ خوش حالی اور تباہ کن محرومی کی موج نے دنیا کو تہ و بالا کر رکھا تھا۔ اس پر کفر و گمراہی کے تاریک اور دبیز پردے پڑے ہوئے تھے، حالانکہ آسمانی مذاہب و اُدیان موجود تھے مگر ان میں تخریف نے جگہ پالی تھی اور ضعف سرایت کر گیا تھا۔ اس کی گرفت ختم ہو چکی تھی اور وہ محض بے جان و بے روح قسم کے جامد رسم و رواج کا مجموعہ بن کر رہ گئے تھے۔

جب اس دعوت نے انسانی زندگی پر اپنا اثر دکھایا تو انسانی روح کو وہم و خرافات، بندگی و غلامی، فساد و تحقیر اور گندگی و انار کی سے نجات دلائی اور معاشرہ انسانی کو ظلم و طغیان، پرگندگی و بربادی، طبقاتی امتیازات، حکام کے استبداد اور کاہنوں کے رسوا کن تسلط سے چھٹکارا دلایا اور دنیا کو عفت و نطافت، ایجادات و تعمیر، آزادی و تجدید، معرفت و یقین و ثوق و ایمان، عدالت و کرامت اور عمل کی بنیادوں پر زندگی کی بالیدگی، حیات کی ترقی اور حقدار کی حق رسائی کے لیے تعمیر کیا گئے۔

ان تبدیلیوں کی بدولت جزیرۃ العرب نے ایک ایسی بابرکت اٹھان کا مشاہدہ کیا جس کی نظیر انسانی وجود کے کسی دور میں نہیں دکھی گئی اور اس جزیرے کی تاریخ اپنی عمر کے ان یگانہ روزگار ایام میں اس طرح جگمگائی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں جگمگائی تھی۔

حجۃ الوداع

دعوت و تبلیغ کا کام پورا ہو گیا اور اللہ کی الوہیت کے اثبات اس کے ماسوا کی الوہیت کی نفی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی بنیاد پر ایک نئے معاشرے کی تعمیر و تشکیل عمل میں آ گئی۔ اب گویا غیبی ہاتھ آپ کے قلب و شعور کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ دنیا میں آپ کے قیام کا زمانہ اختتام کے قریب ہے، چنانچہ آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو سلمہ میں مین کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو رخصت کرتے ہوئے منجد اور باتوں کے فرمایا: اے معاذ! غالباً تم مجھ سے میرے اس سال کے بعد نہ مل سکو گے، بلکہ غالباً میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزر دو گے۔ اور حضرت معاذؓ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم سے رونے لگے۔

درحقیقت اللہ چاہتا تھا کہ اپنے پیغمبر ﷺ کو اس دعوت کے ثمرات دکھلا دے جس کی راہ میں آپ نے بیس برس سے زیادہ عرصہ تک طرح طرح کی مشکلات اور مشقتیں برداشت کی تھیں اور اس کی صورت یہ ہو کہ آپ حج کے موقع پر اطرافِ مکہ میں قبائلِ عرب کے افراد و نمائندگان کے ساتھ جمع ہوں، پھر وہ آپ سے دین کے احکام و شرائع حاصل کریں اور آپ ان سے یہ شہادت لیں کہ آپ نے امانت ادا کر دی، پیغامِ رب کی تبلیغ فرمادی۔ اور امت کی خیر خواہی کا حق ادا فرمادیا۔ اس مشیتِ ایزدی کے مطابق نبی ﷺ نے جب اس تاریخی چڑچڑے اپنے ارادے کا اعلان فرمایا تو مسلمانانِ عرب جو حق و برحق پہنچنا شروع ہو گئے۔ ہر ایک کی آرزو تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نقشِ پا کو اپنے لیے نشانِ راہ بنائے اور آپ کی اقتدار کرے۔ پھر سینچر کے دن جبکہ دی قعدہ میں چار دن باقی تھے رسول اللہ ﷺ نے کوچ کی تیاری فرمائی۔ بٹے بالوں میں کنگھی کی، تیل لگایا، تہ بند پہنا، چادر اوڑھی، قربانی کے

۱۔ یہ بات صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھئے باب حجۃ النبی ﷺ ۳۹۴/۱

۲۔ حافظ ابن حجر نے اس کی بہت عمدہ تحقیق کی ہے اور بعض روایات میں جو یہ آیا ہے کہ ذیقعد کے پانچ دن باقی تھے تب آپ روانہ ہوئے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ دیکھئے فتح الباری ۱۰۴/۸

جانوروں کو قلاوہ پہنایا اور ظہر کے بعد کوچ فرما دیا اور عصر سے پہلے ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ وہاں عصر کی نماز دو رکعت پڑھی اور رات بھر خیمہ زن رہے۔ صبح ہوئی تو صحابہ کرام سے فرمایا: رات میسے پر درگاہ کی طرف سے ایک آنے والے نے آکر کہا، اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کوا، حج میں عمرہ ہے، پھر ظہر کی نماز سے پہلے آپ نے احرام کے لیے غسل فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے جسم اطہر اور سر مبارک میں اپنے ہاتھ سے ذریعہ اور مشک آمیز خوشبو لگائی۔ خوشبو کی چمک آپ کی مانگ اور دائرہ میں دکھائی پڑتی تھی مگر آپ نے یہ خوشبودھوئی نہیں بلکہ برقرار رکھی۔ پھر اپنا تہبند پہنا، چادر اوڑھی، دو رکعت ظہر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مصلے ہی پر حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھتے ہوئے صدائے لبیک بلند کی پھر باہر تشریف لائے، قصوار اونٹنی پر سوار ہوئے اور دوبارہ صدائے لبیک بلند کی۔ اس کے بعد اونٹنی پر سوار کھلے میدان میں تشریف لے گئے تو وہاں بھی لبیک پکارا۔

اس کے بعد آپ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ سہفتہ بھر بعد جب آپ سرشام مکہ کے قریب پہنچے تو ذی طویٰ میں ٹھہر گئے۔ وہیں رات گزاری اور فجر کی نماز پڑھ کر غسل فرمایا۔ پھر مکہ میں صبحم داخل ہوئے۔ یہ اتوار ۴ ذی الحجہ ۱۰ سالہ کا دن تھا۔ راستے میں آٹھ راتیں گزاری تھیں۔ اوسط رفتار سے اس مسافت کا یہی حساب بھی ہے۔ مسجد حرام پہنچ کر آپ نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کی مگر احرام نہیں کھولا کیونکہ آپ نے حج و عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھا تھا اور اپنے ساتھ ہڈی (قربانی کے جانور) لائے تھے۔ طواف و سعی سے فارغ ہو کر آپ نے بالائی مکہ میں حجوں کے پاس قیام فرمایا لیکن دوبارہ طواف حج کے سوا کوئی اور طواف نہیں کیا۔ آپ کے جو صحابہ کرام اپنے ساتھ ہڈی (قربانی کا جانور) نہیں لائے تھے آپ نے انہیں حکم دیا کہ اپنا احرام عمرہ میں تبدیل کر دیں اور بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے پوری طرح حلال ہو جائیں، لیکن چونکہ آپ خود حلال نہیں ہو رہے تھے اس لیے صحابہ کرام کو تردد ہوا۔ آپ نے فرمایا: اگر میں اپنے معاملے کی وہ بات پہلے جان گیا ہوتا جو بعد میں معلوم ہوتی تو میں ہڈی نہ لاتا۔ اور اگر میرے ساتھ ہڈی نہ ہوتی تو میں بھی حلال ہو جاتا۔ آپ کا یہ ارشاد سن کر صحابہ کرام نے سب اطاعت خم کر دیا اور جن کے پاس ہڈی نہ تھی وہ حلال ہو گئے۔

آٹھ ذی الحجہ — ترویجہ کے دن — آپؐ منیٰ تشریف لے گئے اور وہاں ۹ ذی الحجہ کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچ وقت کی نمازیں وہیں پڑھیں۔ پھر اتنی دیر توقف فرمایا کہ سورج طلوع ہو گیا۔ اس کے بعد عرفہ کو چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو وادیِ نمرہ میں قیہ تیار تھا۔ اسی میں نزول فرمایا۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپؐ کے حکم سے قصوار پر کجاوہ کس گیا اور آپؐ بطنِ وادی میں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپؐ کے گرد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوبیس ہزار انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ آپؐ نے ان کے درمیان ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا :

”لوگو! میری بات سن لو! کیونکہ میں نہیں جانتا، شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میں تم سے کبھی نہ مل سکوں۔“

تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارے آج کے دن کی، رواں نہینے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی۔ جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیئے گئے اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔ یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ انہی ایام میں قبیلہ ہذیل نے اُسے قتل کر دیا۔ اور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا، اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ اب یہ سارا کا سارا سود ختم ہے۔

ہاں! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے، اور اللہ کے کلمے کے ذریعے حلال کیا ہے۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمہیں گوارا نہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو لیکن سخت مار نہ مارنا، اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں معروف کے ساتھ کھلاؤ اور پہناؤ۔ اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اُسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے؛ اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔

لوگو! یاد رکھو! میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں لہذا اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی خوشی اپنے مال

کی زکوٰۃ دینا، اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا۔ ایسا کرو گے تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو گے بلکہ

اور تم سے میرے متعلق پوچھا جانے والا ہے، تو تم لوگ کیا کہو گے؟ صحابہ نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کر دی، پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا فرما دیا۔
یہ سن کر آپ نے انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا: اے اللہ گواہ رہے

آپ کے ارشادات کو ربیعہ بن امیہ بن خلف اپنی بلند آواز سے لوگوں تک پہنچا رہے تھے جب آپ خطبہ سے فارغ ہو چکے تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ
الْإِسْلَامَ دِينًا ۖ (۳:۵)

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو رونے لگے۔ دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا: اس لیے کہ کمال کے بعد زوال ہی تو ہے

خطبہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان اور پھر اقامت کہی۔ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ نے پھر اقامت کہی اور آپ نے عصر کی نماز پڑھائی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی اور نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد سوار ہو کر آپ جائے وقوف پر تشریف لے گئے۔ اپنی اونٹنی قصوٰ کا شکم چٹانوں کی جانب کیا اور جبل مشاة ریدل چلنے والوں کی راہ میں واقع ریتیلے تودے کو سامنے کیا اور قبلہ رخ مسلسل راسی حالت میں وقوف فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا۔ تھوڑی زردی ختم ہوئی، پھر سورج کی ٹمکیہ غائب ہو گئی۔ اس کے بعد آپ نے حضرت اسامہؓ کو پیچھے بٹھایا اور وہاں سے روانہ ہو کر مزدلفہ تشریف لائے۔ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھیں۔ درمیان میں کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد آپ لیٹ گئے اور طلوع فجر تک لیٹے رہے۔

البتہ صبح نمودار ہوتے ہی اذان و اقامت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد قصوار پر سوار ہو کر مشعر حرام تشریف لائے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ سے دعا کی اور اس کی تکبیر و تہلیل اور توحید کے کلمات کہے۔ یہاں اتنی دیر تک ٹھہرے رہے کہ خوب اُجالا ہو گیا۔ اس کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے اور اب کی بار حضرت فضل بن عباس کو اپنے پیچھے سوار کیا۔ بطنِ محشر میں پہنچے تو سواری کو ذرا تیزی سے دوڑایا۔ پھر جو درمیانی راستہ حجرہ کبریٰ پر نکلتا تھا اس سے چل کر حجرہ کبریٰ پر پہنچے۔ اس زمانے میں وہاں ایک درخت بھی تھا

اور حجرہ کبریٰ اس درخت کی نسبت سے بھی معروف تھا۔ اس کے علاوہ حجرہ کبریٰ کو حجرہ عقبہ اور حجرہ اُولیٰ بھی کہتے ہیں۔ پھر آپؐ نے حجرہ کبریٰ کو سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے تھے۔ کنکریاں چھوٹی چھوٹی تھیں جنہیں چٹکی میں لے کر چلایا جاسکتا تھا۔ آپؐ نے یہ کنکریاں بطن وادی میں کھڑے ہو کر ماری تھیں۔ اس کے بعد آپؐ قربان گاہ تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے ۶۳ اونٹ ذبح کئے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سوئپ دیا اور انہوں نے بقیہ ۳ اونٹ ذبح کئے۔ اس طرح سوا اونٹ کی تعداد پوری ہو گئی۔ آپؐ نے حضرت علیؑ کو بھی اپنی ہڈی (قربانی) میں شریک فرمایا تھا۔ اس کے بعد آپؐ کے حکم سے ہر اونٹ کا ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر ہانڈی میں ڈالا اور پکایا گیا۔ پھر آپؐ نے اور حضرت علیؑ نے اس گوشت میں سے کچھ تناول فرمایا اور اس کا شور باپیا۔

بعد ازاں رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر مکہ تشریف لے گئے۔ بیت اللہ کا طواف فرمایا۔ اسے طوافِ افاضہ کہتے ہیں۔ اور مکہ ہی میں ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ پھر چاہِ زمزم پر بنو عبد المطلب کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ حجاج کرام کو زمزم کا پانی پلا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ”بنو عبد المطلب تم لوگ پانی کھینچو۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ پانی پلانے کے اس کام میں لوگ تمہیں مغلوب کر دیں گے تو میں بھی تم لوگوں کے ساتھ کھینچتا“۔ یعنی اگر صحت بہ کرام رسول اللہ ﷺ کو خود پانی کھینچتے ہوئے دیکھتے تو ہر صحابی خود پانی کھینچنے کی کوشش کرتا۔ اور اس طرح حجاج کو زمزم پلانے کا جو شرف بنو عبد المطلب کو حاصل تھا اس کا نظم ان کے قابو میں نہ رہ جاتا۔ چنانچہ بنو عبد المطلب نے آپؐ کو ایک ڈول پانی دیا اور آپؐ نے اس میں سے حسبِ خواہش پیا۔

آج یوم النحر تھا۔ یعنی ذی الحجہ کی دس تاریخ تھی۔ نبی ﷺ نے آج بھی دن چڑھے رچاشت کے وقت ایک خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ خطبہ کے وقت آپؐ نجر پر سوار تھے اور حضرت علیؓ آپؐ کے ارشادات صحابہ کو سنارہے تھے۔ صحابہ کرام کچھ بیٹھے اور کچھ کھڑے تھے۔ آپؐ نے آج کے خطبے میں بھی کل کی کئی باتیں دہرائیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں یوم النحر دس ذی الحجہ کو خطبہ دیا۔ فرمایا:

”زمانہ گھوم پھر کر اپنی اسی دن کی بیعت پر پہنچ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار مہینے حرام کے ہیں؛ تین پے درپے یعنی ذی قعدہ ذی الحجہ اور محرم اور ایک رجب مضر جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان ہے۔“

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا، اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپؐ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ لیکن پھر آپؐ نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا آپؐ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، مگر آپؐ نے فرمایا، کیا یہ بلدہ (مکتہ) نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں آپؐ نے فرمایا، اچھا تو یہ دن کون سا ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا آپؐ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے مگر آپؐ نے فرمایا، کیا یہ یوم النحر قربانی کا دن، یعنی دس ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں؟ آپؐ نے فرمایا، اچھا تو سنو کہ تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام بنے جیسے تمہارے اس شہر اور تمہارے اس مہینے میں تمہارا آج کے دن کی حرمت ہے۔ اور تم لوگ بہت جلد اپنے پروردگار سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا، لہذا دیکھو میرے بعد پلٹ کر گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ بتاؤ! کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ صحابہ نے کہا ہاں۔ آپؐ نے فرمایا، اے اللہ! گواہ رہ۔

جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود تک (میری باتیں) پہنچا دے۔ کیونکہ بعض وہ افراد جن تک (یہ باتیں) پہنچائی جائیں گی وہ بعض (موجودہ) سننے والے سے کہیں زیادہ ان باتوں کے دروست کو سمجھ سکیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس خطبے میں یہ بھی فرمایا: ”یاد رکھو! کوئی بھی جرم کرنے والا اپنے سوا کسی اور پر جرم نہیں کرتا۔ یعنی اس جرم کی پاداش میں کوئی اور نہیں بلکہ خود مجرم ہی پکڑا جائے گا۔“ یاد رکھو! کوئی جرم کرنے والا اپنے بیٹے پر یا کوئی بیٹا اپنے باپ پر جرم نہیں کرتا۔ یعنی باپ کے جرم میں بیٹے کو یا بیٹے کے جرم میں باپ کو نہیں پکڑا جائے گا۔ یاد رکھو! شیطان مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائے لیکن اپنے جن اعمال کو تم لوگ حقیر سمجھتے ہو ان میں اس کی اطاعت کی جائے گی اور وہ اسی سے راضی ہو گا۔^{۱۳} اس کے بعد آپ ایام تشریق (۱۱-۱۲-۱۳ ذی الحجہ کو) منیٰ میں مقیم رہے۔ اس دوران آپ حج کے مناسک بھی ادا فرما رہے تھے اور لوگوں کو شریعت کے احکام بھی سکھا رہے تھے۔ اللہ کا ذکر بھی فرما رہے تھے۔ ملتِ ابراہیمی کے سنن ہدیٰ بھی قائم کر رہے تھے اور شرک کے آثار و نشانات کا صفایا بھی فرما رہے تھے۔ آپ نے ایام تشریق میں بھی ایک دن خطبہ دیا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں بسند حسن مروی ہے کہ حضرت سرار بنت بنہان رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رؤس کے دن خطبہ دیا اور فرمایا کیا یہ ایام تشریق کا درمیانی دن نہیں ہے؟ آپ کا آج کا خطبہ بھی کل (یوم النحر) کے خطبے جیسا تھا اور یہ خطبہ سورہ نصر کے نزول کے بعد دیا گیا تھا۔

ایام تشریق کے خاتمے پر دوسرے یوم النحر یعنی ۱۳ ذی الحجہ کو نبی ﷺ نے منیٰ سے کوچ فرمایا۔ اور وادیِ ابطح کے خیف بنی کنانہ میں فروش ہوئے۔ دن کا باقی ماندہ حصہ اور رات وہیں گزاری اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں وہیں پڑھیں۔ البتہ عشاء کے بعد تھوڑا سا سو کر اٹھے پھر سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لے گئے اور طوافِ وداع فرمائے۔ اور اب تمام مناسک حج سے فارغ ہو کر آپ نے سواری کا رخ مدینہ منورہ کی راہ پر ڈال دیا اس لیے نہیں کہ وہاں پہنچ کر راحت فرمائیں بلکہ اس لیے کہ اب پھر اللہ کی خاطر اللہ کی راہ میں ایک نئی جدوجہد کا آغاز فرمائیں۔^{۱۴}

^{۱۳} ترمذی ۲/۳۸، ۱۳۵، ابن ماجہ کتاب الحج، مشکوٰۃ ۱/۲۳۴

^{۱۴} یعنی ۱۲ ذی الحجہ (رعون المعبود ۲/۱۴۳) ۱۵ ابوداؤد باب اتی یوم یخطب بنی ۱/۲۶۹

^{۱۵} حجۃ الوداع کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب المناسک ج ۱ و ج ۲/۲۹۳۱

صحیح مسلم باب حجۃ النبی ﷺ، فتح الباری ج ۳، شرح کتاب المناسک اور ج ۸/۳۰۳ تا ۱۱

ابن ہشام ۲/۶۰۱ تا ۶۰۵ زاد المعاد ۱/۱۹۶، ۲۱۸ تا ۲۲۰

آخری فوجی مہم

رومن امپائر کی کبریائی کو گوارا نہ تھا کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کرے اسی لیے اس کی قلمرو میں رہنے والا کوئی شخص اسلام کا حلقہ بگوش ہو جاتا تو اس کے جان کی خیر نہ رہتی، جیسا کہ معان کے رومی گورنر حضرت فروغ بن عمرو جذانی کے ساتھ پیش آچکا تھا۔ اس جرات بے محابا اور اس غرور بے جا کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے صفر سالہ میں ایک بڑے لشکر کی تیاری شروع فرمائی اور حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا سپہ سالار مقرر فرماتے ہوئے حکم دیا کہ بقیع کا علاقہ اور داروم کی فلسطینی سرزمین سواروں کے ذریعہ روند آؤ۔ اس کارروائی کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کو خوف زدہ کرتے ہوئے ان کی حدود پر واقع عرب قبائل کا اعتماد بحال کیا جائے اور کسی کو بہ تصور کرنے کی گنجائش نہ دی جائے کہ کلیسا کے تشدد پر فی باز پرس ے والا ہیں اور اسلام قبول کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اپنی موت کو دعوت دی جا رہی ہے۔ اس موقع پر کچھ لوگوں نے سپہ سالار کی نوعمری کو نکتہ چینی کا نشانہ بنایا اور اس مہم کے اندر شمولیت میں تاخیر کی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ ان کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کر رہے ہو تو ان سے پہلے ان کے والد کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کر چکے ہو، حالانکہ وہ خدا کی قسم سپہ سالاری کے اہل تھے اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھے اور یہ بھی ان کے بعد میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔

بہر حال صحابہ کرام حضرت اسامہ کے گرد گرد جمع ہو کر ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور لشکر روانہ ہو کر مدینہ سے تین میل دور مقام جرف میں خیمہ زن بھی ہو گیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے متعلق تشویشناک خبروں کے سبب آگے نہ بڑھ سکا بلکہ اللہ کے فیصلے کے انتظار میں وہیں ٹھہرنے پر مجبور ہو گیا اور اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ لشکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی پہلی فوجی مہم قرار پائے۔

رفیق اعلیٰ کی جانب

الوداعی آثار | جب دعوتِ دین مکمل ہو گئی اور عرب کی تکمیل اسلام کے ہاتھ میں آ گئی تو رسول اللہ ﷺ کے جذبات و احساسات احوال و ظروف اور گفتار و کردار سے ایسی علامات نمودار ہونا شروع ہوئیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ اس حیاتِ مستعار کو اور اس جہانِ فانی کے باشندگان کو الوداع کہنے والے ہیں مثلاً: آپ نے رمضانِ سنہ ۶ میں ۱۰ دن اعتکاف فرمایا جبکہ ہمیشہ دس دن ہی اعتکاف فرمایا کرتے تھے پھر حضرت جبریلؑ نے آپ کو اس سال دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا جبکہ ہر سال ایک ہی مرتبہ دور کرایا کرتے تھے۔ آپ نے حجتہ الوداع میں فرمایا: ”مجھے معلوم نہیں، شاید میں اس سال کے بعد اپنے اس مقام پر تم لوگوں سے کبھی نہ مل سکوں۔“ حمرہ عقبہ کے پاس فرمایا: ”مجھ سے اپنے حج کے اعمال سیکھ لو کیونکہ میں اس سال کے بعد غالباً حج نہ کر سکوں گا۔“ آپ پر ایامِ تشریق کے وسط میں سورہ نصر نازل ہوئی اور اس سے آپ نے سمجھ لیا کہ اب دُنیا سے روانگی کا وقت آن پہنچا ہے اور یہ موت کی اطلاع ہے۔

اوائلِ صفر ۱۰ میں آپ دامنِ اُحد میں تشریف لے گئے اور شہداء کے لیے اس طرح دُعا فرمائی گویا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر واپس آ کر منبر پر فوکش ہوئے۔ اور فرمایا: ”تمہارا میر کا رداں ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ بخدا میں اس وقت اپنا حوضِ رَحْمٰتِ کوثر دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین اور زمین کے عزرائیل کی گنجیاں عطا کی گئی ہیں اور بخدا مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے بلکہ اندیشہ اس کا ہے کہ دُنیا طلبی میں باہم مقابلہ کرو گے۔“

ایک روز نصف رات کو آپ بقیع تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لیے دُعا سے مغفرت کی۔ فرمایا: ”اے قبر والو! تم پر سلام! لوگ جس حال میں ہیں اس کے مقابل تمہیں وہ حال مبارک ہو جس میں تم ہو۔“ فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک کے پیچھے ایک چلے آ رہے

ہیں اور بعد والا پہلے والے سے زیادہ بُرا ہے۔ اس کے بعد یہ کہہ کر اہل قبور کو بشارت دی کہ ہم بھی تم سے آٹنے والے ہیں۔

مرض کا آغاز | ۲۹ صفر ۱۱۰۰ھ روزِ دو شنبہ کو رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں بیعت تشریف لے گئے۔ واپسی پر راستے ہی میں دردِ سر شروع ہو گیا

اور حرارت اتنی تیز ہو گئی کہ سر پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے محسوس کی جانے لگی۔ یہ آپ مرضِ الموت کا آغاز تھا۔ آپ نے اسی حالتِ مرض میں گیارہ دن نماز پڑھائی۔ مرض کی کل مدت ۳۱ یا ۳۲ دن تھی۔

آخری ہفتہ | رسول اللہ ﷺ کی طبیعت روز بروز بوجھل ہوتی جا رہی تھی۔ اس دوران آپ ازواجِ مطہرات سے پوچھتے رہتے تھے کہ میں کل کہاں رہوں گا؟ میں

کل کہاں رہوں گا؟ اس سوال سے آپ کا جو مقصود تھا ازواجِ مطہرات اسے سمجھ گئیں چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں۔ اس کے بعد آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ منتقل ہوتے ہوئے حضرت فضل بن عباس اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کا سہارا لے کر درمیان میں چل رہے تھے۔ سر پر پٹی بندھی تھی اور پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ یہ کیفیت کے ساتھ آپ حضرت عائشہؓ کے مکان میں تشریف لائے اور پھر حیاتِ مبارکہ کا آخری ہفتہ وہیں گزارا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موعودات اور رسول اللہ ﷺ سے حفظ کی ہوئی دعائیں پڑھ کر آپ پر دم کرتی رہتی تھیں اور برکت کی اُمید میں آپ کا ہاتھ آپ کے جسمِ مبارک پر پھیرتی رہتی تھیں۔

وفات سے پانچ دن پہلے | وفات سے پانچ دن پہلے روزِ چہار شنبہ (بدھ) کو جسم کی حرارت میں مزید شدت آگئی جس کی وجہ سے

تکلیف بھی بڑھ گئی اور غشی طاری ہو گئی۔ آپ نے فرمایا: ”مجھ پر مختلف کنوؤں کے ساتھ شکیزے بہاؤ تاکہ میں لوگوں کے پاس جا کر وصیت کر سکوں۔“ اس کی تکمیل کرتے ہوئے آپ کو ایک لنگن میں بٹھا دیا گیا اور آپ کے اوپر اتنا پانی ڈالا گیا کہ آپ ”بس“ ”بس“ کہنے لگے۔

اس وقت آپ نے کچھ تخفیف محسوس کی اور مسجد میں تشریف لے گئے۔ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ منبر پر فروس ہوئے اور بیٹھ کر خطبہ دیا۔ صحابہ کرام گردِ جمع تھے۔ فرمایا: ”یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔“ کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا۔

ایک روایت میں ہے: ”یہود و نصاریٰ پر اللہ کی مار کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی

قبروں کو مسجد بنالیا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ”تم لوگ میری قبر کو بُت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔“ لے پھر آپؐ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا اور فرمایا: ”میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے اور کسی کی بے آبرائی کی ہو تو یہ میری آبرو حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے۔“ اس کے بعد آپؐ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر تشریف لے گئے اور عداوت وغیرہ سے متعلق اپنی پچھلی باتیں دہرائیں۔ ایک شخص نے کہا، آپؐ کے ذمہ میرے تین درہم باقی ہیں۔ آپؐ نے فضل بن عباسؓ سے فرمایا، ”انہیں ادا کر دو۔“ اس کے بعد انصار کے بارے میں وصیت فرمائی۔ فرمایا:

”میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ میرے قلب و جگر ہیں۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی مگر ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں؛ لہذا ان کے نیکو کار سے قبول کرنا اور ان کے ظالم کار سے درگزر کرنا ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار گھٹتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح ہو جائیں گے۔ لہذا تمہارا جو آدمی کسی نفع اور نقصان پہنچانے والے کام کا والی ہو تو وہ ان کے نیکو کاروں سے قبول کرے اور ان کے ظالم کاروں سے درگزر کرے۔“

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ”ایک بندے کو اللہؑ نے اختیار دیا کہ وہ یا تو دنیا کی چمک مک اور زیب و زینت میں سے جو کچھ چاہے اللہؑ اسے دے دے یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے تو اس بندے نے اللہ کے پاس والی چیز کو اختیار کر لیا۔“ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ بات سُن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا: ”ہم اپنے مال باپ سمیت آپؐ پر قربان۔ اس پر ہمیں تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا، اس بڑھے کو دیکھو! رسول اللہ ﷺ تو ایک بندے کے بارے میں یہ بتا رہے ہیں کہ اللہؑ نے اسے اختیار دیا کہ دنیا کی چمک مک اور زیب و زینت میں سے جو کچھ چاہے اللہؑ اسے دے دے یا وہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے اور یہ بڑھا کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے مال باپ کے ساتھ آپؐ پر قربان۔ لیکن چند دن بعد واضح ہوا کہ جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ

ہم میں سب سے زیادہ صاحبِ علم تھے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھ پر اپنی رفاقت اور مال میں سب سے زیادہ صاحبِ احسان ابو بکرؓ ہیں“ اور اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی اور کو خلیل بناتا تو ابو بکرؓ کو خلیل بناتا۔ لیکن ران کے ساتھ اسلام کی اخوت و محبت (کا تعلق) ہے مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے لازماً بند کر دیا جائے، سوائے ابو بکرؓ کے دروازے کے۔

چار دن پہلے وفات سے چار دن پہلے جمعرات کو جب کہ آپؐ سخت تکلیف سے دو چار تھے فرمایا: ”لاؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ کبھی گمراہ نہ ہو گے۔“ اس وقت گھر میں کئی آدمی تھے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے کہا: ”آپؐ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے۔ بس اللہ کی یہ کتاب تمہارے لیے کافی ہے۔ اس پر گھر کے اندر موجود لوگوں میں اختلاف پڑ گیا اور وہ جھگڑ پڑے۔ کوئی کہہ رہا تھا: ”لاؤ رسول اللہ ﷺ لکھ دیں۔“ اور کوئی وہی کہہ رہا تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ”اس طرح لوگوں نے جب زیادہ شور و شغب اور اختلاف کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔“

پھر اسی روز آپؐ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی: ایک اس بات کی وصیت کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا۔ دوسرے اس بات کی وصیت کی کہ وفود کی اسی طرح نوازش کرنا جس طرح آپؐ کیا کرتے تھے۔ البتہ تیسری بات کو راوی بھول گیا غالباً یہ کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی وصیت تھی یا شکرِ اسامہ کو روانہ کرنے کی وصیت تھی یا آپؐ کا یہ ارشاد تھا کہ ”نماز اور تمہارے زیر دست“ یعنی غلاموں اور لونڈیوں کا خیال رکھنا۔ رسول اللہ ﷺ مرض کی شدت کے باوجود اس دن تک، یعنی وفات سے چار دن پہلے جمعرات تک تمام نمازیں خود ہی پڑھایا کرتے تھے۔ اس روز بھی مغرب کی نماز آپؐ ہی نے پڑھائی اور اس میں سورہ والمرسلات عرفاً پڑھی۔

لیکن عشاء کے وقت مرض کا ثقل اتنا بڑھ گیا کہ مسجد میں جانے کی طاقت نہ رہی حضرت عائشہ

۵- متفق علیہ مشکوٰۃ ۲/۵۴۶، ۵۵۴ صحیح بخاری ۱/۵۱۶

۶- متفق علیہ: صحیح بخاری ۱/۲۲۹، ۲۲۹، ۲۲۹، ۲۳۸/۲

۷- صحیح بخاری عن ام الفضل، باب مرض النبی ﷺ ۲/۳۳۷

رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: "نہیں یا رسول اللہ" سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا میرے لیے لگن میں پانی رکھو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے غسل فرمایا اور اس کے بعد اٹھنا چاہا، لیکن آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ پھر افاقہ ہوا تو آپ نے دریافت کیا، کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: "نہیں یا رسول اللہ" سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کے بعد دوبارہ اور پھر سہ بارہ وہی بات پیش آئی جو پہلی بار پیش آچکی تھی کہ آپ نے غسل فرمایا، پھر اٹھنا چاہا تو آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ بالآخر آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کہلوا بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان ایام میں نماز پڑھائی۔ نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں ان کی پڑھائی ہوتی نمازوں کی تعداد سترہ ہے۔

حضرت عائشہؓ نے نبی ﷺ سے تین یا چار بار مراجعہ فرمایا کہ امامت کا کام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بجائے کسی اور کو سونپ دیں۔ ان کا منشا یہ تھا کہ لوگ ابو بکرؓ کے بارے میں بدشگون نہ ہوں، لیکن نبی ﷺ نے ہر بار انکار فرمادیا اور فرمایا: تم سب یوسف وایاں ہو۔ ابو بکرؓ کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

ایک دن یا دو دن پہلے ہفتہ یا اتوار کو نبی ﷺ نے اپنی طبیعت میں قدرے تخفیف محسوس کی، چنانچہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر ظہر کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں اور لانے والوں

۹ متفق علیہ مشکوٰۃ ۱۰۲/۱
حضرت یوسف علیہ السلام کے سلسلے میں جو عورتیں عزیز مصر کی بیوی کو ملامت کر رہی تھیں وہ بظاہر تو اس کے فعل کے گھٹیا پن کا اظہار کر رہی تھیں لیکن یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر جب انہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں تو معلوم ہوا کہ یہ خود بھی درپردہ ان پر فریفتہ ہیں۔ یعنی وہ زبان سے کچھ کہہ رہی تھیں لیکن دل میں کچھ اور ہی بات تھی۔ یہی معاملہ یہاں بھی تھا۔ بظاہر تو رسول اللہ ﷺ سے کہا جا رہا تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو گریہ و زاری کے سبب قہقراوت نہ کر سکیں گے یا سنا نہ سکیں گے لیکن دل میں یہ بات تھی کہ اگر خدا نخواستہ حضور اسی رض میں رحلت فرما گئے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نحوست اور بدشگونی کا خیال لوگوں کے دل میں جاگزیں ہو جائے گا۔ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس گزارش میں دیگر ازوج مطہرات بھی شریک تھیں اس لیے آپ نے فرمایا تم سب یوسف وایاں ہو یعنی تمہارے بھی دل میں کچھ ہے اور زبان سے کچھ کہہ رہی ہو۔

سے فرمایا کہ مجھے ان کے بازو میں بٹھا دو۔ چنانچہ آپ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاں بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی اقتدار کر رہے تھے اور صحابہ کرام کو تکبیر سن رہے تھے۔

ایک دن پہلے وفات سے ایک دن پہلے بروز اتوار نبی ﷺ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد فرما دیا۔ پاس میں سات دینار تھے انہیں صدقہ کر دیا۔ اپنے ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ فرما دیتے۔ رات میں چراغ جلانے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تیل پڑوسن سے ادھا لیا۔ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع رکوائی ۵۰ کیلو جو کے عوض رہن رکھی ہوتی تھی۔

حیات مبارکہ کا آخری دن حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دو شنبہ کے روز سمان نماز فجر میں مصروف تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ امامت فرما رہے تھے۔ کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور صحابہ کرام پر جو صفیں باندھے نماز میں مصروف تھے نظر ڈالی۔ پھر قسم فرمایا۔ ادھر ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑ کے س پیچھے ہٹے کہ صف میں جا ملیں۔ انہوں نے سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکے اس اچانک ظہور سے مسلمان اس قدر خوش ہوئے کہ چاہتے تھے کہ نماز کے اندر ہی فتنے میں پڑ جائیں یعنی آپ کی مزاج پرسی کے لیے نماز توڑ دیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کر لو۔ پھر حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ گرایا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر کسی دوسری نماز کا وقت نہیں آیا۔ دن چڑھے چاشت کے وقت آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے کچھ سرگوشی کی۔ وہ رونے لگیں۔ آپ نے انہیں پھر بلایا اور کچھ سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ بعد میں ہمارے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ پہلی بار نبی ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ آپ اسی مرض میں وفات پا جائیں گے۔ اس لیے میں روئی۔ پھر آپ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ آپ کے اہل و

عیال میں سب سے پہلے میں آپ کے پیچھے جاؤں گی۔ اس پر میں ہنسی اٹھا

نبی ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو یہ بشارت بھی دی کہ آپ ساری خواتین عالم کی سیدہ (سرار) ہیں۔
اس وقت رسول اللہ ﷺ جس شدید کرب سے دوچار تھے اسے دیکھ کر حضرت فاطمہؓ
بے ساختہ پکار اٹھیں۔ "وَ اکْرَبَّ اَبَاہُ" "ہائے ابا جان کی تکلیف" آپ نے فرمایا: "تمہارے
ابا پر آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں"۔ ۱۶

آپ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر چھوڑا اور ان کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی۔
ازواجِ مطہرات کو بلایا اور انہیں وعظ و نصیحت کی۔

ادھر لمحہ بہ لمحہ تکلیف بڑھتی جا رہی تھی اور اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا جسے
آپ کو خیر میں کھلایا گیا تھا۔ چنانچہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے: "اے عائشہ!
خیر میں جو کھانا میں نے کھایا تھا اس کی تکلیف برابر محسوس کر رہا ہوں۔ اس وقت مجھے محسوس
ہو رہا ہے کہ اس زہر کے اثر سے میری رگ جاں کٹی جا رہی ہے"۔ ۱۷

آپ نے صحابہ کرام کو بھی وصیت فرمائی۔ فرمایا "الصَّلَاةُ الصَّلَاةُ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُکُمْ"
"نماز، نماز، اور تمہارے زیر دست" (یعنی لونڈی، غلام) آپ نے یہ الفاظ کئی بار دہرائے ۱۸

پھر نزع کی حالت شروع ہو گئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ
کی اپنے اُوپر ٹیک لگوا دی۔ ان کا بیان ہے کہ اللہ کی ایک نعمت

نزع رواں

مجھ پر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں، میری باری کے دن میرے سینے سے ٹیک
لگائے ہوئے وفات پائی اور آپ کی موت کے وقت اللہ نے میرا لعاب اور آپ کا لعاب
اکٹھا کر دیا۔ ہوا یہ کہ عبدالرحمن بن ابی بکر آپ کے پاس تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک
تھی اور رسول اللہ ﷺ مجھ سے ٹیک لگاتے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ مسواک کی طرف دیکھ
رہے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک چاہتے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کے لیے لے لوں؟ آپ نے
سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ میں نے مسواک لے کر آپ کو دی تو آپ کو کڑی محسوس ہوئی۔ میں

۱۴ بخاری ۲ / ۶۳۸

۱۵ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گفتگو اور بشارت دینے کا یہ واقعہ حیات مبارکہ کے آخری دن

نہیں بلکہ آخری ہفتے میں پیش آیا تھا۔ دیکھئے رحمۃ للعالمین ۱ / ۲۸۲

۱۶ صحیح بخاری ۲ / ۶۴۱ ۱۷ ایضاً ۲ / ۶۳۷ ۱۸ صحیح بخاری ۲ / ۶۳۷

نے کہا اسے آپ کے لیے نرم کردوں؟ آپ نے سر کے اشارے سے کہا ہاں۔ میں نے مسواک نرم کر دی اور آپ نے نہایت اچھی طرح مسواک کی۔ آپ کے سامنے کٹورے میں پانی تھا۔ آپ پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: "لا الہ الا اللہ، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ موت کے لیے سختیاں ہیں" ۱۹

مسواک سے فارغ ہوتے ہی آپ نے ہاتھ یا انگلی اٹھائی، نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹوں پر کچھ حرکت ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو آپ فرما رہے تھے: "ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جنہیں تو نے انعام سے نوازا۔ اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کر اور مجھے رفیقِ اعلیٰ میں پہنچا دے۔ اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ ۲۰

آخری فقرہ تین بار دہرایا، اور اسی وقت ہاتھ جھک گیا اور آپ رفیقِ اعلیٰ سے جالاحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ واقعہ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ یومِ دوشنبہ کو چاشت کی شدت کے وقت پیش آیا۔ اس وقت نبی ﷺ کی عمر تیسٹھ سال چار دن ہو چکی تھی۔

غمہائے بکراں | اس حادثہ و لفگار کی خبر فوراً پھیل گئی۔ اہل مدینہ پر کوہِ غم ٹوٹ پڑا۔ آفاق و اطراف تاریک ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اس سے بہتر اور تابناک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس سے زیادہ قبیح اور تاریک دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ۲۱

آپ کی وفات پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرطِ غم سے فرمایا: یا اَبَتَاہُ اَجَابَ رَبَّا دَعَاہُ، یا اَبَتَاہُ مَنْ جَتَّہُ الْفِرْدَوْسِ مَا وَاہُ، یا اَبَتَاہُ اِلٰی جِبْرِیْلَ نَنَعَاہُ۔ ۲۲

"ہائے ابا جان! جنہوں نے پروردگار کی پکار پر لبیک کہا۔ ہائے ابا جان! جن کا ٹھکانہ جنتِ الفردوس ہے۔ ہائے ابا جان! ہم جبریلؑ کو آپ کی موت کی خبر دیتے ہیں۔"

۱۹ صیغہ بخاری ۲/۶۴۰

۲۰ ایضاً صیغہ بخاری باب مرض النبی ﷺ و باب آخر ما کلم النبی ﷺ ۲/۶۳۸ تا ۶۴۱

۲۱ داری، مشکوٰۃ ۲/۵۴۷ ۲۲ صیغہ بخاری باب مرض النبی ﷺ ۲/۶۴۱

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف | وفات کی خبر سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہوش

جاتے رہے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہنا شروع

کیا، کچھ منافقین سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی بلکہ آپ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جس طرح موسیٰ بن عمران علیہ السلام تشریف لے گئے تھے، اور اپنی قوم سے چالیس رات غائب رہ کر ان کے پاس پھر واپس آ گئے تھے، حالانکہ واپسی سے پہلے کہا جا رہا تھا کہ وہ انتقال کر چکے ہیں۔

خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ بھی ضرور پٹ کر آئیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو سمجھتے ہیں کہ آپ کی موت واقع ہو چکی ہے۔ ۲۳

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا موقف | ادھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نسخ میں واقع اپنے مکان سے گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف

لائے اور اتر کر مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ پھر لوگوں سے کوئی بات کہنے بغیر سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور رسول اللہ ﷺ کا قصد فرمایا۔ آپ کا جسد مبارک دھاریدار مینی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت ابو بکر نے رُخ انور سے چادر ہٹائی اور اُسے چومنا اور روتے۔ پھر فرمایا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ آپ پر دو موت جمع نہیں کرے گا۔ جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ کو آچکی۔

اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے۔ اس وقت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے بات کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: عمر بیٹھ جاؤ۔ حضرت عمر نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ ادھر صحابہ کرام حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر حضرت ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا:

أَمَّا بَعْدَ - مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، قَالَ اللَّهُ: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ؟ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ○ (۱۴۳:۳)

”اما بعد، تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔ اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے، محمد نہیں ہیں مگر رسول ہی۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ تو کیا اگر وہ (محمد) مر جائیں یا ان کی موت واقع ہو جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑ کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑ کے بل پلٹ جائے تو یاد رکھے کہ وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔“

صحابہ کرام کو جواب تک فرط غم سے حیران و ششدر تھے انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب سن کر یقین آگیا کہ رسول اللہ ﷺ واقعی رحلت فرما چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ واللہ ایسا لگتا تھا گویا لوگوں نے جانا ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے، یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو سارے لوگوں نے اُن سے یہ آیت اخذ کی۔ اور اب جس کسی انسان کو میں سُنتا تو وہ اسی کو تلاوت کر رہا ہوتا۔

حضرت سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ”واللہ میں نے جوں ہی ابوبکرؓ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا انتہائی متحیر اور دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔ حتیٰ کہ میرے پاؤں مجھے اٹھا ہی نہیں رہے تھے اور حتیٰ کہ ابوبکر کو اس آیت کی تلاوت کرتے سن کر میں زمین پر گر پڑا۔ کیونکہ میں جان گیا کہ واقعی نبی ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔“

تجہیز و تکفین اور تدفین | ادھر نبی ﷺ کی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی آپ کی جانشینی کے معاملے میں اختلاف پڑ گیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ

میں ہاجرین و انصار کے درمیان بحث و مناقشہ ہوا، مجادلہ و گفتگو ہوئی، تردید و تنقید ہوئی اور بالآخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق ہو گیا۔ اس کام میں دو شنبہ کا باقی ماندہ دن گذر گیا اور رات آگئی۔ لوگ نبی ﷺ کی تجہیز و تکفین کے بجائے اس دوسرے کام میں مشغول رہے۔ پھر رات گذری اور منگل کی صبح ہوئی۔ اس وقت تک آپ کا جسد مبارک ایک دھاریدار مینی چادر سے ڈھکا بستر ہی پر رہا۔ گھر کے لوگوں نے باہر سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

منگل کے روز آپ کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا۔ غسل دینے والے حضرات یہ تھے: حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباس کے دو صاحبزادگان فضل اور قثمؓ، رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقرانؓ، حضرت اسامہ بن زید اور اوس بن خولیؓ، حضرت عباسؓ، فضل اور قثمؓ آپ کی کروٹ بدل رہے تھے۔ حضرت اسامہ اور شقرانؓ پانی بہا رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے اور حضرت اوسؓ نے آپ کو اپنے سینے سے ٹیک دے رکھی تھی۔ اس کے بعد آپ کو تین سفید مٹی چادروں میں کفنایا گیا۔ ان میں کرتا اور پگڑی نہ تھی۔^{۲۵} بس آپ کو چادروں ہی میں لپیٹ دیا گیا تھا۔

آپ کی آخری آرام گاہ کے بارے میں بھی صحابہ کرام کی رائیں مختلف تھیں لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی نبی بھی فوت نہیں ہوا مگر اس کی تدفین وہیں ہوئی جہاں فوت ہوا۔ اس فیصلے کے بعد حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے آپ کا وہ بستر اٹھایا جس پر آپ کی وفات ہوئی تھی اور اسی کے نیچے قبر کھودی۔ قبر لحد والی (بغلی) کھودی گئی تھی۔ اس کے بعد باری باری دس دس صحابہ کرام نے حجرہ شریف میں داخل ہو کر نماز جنازہ پڑھی۔ کوئی امام نہ تھا۔ سب سے پہلے آپ کے خانوادہ (بنو ہاشم) نے نماز جنازہ پڑھی۔ پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر مردوں کے بعد عورتوں نے اور انکے بعد بچوں نے۔ نماز جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن گزر گیا اور چہار شنبہ (بدھ) کی رات آگئی۔ رات میں آپ کے جسدِ پاک کو سپردِ خاک کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی تدفین کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ ہم نے بدھ کی رات کے درمیانی اوقات میں پھاؤڑوں کی آواز سنی۔^{۲۶}

۲۵ صحیح بخاری ۱/۱۶۹ - صحیح مسلم ۱/۳۰۶

۲۶ مختصر سیرۃ الرسول للشیخ عبداللہ ص ۴۷۱ - واقعہ وفات کی تفصیل کے لیے دیکھئے صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ اور اس کے بعد کے چند ابواب مع فتح الباری نیز صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، باب وفاة النبی ﷺ، ابن ہشام ۲/۶۴۹ تا ۶۶۵ - تلخیص فہوم اہل الاثر ص ۳۸، ۳۹ - رحمۃ للعالمین ۱/۲۷۷ تا ۲۸۶ - اوقات کی تعیین بالعموم رحمۃ للعالمین سے لی گئی ہے۔

خانہ نبوت

۱۔ ہجرت سے قبل مکہ میں نبی ﷺ کا گھرانہ آپ اور آپ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر مشتمل تھا۔ شادی کے وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال۔ حضرت خدیجہ آپ کی پہلی بیوی تھیں اور ان کے بیٹے جی آپ نے کوئی اور شادی نہیں کی۔ آپ کی اولاد میں حضرت ابراہیم کے ماسوا تمام صاحبزادے اور صاحبزادیاں ان ہی حضرت خدیجہ کے بطن سے تھیں۔ صاحبزادگان میں سے تو کوئی زندہ نہ بچا البتہ صاحبزادیاں حیات رہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ زینب، رقیہ، اُم کلثوم، اور فاطمہ۔ زینب کی شادی ہجرت سے پہلے ان کے چھوٹی زاد بھائی حضرت ابوالعاص بن ربیع سے ہوئی۔ رقیہ اور اُم کلثوم کی شادی یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت فاطمہ کی شادی جنگ بدر اور جنگ احد کے درمیانی عرصہ میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور ان کے بطن سے حسن، حسین، زینب اور اُم کلثوم پیدا ہوئیں۔

معلوم ہے کہ نبی ﷺ کو اُمت کے بالمقابل یہ امتیازی خصوصیت حاصل تھی کہ آپ مختلف اغراض کے پیش نظر چار سے زیادہ شادیاں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جن عورتوں سے آپ نے عقد فرمایا ان کی تعداد گیارہ تھی جن میں سے نو عورتیں آپ کی رحلت کے وقت حیات تھیں اور دو عورتیں آپ کی زندگی ہی میں وفات پا چکی تھیں یعنی حضرت خدیجہ اور اُم المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ان کے علاوہ مزید دو عورتیں ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ کا ان سے عقد ہوا تھا یا نہیں! لیکن اس پر اتفاق ہے کہ انہیں آپ کے پاس رخصت نہیں کیا گیا۔ ذیل میں ہم ان ازدواج مطہرات کے نام اور ان کے مختصر حالات ترتیب وار پیش کر رہے ہیں۔

۲۔ حضرت سُوْدَةُ بنت زَمْعہ: ان سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ کی وفات کے چند دن بعد نبوت کے دسویں سال ماہ شوال میں شادی کی۔ آپ سے پہلے حضرت سُوْدَةُ اپنے چچے

بھائی سکران بن عمرو کے عقد میں تھیں اور وہ انتقال کر کے انہیں بیوہ چھوڑ گئے تھے۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا؛ ان سے رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے گیارہویں برس ماہ شوال میں شادی کی یعنی حضرت سَوَدَہؓ سے شادی کے ایک سال بعد اور ہجرت سے دو برس پانچ ماہ پہلے۔ اس وقت ان کی عمر چھ برس تھی۔ پھر ہجرت کے سات ماہ بعد شوال سلسلہ میں انہیں رخصت کیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر نو برس تھی اور وہ بکرہ تھیں۔ ان کے علاوہ کسی اور بکرہ عورت سے آپؐ نے شادی نہیں کی۔ حضرت عائشہؓ آپؐ کی سب سے محبوب بیوی تھیں اور اُمت کی عورتوں میں علی الاطلاق سب سے زیادہ فقیہ اور صاحبِ علم تھیں۔

۴۔ حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا۔ ان کے پہلے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے جو بدر اور احد کے درمیانی عرصہ میں رعلت کر گئے اور وہ بیوہ ہو گئیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی شادی کا یہ واقعہ سلسلہ کا ہے۔

۵۔ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا؛ یہ قبیلہ بنو ہلال بن عامر بن صعصعہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ مسکینوں پر رحم و مروت اور رقت و رأفت کے سبب ان کا لقب اُمّ المساکین پڑ گیا تھا۔ یہ حضرت عبداللہ بن جحش کے عقد میں تھیں۔ وہ جنگِ احد میں شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے سلسلہ میں ان سے شادی کر لی۔ مگر صرف آٹھ ماہ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں رہ کر وفات پا گئیں۔

۶۔ اُمّ سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا؛ یہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ جمادی الآخرہ سلسلہ میں حضرت ابوسلمہ کا انتقال ہو گیا تو ان کے بعد شوال سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

۷۔ زینب بنت جحش بن ریاب رضی اللہ عنہا؛ یہ قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی پہلے حضرت زید بن حارثہ سے ہوئی تھی جنہیں رسول اللہ ﷺ کا بیٹا سمجھا جاتا تھا لیکن حضرت زید سے نباہ نہ ہو سکا اور انہوں نے طلاق دیدی۔ خاتمہ عدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مطلق کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی؛ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا، (۳۳: ۴) جب زید نے ان سے اپنی ضرورت پوری کر لی تو ہم نے انہیں آپؐ کی زوجیت میں دے دیا۔

انہیں کے تعلق سے سورۃ احزاب کی مزید کئی آیات نازل ہوئیں جن میں مُتَبَنٰیؓ کے بارے میں

کے قصبے کا دو ٹوک فیصلہ کر دیا گیا — تفصیل آگے آرہی ہے — حضرت زینبؓ سے رسول اللہ ﷺ کی شادی ذی قعدہ ۳ھ میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔

۸۔ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا: ان کے والد قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو المصطلق کے سردار تھے۔ حضرت جویریہ بنو المصطلق کے قیدیوں میں لائی گئی تھیں اور حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے حصے میں پڑی تھیں۔ انہوں نے حضرت جویریہ سے مکاتبہ کر لی یعنی ایک مقررہ رقم کے عوض آزاد کر دینے کا معاملہ طے کر لیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے مقررہ رقم ادا فرمادی اور ان سے شادی کر لی۔ یہ شعبان ۳ھ یا ۴ھ کا واقعہ ہے۔

۹۔ اُمّ حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا۔ یہ عبید اللہ بن جحش کے عقد میں تھیں اور اس کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ بھی گئی تھیں لیکن عبید اللہ نے وہاں جانے کے بعد مرتد ہو کر عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اور پھر وہیں انتقال کر گیا لیکن اُمّ حبیبہ اپنے دین اور اپنی ہجرت پر قائم رہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے محرم ۶ھ میں عمرو بن اُمیہ ضمیری کو اپنا خط دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تو نجاشی کو یہ پیغام بھی دیا کہ اُمّ حبیبہ سے آپ کا نکاح کر دے۔ اس نے اُمّ حبیبہ کی منظوری کے بعد ان سے آپ کا نکاح کر دیا اور شریک بن حسنہ کے ساتھ انہیں آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔

۱۰۔ حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب رضی اللہ عنہا: یہ بنی اسرائیل سے تھیں اور خیبر میں قید کی گئیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمالیا اور آزاد کر کے شادی کر لی۔ یہ فتح خیبر ۶ھ کے بعد کا واقعہ ہے۔

۱۱۔ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا: یہ ام الفضل بابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ ان سے رسول اللہ ﷺ نے ذی قعدہ ۳ھ میں عمرہ قضا سے فارغ ہونے — اور صحیح قول کے مطابق احرام سے حلال ہونے — کے بعد شادی کی۔

یہ گیارہ بیویاں ہوئیں جو رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں اور آپ کی صحبت و رفاقت میں رہیں۔ ان میں سے دو بیویاں یعنی حضرت خدیجہ اور حضرت زینبؓ اُمّ المساکین کی وفات آپ کی زندگی ہی میں ہوئی اور نو بیویاں آپ کی وفات کے بعد حیات رہیں۔ ان کے علاوہ دو اور خواتین جو آپ کے پاس رخصت نہیں کی گئیں ان میں سے ایک قبیلہ بنو کلاب سے تعلق

رکھتی تھیں اور ایک قبیلہ کندہ سے۔ یہی قبیلہ کندہ والی خاتون جونہ کی نسبت سے معروف ہیں ان کا آپ سے عقد ہوا تھا یا نہیں اور ان کا نام و نسب کیا تھا اس بارے میں اہل سیر کے درمیان بڑے اختلافات ہیں جنکی تفصیل کی ہم کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

جہاں تک لونڈیوں کا معاملہ ہے تو مشہور یہ ہے کہ آپ نے دو لونڈیوں کو اپنے پاس رکھا: ایک ماریہ قبطیہ کو جنہیں مقوقس فرمانروائے مصر نے بطور ہدیہ بھیجا تھا ان کے بطن سے آپ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے جو بچپن ہی میں ۲۸ یا ۲۹ شوال ۳۱ھ مطابق ۲۷ جنوری ۶۲۲ء کو مدینہ کے اندر انتقال کر گئے۔

دوسری لونڈی ریحانہ بنت زید تھیں جو یہود کے قبیلہ بنی نضیر یا بنی قریظہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بنو قریظہ کے قیدیوں میں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمایا تھا اور وہ آپ کی لونڈی تھیں۔ ان کے بارے میں بعض محققین کا خیال ہے کہ انہیں نبی ﷺ نے بحیثیت لونڈی نہیں رکھا تھا بلکہ آزاد کر کے شادی کر لی تھی لیکن ابن قیم کی نظر میں پہلا قول راجح ہے۔ ابو عبیدہ نے ان دو لونڈیوں کے علاوہ مزید دو لونڈیوں کا ذکر کیا ہے جس میں سے ایک کا نام جمیلہ بتایا جاتا ہے جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور دوسری کوئی اور لونڈی تھیں جنہیں حضرت زینب بنت جحش نے آپ کو ہبہ کیا تھا۔

یہاں ٹھہر کر رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ایک پہلو پر ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے اپنی جوانی کے نہایت پر قوت اور عمدہ ایام یعنی تقریباً تیس برس صرف ایک بیوی پر اکتفا کرتے ہوئے گزار دیئے اور وہ بھی ایسی بیوی پر جو تقریباً بڑھیا تھی یعنی پہلے حضرت خدیجہ پر اور پھر حضرت سودہ پر۔ تو کیا یہ تصور کسی بھی درجے میں معقول ہو سکتا ہے کہ اس طرح اتنا عرصہ گزار دینے کے بعد جب آپ بڑھاپے کی دلیز پر پہنچ گئے تو آپ کے اندر یکایک جنسی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ آپ کو پے درپے نو شادیاں کرنی پڑیں۔ جی نہیں! آپ کی زندگی کے ان دونوں حصوں پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی ہوشمند آدمی اس تصور کو معقول تسلیم نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اتنی بہت ساری شادیاں کچھ دوسرے ہی اغراض و مقاصد کے تحت کی تھیں جو عام شادیوں کے مقررہ مقصد سے بہت ہی زیادہ عظیم القدر اور جلیل المرتبہ تھے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے شادی کر کے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رشتہ مصاہرت قائم کیا، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پے درپے اپنی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم کی شادی کر کے اور حضرت علیؓ سے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ کی شادی کر کے جو رشتہائے مصاہرت قائم کیے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ ان چاروں بزرگوں سے اپنے تعلقات نہایت پختہ کر لیں کیونکہ یہ چاروں بزرگ پچیدہ ترین مراحل میں اسلام کے لیے فداکاری و جہاں سپاری کا جو امتیازی وصف رکھتے تھے وہ معروف ہے۔

عرب کا دستور تھا کہ وہ رشتہ مصاہرت کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ان کے نزدیک دامادی کا رشتہ مختلف قبائل کے درمیان قربت کا ایک اہم باب تھا اور داماد سے جنگ لڑنا اور محاذ آرائی کرنا بڑے شرم اور عار کی بات تھی۔ اس دستور کو سامنے رکھ کر رسول اللہ ﷺ نے چند شادیاں اس مقصد سے کیں کہ مختلف افراد اور قبائل کی اسلام دشمنی کا زور توڑ دیں اور ان کے بغض و نفرت کی چنگاری بجھا دیں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنی مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں جو ابوجہل اور خالد بن ولید کا قبیلہ تھا۔ جب نبی ﷺ نے ان سے شادی کر لی تو خالد بن ولید میں وہ سختی نہ رہی جس کا مظاہرہ وہ اُحد میں کر چکے تھے، بلکہ تھوڑے ہی عرصہ بعد انہوں نے اپنی مرضی خوشی اور خواہش سے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح جب آپ نے ابوسفیان کی صاحبزادی حضرت ام حبیبہ سے شادی کر لی تو پھر ابوسفیان آپ کے مد مقابل نہ آیا اور جب حضرت جویریہؓ اور حضرت صفیہؓ آپ کی زوجیت میں آگئیں تو قبیلہ بنی المصطلق اور قبیلہ بنی نضیر نے محاذ آرائی چھوڑ دی۔ حضور کے عقد میں ان دونوں بیویوں کے آنے کے بعد تاریخ میں ان کے قبیلوں کی کسی شورش اور جنگی تگ و دو کا سراغ نہیں ملتا، بلکہ حضرت جویریہؓ تو اپنی قوم کیلئے ساری عورتوں سے زیادہ بابرکت ثابت ہوئیں، کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی تو صحابہ کرام نے ان کے ایک سو گھرانوں کو جو قید میں تھے آزاد کر دیا اور کہا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سسرالی ہیں۔ ان کے دلوں پر اس احسان کا جو زبردست اثر ہوا ہو گا وہ ظاہر ہے۔

ان سب سے بڑی اور عظیم بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غیر مذہب قوم کو تربیت دینے، اس کا تزکیہ نفس کرنے اور تہذیب و تمدن سکھانے پر مامور تھے جو تہذیب و ثقافت

سے، تمدن کے لوازمات کی پابندی سے اور معاشرے کی تشکیل و تعمیر میں حصہ لینے کی ذمہ داریوں سے بالکل نا آشنا تھی، اور اسلامی معاشرے کی تشکیل جن اصولوں کی بنیاد پر کرنی تھی ان میں مردوں اور عورتوں کے اختلاط کی گنجائش نہ تھی لہذا عدم اختلاط کے اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کی براہ راست تربیت نہیں کی جاسکتی تھی حالانکہ ان کی تعلیم و تربیت کی ضرورت مردوں سے کچھ کم اہم اور ضروری نہ تھی، بلکہ کچھ زیادہ ہی ضروری تھی۔

اس لیے نبی ﷺ کے پاس صرف یہی ایک سبیل رہ گئی تھی کہ آپ مختلف عمر اور لیاقت کی اتنی عورتوں کو منتخب فرمائیں جو اس مقصد کے لیے کافی ہوں۔ پھر آپ انہیں تعلیم و تربیت دیں، ان کا تزکیہ نفس فرمادیں، انہیں احکام شریعت سکھادیں اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے اس طرح آراستہ کر دیں کہ وہ دیہاتی اور شہری، بوڑھی اور جوان ہر طرح کی عورتوں کی تربیت کر سکیں اور انہیں مسائل شریعت سکھا سکیں اور اس طرح عورتوں میں تبلیغ کی مہم کے لیے کافی ہو سکیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ کے خانگی حالات کو امت تک پہنچانے کا سہرا زیادہ تر ان امہات المؤمنین ہی کے سر ہے ان میں بھی بالخصوص وہ امہات المؤمنین جنہوں نے طویل عمر پائی۔ مثال کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ انہوں نے نبی ﷺ کے افعال و اقوال خوب خوب روایت کئے ہیں۔

نبی ﷺ کا ایک نکاح ایسی جاہلی رسم توڑنے کے لیے بھی عمل میں آیا تھا جو عرب معاشرہ میں پشتہ پُشت سے چلی آرہی تھی اور بڑی پختہ ہو چکی تھی۔ یہ رسم تھی کسی کو متبسنی بٹلنے کی۔ متبسنی کو جاہلی دور میں وہی حقوق اور حرمتیں حاصل تھیں جو حقیقی بیٹے کو ہوا کرتی ہیں۔ پھر یہ دستور اور اصول عرب معاشرے میں اس قدر جڑ پکڑ چکا تھا کہ اس کا مٹانا آسان نہ تھا لیکن یہ اصول ان بنیادوں اور اصولوں سے نہایت سختی کے ساتھ ٹکراتا تھا جنہیں اسلام نے نکاح، طلاق، میراث اور دوسرے معاملات میں مسترد فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ جاہلیت کا یہ اصول اپنے دامن میں بہت سے ایسے مفاسد اور فواحش بھی لیے ہوئے تھا جن سے معاشرے کو پاک کرنا اسلام کے اولین مقاصد میں سے تھا۔ لہذا اس جاہلی اصول کو توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی شادی حضرت زینب بنت جحش سے فرمادی حضرت

زینب پہلے حضرت زید کے عقد میں تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے متبنی (منہ بولے بیٹے) تھے مگر دونوں میں نباہ مشکل ہو گیا اور حضرت زید نے طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔ یہ وہ وقت تھا جب تمام کفار رسول اللہ ﷺ کے خلاف محاذ آراتھے اور جنگ خندق کے لیے جمع ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متبنی بنانے کی رسم کے خاتمے کے اثرات مل چکے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ کو بجا طور پر یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر ان ہی حالات میں حضرت زید نے طلاق دیدی اور پھر آپ کو حضرت زینب سے شادی کرنی پڑی تو منافقین، مشرکین اور یہودیہات کا بتنگڑ بنا کر آپ کے خلاف سخت پڑ پگنڈہ کریں گے اور سادہ لوح مسلمانوں کو طرح طرح کے دوسوسوں میں مبتلا کر کے ان پر برے اثرات ڈالیں گے اس لیے آپ کی کوشش تھی کہ حضرت زید طلاق نہ دیں تاکہ اس کی سرے سے نوبت ہی نہ آئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے آپ کو (محبت آمیز) تنبیہ کی چنانچہ ارشاد ہوا:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ (۳۴: ۳۳)

”اور جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے انعام کیا ہے یعنی حضرت زید سے کہ تم اپنے اوپر اپنی بیوی کو روک رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ اور آپ اپنے نفس میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا؛ اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ زیادہ مستحق تھا کہ آپ اس سے ڈرتے۔“

بالآخر حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی۔ پھر ان کی عدت گزر گئی تو ان سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کا فیصلہ نازل ہوا اللہ نے آپ پر یہ نکاح لازم کر دیا تھا اور کوئی اختیار اور گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ اس سلسلے میں نازل ہونے والی آیت کریمہ یہ ہے۔

فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لَكَ لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا (۳۴: ۳۳)

”جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی تو ہم نے اس کی شادی آپ سے کر دی تاکہ مومنین پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں پر کوئی عرج نہ رہ جائے جبکہ وہ منہ بولے بیٹے ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں۔“

اس کا مقصد یہ تھا کہ منہ بولے بیٹوں سے متعلق جاہلی اصول عملاً بھی توڑ دیا جائے، جس طرح اس سے پہلے اس ارشاد کے ذریعہ قولاً توڑا جا چکا تھا:

أَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ (۵:۳۳)

”انہیں ان کے باپ کی نسبت سے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔“
 مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِنِّ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ (۳۰:۳۳)
 ”محمد، تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔“
 اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جب معاشرے میں کوئی رواج اچھی طرح جڑ پکڑ لیتا ہے تو محض بات کے ذریعے اسے مٹانا یا اس میں تبدیلی لانا بیشتر اوقات ممکن نہیں ہوا کرتا؛ بلکہ جو شخص اس کے خاتمے یا تبدیلی کا داعی ہو اس کا عملی نمونہ موجود رہنا بھی ضروری ہو جاتا ہے صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی طرف سے جس حرکت کا ظہور ہوا اس سے اس حقیقت کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔ اس موقع پر کہاں تو مسلمانوں کی فداکاری کا یہ عالم تھا کہ جب عروہ بن مسعود ثقفی نے انہیں دیکھا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا تھوک اور کھٹکار بھی ان میں سے کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ ہی میں پڑ رہا ہے، اور جب آپ وضو فرماتے ہیں تو صحابہ کرام آپ کے وضو سے گرنے والا پانی لینے کے لیے اس طرح ٹوٹے پڑ رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے آپس میں الجھ پڑیں گے جی ہاں! یہ وہی صحابہ کرام تھے جو دشت کے نیچے موت یا عدم فرار پر بیعت کرنے کیلئے ایک دوسرے سے سبقت لے جا رہے تھے اور یہ وہی صحابہ کرام تھے جن میں ابو بکرؓ و عمرؓ جیسے جاں نثاران رسول بھی تھے۔ لیکن انہی صحابہ کرام کو — جو آپ پر مرثنا اپنی انتہائی سعادت و کامیابی سمجھتے تھے —

جب آپ نے صلح کا معاہدہ طے کر لینے کے بعد حکم دیا کہ اٹھ کر اپنی ہڈی (قربانی کے جانور) ذبح کر دیں تو آپ کے حکم کی بجا آوری کے لیے کوئی ٹس سے مس نہ ہوا یہاں تک کہ آپ قلق و اضطراب سے دوچار ہو گئے۔ لیکن جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ اٹھ کر چپ چاپ اپنا جانور ذبح کر دیں، اور آپ نے ایسا ہی کیا تو ہر شخص آپ کے طرز عمل کی پیروی کے لیے دوڑ پڑا اور تمام صحابہ نے لپک لپک کر اپنے جانور ذبح کر دیئے۔ اس واقعہ سے سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی پختہ رواج کو مٹانے کے لیے قول اور عمل کے اثرات میں کتنا زیادہ فرق ہے۔ اس لیے مُتبہنی کا جاہلی اصول عملی طور پر توڑنے کے لیے آپ کا نکاح آپ کے منہ بولے

بیٹے حضرت زید کی مطلقہ سے کرایا گیا۔

اس نکاح کا عمل میں آنا تھا کہ منافقین نے آپ کے خلاف نہایت وسیع پیمانے پر جھوٹا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ اور طرح طرح کے دوسے اور افواہیں پھیلائیں جس کے کچھ نہ کچھ اثرات سادہ لوح مسلمانوں پر بھی پڑے۔ اس پروپیگنڈے کو تقویت پہنچانے کے لئے ایک شرعی پہلو بھی منافقین کے ہاتھ آگیا تھا کہ حضرت زینبؓ آپ کی پانچویں بیوی تھیں جبکہ مسلمان بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ کی حلت جانتے ہی نہ تھے۔ ان سب کے علاوہ پروپیگنڈہ کی اصل جان یہ تھی کہ حضرت زید، رسول اللہ ﷺ کے بیٹے سمجھے جاتے تھے اور بیٹے کی بیوی سے شادی بڑی فحش کاری خیال کی جاتی تھی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب میں اس اہم موضوع سے متعلق کافی وشافی آیات نازل کیں اور صحابہ کو معلوم ہو گیا کہ اسلام میں منہ بولے بیٹے کی کوئی حیثیت نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نہایت بلند پایہ اور مخصوص مقاصد کے تحت اپنے رسول ﷺ کو خصوصیت کے ساتھ شادی کی تعداد کے سلسلے میں اتنی وسعت دی ہے جو کسی اور کو نہیں دی گئی ہے۔

اُمہات المومنین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رہائش نہایت شریفانہ، باعزت، بلند پایہ اور عمدہ انداز کی تھی۔ ازواجِ مطہرات بھی، شرف، قناعت، صبر، تواضع، خدمت اور ازدواجی حقوق کی نگہداشت کا مرقع تھیں۔ حالانکہ آپ بڑی روکھی بھکی اور سخت زندگی گزار رہے تھے جسے برداشت کر لینا دوسروں کے بس کی بات نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے علم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی میدے کی نرم روٹی کھائی ہو یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے اور نہ آپ نے اپنی آنکھ سے کبھی ٹھنی ہوئی بکری دیکھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ دو دو ماہ گزر جاتے، تیسرے مہینے کا چاند نظر آ جاتا اور رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آگ نہ جلتی۔ حضرت عروہ نے دریافت کیا کہ تب آپ لوگ کیا کھاتی تھیں۔ فرمایا کہ بس دو کالی چیزیں۔ یعنی کھجور اور پانی۔ اس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں۔

اس تنگی و ترشی کے باوجود ازواجِ مطہرات سے کوئی لائق عقاب حرکت صادر نہ ہوئی۔ صرف ایک دفعہ ایسا ہوا اور وہ بھی اس لیے کہ ایک تو انسانی فطرت کا تقاضا ہی کچھ ایسا ہے کہ

اسی بنیاد پر کچھ احکامات مشروع کرنے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی موقع پر آیت تخییر نازل فرمائی جو یہ تھی :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا
فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝
(۲۹/۲۸:۳۳)

”اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں ساز و سامان دے کر بھلائی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکو کاروں کے لیے زبردست اجر تیار کر رکھا ہے۔“
اب ان ازواجِ مطہرات کے شرف اور عظمت کا اندازہ کیجئے کہ ان سب نے اللہ اور اس کے رسول کو ترجیح دی اور ان میں سے کوئی ایک بھی دنیا کی طرف مائل نہ ہوئیں۔

اسی طرح سوکنوں کے درمیان جو واقعات روزمرہ کا معمول ہوا کرتے ہیں، ازواجِ مطہرات کے درمیان کثرتِ تعداد کے باوجود اس طرح کے واقعات شاذ و نادر ہی پیش آتے اور وہ بھی بقا ضابطہ بشریت، اور اس پر بھی جب اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا تو دوبارہ اس طرح کی کسی حرکت کا ظہور نہیں ہوا۔ سورہ تحریم کی ابتدائی پانچ آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

انہی میں یہ عرض کر دینا بھی بیجا نہ ہو گا کہ ہم اس موقع پر تعددِ ازواج کے موضوع پر بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے، کیونکہ جو لوگ اس موضوع پر سب سے زیادہ لے دے کرتے ہیں یعنی باشندگانِ یورپ وہ خود جس طرح کی زندگی گزار رہے ہیں؛ جس تلخی و بدبختی کا جام نوش کر رہے ہیں۔ جس طرح کی رسوائیوں اور جراثیم میں لست پت ہیں اور تعددِ ازواج کے اصول سے منحرف ہو کر جس قسم کے رنج و الم اور مصائب کا سامنا کر رہے ہیں وہ ہر طرح کی بحث و جدل سے مستغنی کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اہل یورپ کی بدبختانہ زندگی تعددِ ازواج کے اصول کے مبنی برحق ہونے کی سب سے سچی گواہ ہے اور اصحابِ نظر کے لیے اس میں بڑی عبرت ہے۔

اخلاق و اوصاف

نبی کریم ﷺ ایسے جمالِ خلق اور کمالِ خلق سے مُتَّصِف تھے جو حیطۂ بیان سے باہر ہے۔ اس جمال و کمال کا اثر یہ تھا کہ دل آپ کی تعظیم اور قدر و منزلت کے جذبات سے خود بخود لبریز ہو جاتے تھے۔ چنانچہ آپ کی حفاظت اور اجلال و تکریم میں لوگوں نے ایسی ایسی فداکاریاں جہاں نشاری کا ثبوت دیا جس کی نظیر دنیا کی کسی اور شخصیت کے سلسلے میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ آپ کے رفقاء اور ہم نشین وارفنگی کی حد تک آپ سے محبت کرتے تھے۔ انہیں گوارا نہ تھا کہ آپ کو غراش تک آجاتے خواہ اس کے لیے ان کی گردنیں ہی کیوں نہ کاٹ دی جائیں۔ اس طرح کی محبت کی وجہ یہی تھی کہ عادتاً جن کمالات پر جان چھڑکی جاتی ہے ان کمالات سے جس قدر حصہ وافر آپ کو عطا ہوا تھا کسی اور انسان کو نہ ملا۔ ذیل میں ہم عاجزی و بے مائیگی کے اعتراف کے ساتھ ان روایات کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں جن کا تعلق آپ کے جمال و کمال سے ہے۔

حلیہ مبارک ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ اُمّ مَعْبُود خُزَاعِیہ کے خیمے سے گزرے تو اس نے آپ کی روانگی کے بعد اپنے شوہر سے آپ کے حلیہ مبارک کا جو نقشہ کھینچا وہ یہ تھا: ”چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت، نہ تو ندے پن کا عیب نہ گنچے پن کی خامی، جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پکیہ، سرگیں آنکھیں، لمبی پلکیں، بھاری آواز، لمبی گردن، سفید و سیاہ آنکھیں، سیاہ سرگیں پلکیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمکدار کالے بال، خاموش ہوں تو بادقار، گفتگو کریں تو پُرشش، دور سے (دیکھنے میں) سب سے تابناک و پُر جمال، قریب سے خوبصورت اور شیریں، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دو ٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ درمیانہ قد، نہ ناما کہ نگاہ میں نہ نیچے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے۔ دو شانوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح ہیں جو سب سے زیادہ تازہ و خوش منظر ہے، رفقاء آپ کے گرد حلقہ بناتے ہوئے کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو پیک کر بجالاتے ہیں۔ مطاع و مکرم نہ ترش رُو، نہ لغو گو لیج“

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "آپ نہ لمبے ترنگے تھے نہ ناٹے کھوٹے، لوگوں کے حساب سے درمیانہ قد کے تھے۔ بال نہ زیادہ گھنگریالے تھے نہ بالکل کھڑے کھڑے بلکہ دونوں کے بیچ بیچ کی کیفیت تھی۔ رخسار نہ بہت زیادہ پُر گوشت تھا، نہ ٹھوڑی چھوٹی اور پیشانی پست، چہرہ کسی قدر گولائی لیے ہوئے تھا۔ رنگ گورا گلابی، آنکھیں سُرخ مائل، پلکیں لمبی، جوڑوں اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، سینہ پر ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر بقیہ جسم بال سے خالی، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں پُر گوشت چلتے تو قدرے جھٹکے سے پاؤں اٹھاتے اور یوں چلتے گویا کسی ڈھلوان پر چل رہے ہیں۔ جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے وجود کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ سارے انبیاء کے خاتم تھے سب سے زیادہ سخی دست اور سب سے بڑھ کر جرأت مند سب سے زیادہ صادق اللہیہ اور سب سے بڑھ کر عظیم پیمانہ کے پابند و فارہ سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے شریف ساتھی جو آپ کو اچانک دیکھتا ہیبت ہو جاتا۔ جو جان پہچان کے ساتھ ملتا محبوب رکھتا۔ آپ کا وصف بیان کرنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ جیسا نہیں دیکھا"۔

حضرت علیؓ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کا سر بڑا تھا، جوڑوں کی ہڈیاں بھاری بھاری تھیں، سینے پر بالوں کی لمبی لکیر تھی۔ جب آپ چلتے تو قدرے جھک کر چلتے گویا کسی ڈھلوان سے اتر رہے ہیں۔ حضرت جابر بن عمرؓ کا بیان ہے کہ آپ کا دہانہ کشادہ تھا، آنکھیں ہلکی سُرخ لیے ہوئے اور ایڑیاں باریک۔ حضرت ابو الطفیلؓ کہتے ہیں کہ آپ گورے رنگ پُر ملاحت چہرے اور میانہ قد و قامت کے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ کا ارشاد ہے کہ آپ کی ہتھیلیاں کشادہ تھیں، اور رنگ چمکدار، نہ خالص سفید نہ گندم گوں، وفات کے وقت تک سر اور چہرے کے بیس بال بھی سفید نہ ہوئے تھے۔ صرف کنپٹی کے بالوں میں کچھ سفیدی تھی اور چند بال سر کے سفید تھے۔

حضرت ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے ہونٹ کے نیچے عنقہ (واڑھی بچہ) میں سفیدی دیکھی۔ حضرت عبداللہ بن بسرؓ کا بیان ہے کہ آپ کے عنقہ (واڑھی بچہ) میں چند بال سفید تھے۔

حضرت براء کا بیان ہے کہ آپ کا پیکر درمیانی تھا۔ دونوں کندھوں کے درمیان دوری تھی۔ بال دونوں کانوں کی لٹمک پہنچتے تھے۔ میں نے آپ کو سُرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے دیکھا۔ کبھی کوئی چیز آپ سے زیادہ خوبصورت نہ دیکھی تھی۔

پہلے آپ اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، اس لیے بال میں لٹکھی کرتے تو مانگ نہ نکالتے، لیکن بعد میں مانگ نکالا کرتے تھے ﷺ

حضرت براء کہتے ہیں: آپ کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا اور آپ کے اخلاق سب سے بہتر تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا نبی ﷺ کا چہرہ تلوار جیسا تھا، انہوں نے کہا: نہیں بلکہ چاند جیسا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کا چہرہ گول تھا ﷺ

ربیع بنت مَعُوذ کہتی ہیں کہ اگر تم حضور کو دیکھتے تو لگتا کہ تم نے طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھا ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار چاندنی رات میں آپ کو دیکھا، آپ پر سُرخ جوڑا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا، اور چاند کو دیکھتا۔ آخر (اس نتیجہ پر پہنچا کہ) آپ چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں ﷺ

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز نہیں دیکھی۔ لگتا تھا سورج آپ کے چہرے میں رواں دواں ہے۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو تیز رفتار نہیں دیکھا۔ لگتا تھا زمین آپ کے لیے لپیٹی جا رہی ہے۔ ہم تو اپنے آپ کو تھکا مارتے تھے اور آپ بالکل بے فکر تھے۔

حضرت کعب بن مالک کا بیان ہے کہ جب آپ خوش ہوتے تو چہرہ دمک اٹھتا، گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔ ایک بار آپ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف فرما تھے۔ پسینہ آیا تو چہرے کی دھاریاں چمک اٹھیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے ابو بکر صدیقؓ کا یہ شعر پڑھا:

وَإِذَا نَظَرْتُ إِلَى أَسْرَةِ وَجْهِهِ بَرَقَ الْكَوْكَبُ الْعَارِضُ الْمُتَهَلِّلُ
 ”جب ان کے چہرے کی دھاریاں دیکھو تو وہ یوں چمکتی ہیں جیسے روشن بادل چمک رہا ہو“
 ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھتے:

۱۰ ایضاً ایضاً ۱۱ ایضاً ۱۲ ایضاً ۱۳ ایضاً ۱۴ ایضاً ۱۵ ایضاً ۱۶ ایضاً ۱۷ ایضاً ۱۸ ایضاً ۱۹ ایضاً ۲۰ ایضاً ۲۱ ایضاً ۲۲ ایضاً ۲۳ ایضاً ۲۴ ایضاً ۲۵ ایضاً ۲۶ ایضاً ۲۷ ایضاً ۲۸ ایضاً ۲۹ ایضاً ۳۰ ایضاً ۳۱ ایضاً ۳۲ ایضاً ۳۳ ایضاً ۳۴ ایضاً ۳۵ ایضاً ۳۶ ایضاً ۳۷ ایضاً ۳۸ ایضاً ۳۹ ایضاً ۴۰ ایضاً ۴۱ ایضاً ۴۲ ایضاً ۴۳ ایضاً ۴۴ ایضاً ۴۵ ایضاً ۴۶ ایضاً ۴۷ ایضاً ۴۸ ایضاً ۴۹ ایضاً ۵۰ ایضاً ۵۱ ایضاً ۵۲ ایضاً ۵۳ ایضاً ۵۴ ایضاً ۵۵ ایضاً ۵۶ ایضاً ۵۷ ایضاً ۵۸ ایضاً ۵۹ ایضاً ۶۰ ایضاً ۶۱ ایضاً ۶۲ ایضاً ۶۳ ایضاً ۶۴ ایضاً ۶۵ ایضاً ۶۶ ایضاً ۶۷ ایضاً ۶۸ ایضاً ۶۹ ایضاً ۷۰ ایضاً ۷۱ ایضاً ۷۲ ایضاً ۷۳ ایضاً ۷۴ ایضاً ۷۵ ایضاً ۷۶ ایضاً ۷۷ ایضاً ۷۸ ایضاً ۷۹ ایضاً ۸۰ ایضاً ۸۱ ایضاً ۸۲ ایضاً ۸۳ ایضاً ۸۴ ایضاً ۸۵ ایضاً ۸۶ ایضاً ۸۷ ایضاً ۸۸ ایضاً ۸۹ ایضاً ۹۰ ایضاً ۹۱ ایضاً ۹۲ ایضاً ۹۳ ایضاً ۹۴ ایضاً ۹۵ ایضاً ۹۶ ایضاً ۹۷ ایضاً ۹۸ ایضاً ۹۹ ایضاً ۱۰۰ ایضاً

امین مصطفیٰ بالخیر يدعو كضوء البدر زایلہ الظلام
 ”آپ امین ہیں، پغیدہ و برگزیدہ ہیں، خیر کی دعوت دیتے ہیں، گویا ماہِ کامل کی روشنی میں جس سے تاریکی اٹھ چولی کھیل رہی ہے“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ زہیر کا یہ شعر پڑھتے جو ہرم بن سان کے بارے میں کہا گیا تھا کہ:
 لو كنت من شيء سوى البشر كنت المضيء للنيلة البدر
 ”اگر آپ بشر کے سوا کسی اور چیز سے ہوتے تو آپ ہی چودھویں کی رات کو روشن کرتے“
 پھر فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ ایسے ہی تھے۔

جب آپ غضبناک ہوتے تو چہرہ سُرخ ہو جاتا گویا دونوں رخساروں میں دانہ انار نچوڑ دیا گیا ہے۔
 حضرت جابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ آپ کی پنڈلیاں قدرے پتلی تھیں اور آپ ہنستے تو صرف تبسم فرماتے
 آنکھیں سرگیں تھیں تم دیکھتے تو کہتے کہ آپ نے آنکھوں میں سُرمہ لگا رکھا ہے حالانکہ سُرمہ نہ لگا ہوتا۔
 حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ آپ کے آگے کے دونوں دانت الگ الگ تھے۔
 جب آپ گفتگو فرماتے تو ان دانتوں کے درمیان سے نور صیاف نکلتا دکھائی دیتا۔

گردن گویا چاندی کی صفائی لیے ہوئے گڑیا کی گردن تھی۔ پلکیں طویل، داڑھی گھنی، پیشانی کشادہ، ابرو پیوستہ اور ایک دوسرے سے الگ، ناک اونچی، رخسار ہلکے، لبہ سے ناف تک مچھڑی کی طرح دوڑا ہوا بال، اور اس کے سوا شکم اور سینے پر کہیں بال نہیں۔ البتہ بازو اور مونڈھوں پر بال تھے۔ شکم اور سینہ برابر، سینہ مسطح اور کشادہ، کلاسیاں بڑی بڑی ہتھیلیاں کشادہ، قد کھڑا، تلوے خالی، اعضا بڑے بڑے جب چلتے تو جھٹکے کے ساتھ چلتے، قدرے جھکاؤ کے ساتھ آگے بڑھتے اور سہل رفتار سے چلتے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی حریر دیا نہیں چھوا جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ اور نہ کبھی کوئی عنبر یا مشک یا کوئی ایسی خوشبو سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے بہتر ہو۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کا ہاتھ اپنے چہرہ پر رکھا تو وہ برون سے زیادہ ٹھنڈا اور مُشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

حضرت جابر بن سمرہ — جو بچے تھے — کہتے ہیں: ”آپ نے میرے رخسار پر ہاتھ پھیرا تو میں نے

۱۹ خلاصۃ السیر ص ۲۰۰ ۲۰۱ ایضاً خلاصۃ السیر ص ۲۰۰

۲۰ مشکوٰۃ ۱/۲۲، ترمذی: ابواب القدر، باب ما جاز فی التشدید فی الخوض فی القدر ۲/۳۵

۲۱ جامع ترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی ۴/۳۰۶ ۲۲ ترمذی مشکوٰۃ ۲/۵۱۸

۲۳ خلاصۃ السیر ص ۱۹، ۲۰ ۲۴ صحیح بخاری ۱/۵۰۳ صحیح مسلم ۲/۲۵۷ ۲۵ صحیح بخاری ۱/۵۰۲

آپ کے ہاتھ میں ایسی ٹھنڈک اور ایسی خوشبو محسوس کی گویا آپ نے اسے عطار کے عطر دان سے نکالا ہے۔
حضرت انس کا بیان ہے کہ آپ کا پسینہ گویا موتی ہوتا تھا، اور حضرت ام سلمہ کہتی ہیں
کہ یہ پسینہ ہی سب سے عمدہ خوشبو ہوا کرتی تھی۔

حضرت جابر کہتے ہیں: آپ کسی راستے سے تشریف لے جاتے اور آپ کے بعد کوئی اور
گزرنا تو آپ کے جسم یا پسینہ کی خوشبو کی وجہ سے جان جاتا کہ آپ یہاں سے تشریف لے گئے ہیں۔
آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہربوت تھی جو کبوتر کے انڈے جیسی اور جسم مبارک ہی کے
مشابہ تھی۔ یہ بامیں کندھے کی کری (زمر ہڈی) کے پاس تھی۔ اس پر مسوں کی طرح تلوں کا جھگٹ تھا۔

نبی ﷺ فصاحت و بلاغت میں ممتاز تھے۔ آپ
طبیعت کی روانی، لفظ کے نکھار، فقروں کی جزالت،

معانی کی صحت اور تکلف سے دوری کے ساتھ ساتھ جوامع الکلم (جامع باتوں) سے نوانے
گئے تھے۔ آپ کو نادر حکمتوں اور عرب کی تمام زبانوں کا علم عطا ہوا تھا؛ چنانچہ آپ ہر قبیلے سے
اسی کی زبان اور محاوروں میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپ میں بدویوں کا زور بیان اور قوتِ مخاطب
اور شہریوں کی شستگی الفاظ اور شستگی و شائستگی جمع تھی اور وحی پر مبنی تائید ربانی الگ سے۔

برو باری، قوتِ برداشت، قدرتِ پاکر درگزر اور مشکلات پر صبر ایسے اوصاف تھے
جنکے ذریعہ اللہ نے آپ کی تربیت کی تھی۔ ہر حلیم و دربار کی کوئی نہ کوئی لغزش اور کوئی نہ کوئی زبان کی بے احتیاطی
جانی جاتی ہے مگر نبی ﷺ کی بلندی کردار کا عالم یہ تھا کہ آپ کے خلاف دشمنوں کی ایذا رسانی
اور بد معاشوں کی خود سری و زیادتی جس قدر بڑھتی گئی آپ کے صبر و حلم میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار
دیا جاتا تو آپ وہی کام اختیار فرماتے جو آسان ہوتا، جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔ اگر گناہ کا
کام ہوتا تو آپ سب سے بڑھ کر اس سے دور رہتے۔ آپ نے کبھی اپنے نفس کے لیے انتقام نہ لیا؟
البتہ اگر اللہ کی حرمت چاک کی جاتی تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

آپ سب سے بڑھ کر غیظ و غضب سے دور تھے اور سب سے جلد راضی ہو جاتے تھے۔

جو دو کرم کا وصف ایسا تھا کہ اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ اس شخص کی طرح بخشش و نوازش فرماتے تھے جسے فقر کا اندیشہ ہی نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی ﷺ سب سے بڑھ کر پیکرِ جو دو سخا تھے، اور آپ کا دریائے سخاوت رمضان میں اس وقت زیادہ جوش پر ہوتا جب حضرت جبریل آپ سے ملاقات فرماتے اور حضرت جبریل رمضان میں آپ سے ہر رات ملاقات فرماتے اور قرآن کا دور کراتے۔ پس رسول اللہ ﷺ خیر کی سخاوت میں رخصتانِ رحمت سے مالا مال کر کے بھیجی ہوئی ہو اسے بھی زیادہ پیش پیش ہوتے تھے۔ حضرت جابر کا ارشاد ہے کہ ایسا کبھی نہ ہوا کہ آپ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ نے نہیں کہہ دیا ہو۔^{۳۳}

شجاعت، بہادری اور دلیری میں بھی آپ کا مقام سب سے بلند اور معروف تھا۔ آپ سب سے زیادہ دلیر تھے۔ نہایت کٹھن اور مشکل مواقع پر جبکہ اچھے اچھے جانبازوں اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، آپ اپنی جگہ برقرار رہے اور پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھتے گئے۔ پائے ثبات میں ذرا الغرض نہ آئی۔ بڑے بڑے بہادر بھی کبھی نہ کبھی بھاگے اور پسا ہوتے ہیں مگر آپ میں یہ بات کبھی نہیں پائی گئی۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ جب زور کارِ زن پڑتا اور جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے۔ آپ سے بڑھ کر کوئی شخص دشمن کے قریب نہ ہوتا۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک رات اہل مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا لوگ شور کی طرہ دوڑے تو راستے میں رسول اللہ ﷺ واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ لوگوں سے پہلے ہی آواز کی جانب پہنچ (کہ خطرے کے مقام کا جائزہ لے) چکے تھے۔ اس وقت آپ ابو طلحہؓ کے بغیر زین کے گھوڑے پر سوار تھے۔ گردن میں تلوار جمائل کر رکھی تھی اور فرما رہے تھے ڈرو نہیں، ڈرو نہیں (کوئی خطرہ نہیں)۔ آپ سب سے زیادہ حیا دار اور پست نگاہ تھے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ پردہ نشین کنواری عورت سے بھی زیادہ حیا دار تھے۔ جب آپ کو کوئی بات ناگوار گزرتی تو چہرے سے پتلا لگ جاتا۔ تسلیم اپنی نظریں کسی کے چہرے پر گاڑتے نہ تھے۔ نگاہ پست رکھتے تھے اور آسمان کی بہ نسبت زمین کی طرف نظر زیادہ دیر تک رہتی تھی۔ عموماً نیچی نگاہ سے تاکتے۔ حیا اور کرم نفس کا عالم یہ تھا کہ کسی سے ناگوار بات رُو در رُو نہ کہتے اور کسی کی کوئی ناگوار بات آپ تک پہنچتی تو نام لیکر اس کا ذکر نہ کرتے بلکہ یوں فرماتے کہ کیا بات ہے کہ کچھ لوگ ایسا کہہ رہے ہیں۔ فرزدق کے اس شعر کے

۳۳ ایضاً ۵۰۲/۱ ایضاً ۳۳
 ۳۴ شفاء قاضی عیاض ۸۹/۱ صحاح و سنن میں بھی اس مضمون کی روایت موجود ہے۔
 ۳۵ صحیح مسلم ۲۵۲/۲ - صحیح بخاری ۴۰۷/۱ ۳۶ صحیح بخاری ۵۰۴/۱

سب سے زیادہ صحیح مصداق آپ تھے :

یغضی حياء و یغضی من مہابتہ فلا یحکو الاحین یبتسم

”آپ حیا کے سبب اپنی نگاہ پست رکھتے ہیں اور آپ کی ہیبت کے سبب نگاہیں پست رکھی جاتی ہیں، چنانچہ آپ سے اسی وقت گفتگو کی جاتی ہے جب آپ تبسم فرما رہے ہوں۔“

آپ سب سے زیادہ عادل، پاک دامن، صادق اللہیہ اور عظیم الامانتہ تھے۔ اس کا اعتراف آپ کے دوست دشمن سب کو ہے۔ نبوت سے پہلے آپ کو امین کہا جاتا تھا اور دور جاہلیت میں آپ کے پاس فیصلے کے لیے مقدمات لائے جاتے تھے۔ جامع ترمذی میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک بار ابو جہل نے آپ سے کہا: ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے البتہ آپ جو کچھ لے کر آتے ہیں اسے جھٹلاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَانَّهُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَكَ وَلٰکِنَّ الظَّالِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ (۶، ۳۳)

”یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔“

ہرقل نے ابوسفیان سے دریافت کیا کہ کیا اس (نبی ﷺ) نے جو بات کہی ہے اس کے کہنے سے پہلے تم لوگ اُن پر جھوٹ کا الزام لگاتے تھے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ ”نہیں“۔ آپ سب سے زیادہ متواضع اور تکبر سے دور تھے۔ جس طرح بادشاہوں کے لیے ان کے خدام و عاشرہ بردار کھڑے رہتے ہیں اس طرح اپنے لیے آپ صحابہ کرام کو کھڑے ہونے سے منع فرماتے تھے۔ مسکینوں کی عیادت کرتے تھے، فقراء کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، غلام کی دعوت منظور فرماتے تھے، صحابہ کرام میں کسی امتیاز کے بغیر ایک عام آدمی کی طرح بیٹھتے تھے۔ جتنی عاشرہ فرماتی ہیں کہ آپ اپنے جوتے خود مانگتے تھے، اپنے کپڑے خود دیتے تھے اور اپنے ہاتھ سے اس طرح کام کرتے تھے جیسے تم میں سے کوئی آدمی اپنے گھر کے کام کاج کرتا ہے۔ آپ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ اپنے کپڑے خود ہی دیکھتے کہ کہیں اس میں جُول نہ ہو، اپنی بکری خود دہتے تھے اور اپنا کام خود کرتے تھے۔ آپ سب سے بڑھ کر عہد کی پابندی اور صلہ رحمی فرماتے تھے، لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ شفقت اور رحم و مروت سے پیش آتے تھے، رہائش اور ادب میں سب سے اچھے تھے۔ آپ کا اخلاق سب سے زیادہ کشادہ تھا۔ بد خلقی سے سب سے زیادہ دور و نفور تھے۔ نہ عادتاً فحش گو تھے نہ بہ مکلف فحش کہتے تھے، نہ لعنت کرتے تھے۔ نہ بازار میں چھتے چلاتے تھے نہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دیتے تھے، بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیتے تھے کسی کو اپنے پیچھے چلتا ہوا نہ چھوڑتے تھے

اور نہ کھانے پینے میں اپنے غلاموں اور لونڈیوں پر ترنُّع اختیار فرماتے تھے۔ اپنے خادم کا کام خود ہی کر دیتے تھے۔ کبھی اپنے خادم کو آف نہیں کہا۔ نہ اس پر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر عتاب فرمایا۔ مسکینوں سے محبت کرتے، ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور ان کے جنازوں میں حاضر ہوتے تھے۔ کسی فقیر کو اس کے فقر کی وجہ سے حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے۔ ایک بکری کاٹنے پکانے کا مشورہ ہوا۔ ایک نے کہا، ذبح کرنا میرے ذمہ، دوسرے نے کہا کھال اتارنا میرے ذمہ، تیسرے نے کہا، پکانا میرے ذمہ، نبی ﷺ نے فرمایا ایندھن کی لکڑیاں جمع کرنا میرے ذمہ صحابہ نے عرض کیا ہم آپ کا کام کر دیں گے آپ نے فرمایا: میں جانتا ہوں تم لوگ میرا کام کر دو گے لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ تم پر امتیاز حاصل کروں کیونکہ اللہ اپنے بندے کی حرکت ناپسند کرتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے رفقاء میں ممتاز سمجھے۔ اس کے بعد آپ نے اٹھ کر لکڑیاں جمع فرمائیں۔

آیئے ذرا ہند بن ابی ہالہ کی زبانی رسول اللہ ﷺ کے اوصاف سنیں۔ ہند اپنی ایک طویل روایت میں کہتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ پیہم غموں سے دوچار تھے۔ ہمیشہ غور و فکر فرماتے رہتے تھے۔ آپ کے لیے راحت نہ تھی۔ بلا ضرورت نہ بولتے تھے۔ دیر تک خاموش رہتے تھے۔ از اول تا آخر بات پورے منہ سے کرتے تھے، یعنی صرف منہ کے کنارے سے نہ بولتے تھے۔ جامع اور دو ٹوک کلمات کہتے تھے جن میں نہ فضول گوئی ہوتی تھی نہ کوتاہی۔ نرم خو تھے، جفا جو اور حقیہ نہ تھے۔ نعمت معمولی بھی ہوتی تو اس کی تعظیم کرتے تھے۔ کسی چیز کی مذمت نہیں فرماتے تھے۔ کھانے کی نہ بُرائی کرتے تھے نہ تعریف حق کو کوئی نقصان پہنچاتا تو جب تک انتقام نہ لے لیتے آپ کے غضب کو روکا نہ جاسکتا تھا۔ البتہ کشادہ دل تھے، اپنے نفس کے لیے نہ غضبناک ہوتے نہ انتقام لیتے جب اشارہ فرماتے تو پوری تھیلی سے اشارہ فرماتے اور تعجب کے وقت تھیلی پلٹتے جب غضبناک ہوتے تو رخ پھیر لیتے اور جب خوش ہوتے تو نگاہ پست فرما لیتے۔ آپ کی بیشتر ہنسی تبسم کی صورت میں تھی۔ مسکراتے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے۔

لا یعنی بات سے زبان روکے رکھتے۔ ساتھیوں کو جوڑتے تھے، توڑتے نہ تھے۔ ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم فرماتے تھے اور اسی کو ان کا والی بناتے تھے۔ لوگوں (کے شر) سے محتاط رہتے اور ان سے بچاؤ اختیار فرماتے تھے لیکن اس کے لیے کسی سے اپنی خندہ جبینی ختم نہ فرماتے تھے۔

اپنے اصحاب کی خبر گیری کرتے اور لوگوں کے حالات دریافت فرماتے۔ اچھی چیز کی تحسین و تصویب فرماتے اور بری چیز کی تفتیح و توہین۔ مُعتدل تھے، افراط و تفریط سے دور تھے۔ غافل نہ ہوتے تھے کہ مبادا لوگ بھی غافل یا طول خاطر ہو جائیں۔ ہر حالت کیلئے مستعد رہتے تھے۔ حق سے کوتاہی نہ فرماتے تھے، نہ حق سے تجاوز فرما کر ناحق کی طرف جاتے تھے۔ جو لوگ آپ کے قریب رہتے تھے وہ سب اچھے لوگ تھے اور ان میں بھی آپ کے نزدیک افضل وہ تھا جو سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہو؛ اور سب سے زیادہ قدر آپ کے نزدیک اس کی تھی جو سب سے اچھا غمگسار و مددگار ہو۔

آپ اُٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر ضرور فرماتے جگہیں متعین نہ فرماتے — یعنی اپنے لیے کوئی امتیازی جگہ مقرر نہ فرماتے — جب قوم کے پاس پہنچتے تو مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم بھی فرماتے۔ سب اہل مجلس پر برابر توجہ فرماتے، حتیٰ کہ کوئی مجلس یہ نہ محسوس کرتا کہ کوئی شخص آپ کے نزدیک اس سے زیادہ باعزت ہے۔ کوئی کسی ضرورت سے آپ کے پاس بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو آپ اتنے صبر کے ساتھ اس کے لیے رُکے رہتے کہ وہ خود ہی واپس ہوتا۔ کوئی کسی ضرورت کا سوال کر دیتا تو آپ اسے عطا کئے بغیر یا اچھی بات کہے بغیر واپس نہ فرماتے۔ آپ نے اپنی خندہ جبینی اور اخلاق سے سب کو نوازا، یہاں تک آپ سب کے لیے باپ کا درجہ رکھتے تھے اور سب آپ کے نزدیک یکساں حق رکھتے تھے، کسی کو فضیلت تھی تو تقویٰ کی بنیاد پر۔ آپ کی مجلس حلم و حیا، اور صبر و امانت کی مجلس تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ کی جاتی تھیں اور نہ عُرمتوں پر عیب لگتے تھے۔ یعنی کسی کی بے آبروئی کا اندیشہ نہ تھا۔ لوگ تقویٰ کی بدلت باہم محبت و ہمدردی رکھتے تھے۔ بڑے کا احترام کرتے تھے چھوٹے پر رحم کرتے تھے، حاجتمند کو نوازتے تھے اور اجنبی کو انس عطا کرتے تھے۔

آپ کے چہرے پر ہمیشہ بشارت رہتی سہل خواہ اور نرم پہلو تھے جفا جو اور سخت خونہ تھے۔ نہ پیچھے چلاتے تھے، نہ فحش کہتے تھے نہ زیادہ عتاب فرماتے تھے نہ بہت تعریف کرتے تھے۔ جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اس سے تغافل بہتے تھے۔ آپ سے مایوسی نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے تین باتوں سے اپنے نفس کو محفوظ رکھا: (۱) ریائے (۲) کسی چیز کی کثرت سے (۳) اور لالیعی بات سے۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو محفوظ رکھا یعنی آپ (۱) کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے (۲) کسی کو عار نہیں دلاتے تھے (۳) اور کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے۔ آپ وہی بات نوک زبان پر لاتے تھے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔ جب آپ مکالم فرماتے تو آپ کے ہم نشین یوں سر جھکائے ہوتے گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور جب آپ خاموش ہوتے تو لوگ گفتگو کرتے۔ لوگ آپ کے پاس گپ بازی نہ کرتے۔ آپ کے پاس جو کوئی بولتا سب اس کے لیے خاموش رہتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات پوری کر لیتا۔ ان

کی بات وہی ہوتی جو ان کا پہلا شخص کرتا۔ جس بات سے سب لوگ ہنستے اس سے آپ بھی ہنستے اور جس بات پر سب لوگ تعجب کرتے اس پر آپ بھی تعجب کرتے۔ اجنبی آدمی درشت کلامی سے کام لیتا تو اس پر آپ صبر کرتے اور فرماتے ”جب تم لوگ حاجتمند کو دیکھو کہ وہ اپنی حاجت کی طلب میں ہے تو اسے سامان ضرورت سے نواز دو۔“ آپ احسان کا بدلہ دینے والے کے ہوا کسی سے شمار کے طالب نہ ہوتے تھے۔

خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اپنی مجلس میں سب سے زیادہ باوقار ہوتے۔ اپنے پاؤں وغیرہ نہ پھیلاتے، بہت زیادہ خاموش رہتے۔ بلا ضرورت نہ بولتے جو شخص نامناسب بات بولتا اس سے رخ پھیر لیتے۔ آپ کی ہنسی مسکراہٹ تھی اور کلام دو ٹوک؛ نہ فضول نہ کوتاہ۔ آپ کے صحابہ کی ہنسی بھی آپ کی توقیر و اقتدار میں مسکراہٹ ہی کی حد تک ہوتی تھی۔

حاصل یہ کہ نبی ﷺ بے نظیر صفات کمال سے آراستہ تھے۔ آپ کے رب نے آپ کو بے نظیر ادب سے نوازا تھا حتیٰ کہ اس نے خود آپ کی تعریف میں فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (۳:۶۸) ”یقیناً آپ عظیم اخلاق پر ہیں“ اور یہ ایسی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے لوگ آپ کی طرف کھینچ آتے، دلوں میں آپ کی محبت بیٹھ گئی اور آپ کو قیادت کا وہ مقام حاصل ہوا کہ لوگ آپ پر وارفتہ ہو گئے۔ ان ہی خوبیوں کے سبب آپ کی قوم کی اکڑ اور سختی نرمی میں تبدیل ہوتی یہاں تک کہ یہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئی۔ یاد رہے کہ ہم نے پچھلے صفحات میں آپ کی جن خوبیوں کا ذکر کیا ہے وہ آپ کے کمال اور عظیم صفات کے مظاہر کی چند چھوٹی چھوٹی لکیوں ہیں ورنہ آپ کے مجد و شرف اور شمائل و خصائل کی بلندی اور کمال کا یہ عالم تھا کہ ان کی حقیقت اور تہ تک نہ رسائی ممکن ہے نہ اس کی گہرائی تاپی جا سکتی ہے۔ بھلا عالم وجود کے اس سب سے عظیم بشر کی عظمت کی انتہا تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے جس نے مجد و کمال کی سب سے بلند چوٹی پر اپنا نشیمن بنایا اور اپنے رب کے نور سے اس طرح منور ہوا کہ کتاب الہی ہی کو اس کا وصف اور خلق قرار دیا گیا یعنی: ع

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۝ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۝

صفی الرحمن المبارکپوری

۱۶۔ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ / ۷ جون ۱۹۸۲ء

حسین آباد۔ مبارک پور
ضلع اعظم گڑھ (یوپی) ہند

بلوغ المرام

اُردو
مِن أدلة الأحكام

جلد اول

تألیف: ابو الفضل شاہ الدین احمد بن حجر عسقلانی
شارح: مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

۶۔ کِتَابُ الْحَجِّ

جج کے مسائل

(۱) بَابُ فَضْلِهِ وَبَيَانُ مَنْ فَرَضَ
عَلَيْهِ

(۵۷۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”عمرو دوسرے عمرے تک دونوں کے مابین گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کا بدلہ جنت بینہما، والحج المبرور لیس له کے علاوہ اور کوئی نہیں۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿کتاب الحج﴾ کی حاء پر فتح اور کسرہ دونوں آتے ہیں، جس کے لغوی معنی ہیں قصد کرنا اور لغت کے امام خلیل نے کہا ہے کہ اس کے معنی محترم مقام کی طرف باکثرت قصد کرنا ہے اور اصطلاح شریعت میں مسجد الحرام کی طرف مخصوص اعمال سے قصد کرنا ہے اور یہ بالاتفاق اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک اس کی فرضیت سن چھ ہجری میں ہوئی بعض نے نو یا دس ہجری کہا ہے۔ زاد المعاد میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا رجحان اسی طرف ہے۔ ﴿العمرة﴾ لغت میں عمرہ کے معنی زیارت کے ہیں اور بعض نے اس کے معنی قصد و ارادہ کے کئے ہیں اور اصطلاح شریعت میں اس سے مراد احرام طواف، سعی، صفا و مروہ، سر منڈانا یا بال کٹوانا ہے۔ اسے عمرہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہی اعمال کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیت اللہ کا قصد کیا جاتا ہے۔ ﴿الحج المبرور﴾ سے مراد وہ حج ہے جس میں کسی گناہ کا ارتکاب نہ ہو۔ بعض نے کہا ہے حج مبرور وہ ہے جس کے بعد حج کرنے والے کی دینی و اخلاقی حیثیت پہلے سے بہتر ہو جائے اور بعض نے اس کے معنی حج مقبول کے کئے ہیں اور یہ سب اقوال باہم قریب قریب ہیں، ان میں کوئی بڑا فرق نہیں۔

(۵۸۰) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ، عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيهِ؛ الْحُجُّ وَالْعُمْرَةُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ، وَالتَّفَظُّظُ لَهُ، وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ، وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحِ.

لغوی تشریح: ﴿علی النساء جہاد﴾ کہ کیا عورتوں پر جہاد ہے؟ اس میں حرف استفہام محذوف ہے اور حج و عمرہ پر جہاد کا اطلاق مجازاً ہے کیونکہ ان میں بھی جہاد کی طرح مشقت و تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ ﴿واصلہ فی الصحیح﴾ اس کی اصل ﴿الصحیح﴾ میں ہے۔ صحیح سے یہاں صحیح بخاری مراد ہے اور یہ حدیث عمرہ کے وجوب کی دلیل ہے۔

(۵۸۱) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ أَغْرَابِيٌّ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَخْبِرْنِي عَنْ الْعُمْرَةِ، أَوْاجِبَةٌ هِيَ؟ فَقَالَ: «لَا، وَأَنْ تَعْتَمِرَ خَيْرٌ لَكَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَالرَّاجِعُ وَفَقَهُ. وَأَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ مِنْ وَجْهِ آخَرَ ضَعِيفٍ. وَعَنْ جَابِرٍ مَرْفُوعاً: «الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ فَرِيضَتَانِ».

لغوی تشریح: ﴿والراجح وقفہ﴾ رائج بات یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے اور یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے انہی سے ایک صحرا نور بدو نے سوال کیا اور انہوں نے اسے یہ جواب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت راوی کا وہم ہے بلکہ اس کی سند ضعیف اور ناقابل استدلال ہے جس کی تفصیل تحفۃ الاحوذی (ج ۲: ص ۱۱۳) میں دیکھی جاسکتی ہے ﴿من وجہ آخر ضعیف﴾ ایک اور ضعیف سند سے کیونکہ وہ عبد اللہ بن لہیع عن عطاء عن جابر کی سند سے مروی ہے اور ابن لہیع اس میں کمزور ہے۔ امام ابن عدی نے کہا ہے کہ یہ عطاء سے غیر محفوظ ہے۔ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت سے مرفوعاً بیان کی ہے مگر اس میں اسماعیل بن مسلم الہکی ضعیف ہے اور ابن سیرین کا حضرت زید

سے سماع بھی نہیں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے ایک اور سند سے ابن سیرین سے موقوف روایت کیا ہے اس کی سند پہلی سے زیادہ صحیح ہے۔ یعنی یہ بھی حضرت زیدؓ کا قول ہے مگر سند میں انقطاع ہے۔ (سبل الخلیص) عمرہ کے وجوب اور عدم وجوب کے بارے میں اختلاف ہے۔ رائج قول یہی ہے کہ یہ واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ اس کے قائل ہیں۔

(۵۸۲) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا السَّبِيلُ؟ قَالَ: «الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَالرَّاجِحُ إِسْنَادُهُ، أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ أَيْضًا، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! ”سبیل“ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا ”راستے کا خرچ اور سواری۔“ (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے مگر رائج اس کا مرسل ہونا ہے اور ترمذی نے اسے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں

کمزوری ہے)

لغوی تشریح: ﴿ما السبیل﴾ ”سبیل“ کیا ہے؟ یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جو وجوب حج کیلئے ”سبیل“ کو شرط قرار دیا ہے یہ سبیل کیا ہے؟ جس کا حکم سورۃ ال عمران میں یوں ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (۳: ۹۷) ﴿الزاد والراحله﴾ راحلہ سے مراد سواری، خواہ وہ جانور ہو، موٹر کار ہو، بحری جہاز ہو یا ہوائی جہاز اور الزاد سے واپسی تک اہل و عیال کے خرچ سے زائد مال مراد ہے۔

(۵۸۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَقِيَ رَكْبًا بِالرُّوْحَاءِ، فَقَالَ: «مَنْ الْقَوْمُ؟» قَالُوا: الْمُسْلِمُونَ، فَقَالُوا: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: «رَسُولُ اللَّهِ»، فَرَفَعَتْ إِلَيْهِ أَمْرَأَةٌ صَبِيًّا، فَقَالَتْ: أَلِهَذَا حَجٌّ؟ قَالَ: «نَعَمْ، وَلَكِ أَجْرٌ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ روحاء مقام پر کچھ سواروں سے ملے تو آپ نے فرمایا تم کون ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا، ہم مسلمان ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ”اللہ کا رسول ہوں۔“ پھر آپ کی خدمت میں ایک عورت اپنے بچے کو اٹھا کر لائی اور پوچھا کیا اس کا حج ہے؟ آپ نے فرمایا ”ہاں! اس کا ثواب تجھے ملے گا۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿رکبا﴾ راہ پر زبر اور کاف ساکن یہ ”راکب“ کی جمع ہے۔ قافلے کو کہتے ہیں۔ ﴿بالروحاء﴾ راہ پر فتح آخر میں مد ہے۔ مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ ﴿فقالوا من انت﴾

تو انہوں نے کہا آپ کون ہیں؟ قاضی عیاض نے کہا کہ آپ انیس رات کے وقت ملے ہوں اور وہ آپ کو پہچان نہ سکے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ دن کو ملے ہوں مگر پہلے انہوں نے آپ کو نہ دیکھا ہو ﴿ولکن اجر وثواب تمہیں ملے گا اسے اٹھانے اور ساتھ لے کر حج کرنے کی بدولت۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نابالغ بچے کا حج درست ہے لیکن یہ حج اس سے بلوغت کے بعد کفایت نہیں کرتا جیسا کہ آئندہ چوتھی حدیث کے تحت آ رہا ہے۔

(۵۸۴) وَعَنْهُ قَالَ: كَانَ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَدِيفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَجَاءَتْ أَمْرَأَةٌ مِنْ خَنَعَمَ، فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا، وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ، وَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشَّقِّ الْآخَرِ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ قَرِيبَةَ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِي شَنِخًا كَبِيرًا، لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ، أَفَأُحِجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، وَذَلِكَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری تھے کہ قبیلہ خنعم کی ایک عورت آئی تو فضل رضی اللہ عنہ اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ ان کی طرف دیکھنے لگی اور نبی ﷺ فضل رضی اللہ عنہما کا منہ دوسری جانب پھیرتے تھے۔ پس اس عورت نے کہا، اے اللہ کے رسول (ﷺ)! بے شک حج، اللہ کا فرض ہے اس کے بندوں پر۔ میرا باپ بڑی عمر والا بوڑھا ہے۔ وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا ”ہاں! اور یہ حجة الوداع کا واقعہ ہے۔“ (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

لغوی تشریح: ﴿ردیف﴾ ایک سواری پر دو بیٹھنے والوں میں سے پیچھے والے کو ”ردیف“ کہتے ہیں۔ ﴿خنعم﴾ خاء پر زبر اور ثاء ساکن اور عین پر زبر، یمن کے مشہور قبیلہ کا نام ہے اور اسے منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ ﴿الشق﴾ یعنی جانب۔ آپ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ اس لئے پھیر دیا تاکہ شیطان انہیں فتنہ میں مبتلا نہ کر دے۔ ﴿حجة الوداع﴾ یہ وہ حج ہے جو نبی کریم ﷺ نے دس ہجری میں کیا اور اس کے تین ماہ بعد آپ وفات پا گئے اور ”الوداع“ کے واؤ پر زبر ہے اس کا مصدر ”ودع توديعا“ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ واؤ کے نیچے کسرہ ہے یوں یہ موادة کا مصدر ہے۔ آخری حج کا نام حجة الوداع اس لئے رکھا گیا کہ آپ نے اس سال لوگوں کو یا حرم کعبہ کو رخصت کیا۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ زندہ آدمی اگر معذور ہو اور اس کی صحت کی امید نہ ہو تو اس کی جانب سے حج بدل جائز ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس پر حج فرض ہو مگر وہ کسی مستقل بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے حج کرنے کی طاقت نہ پاتا ہو تو اس کی طرف سے حج بدل جائز ہے۔ لیکن عارضی بیماری جس کے دور

ہو جانے کا امکان ہو، میں نیابت درست نہیں یہ شرط جج فرض کیلئے ہے نفلی جج کیلئے اس میں بلا شرط نیابت جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے اور جج بدل کیلئے بہتر یہی ہے کہ اس کا قریبی ہی نائب بنے۔

راوی حدیث: ﴿فضل بن عباس رضی اللہ عنہ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان کی والدہ کا نام ام الفضل لبابة الکبریٰ بنت الحارث الہلالیہ تھا۔ نہایت حسین و جمیل تھے۔ معرکہ حنین میں آپ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ آپ کو غسل دینے میں بھی شریک تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سب سے بڑے یہی تھے۔ جہاد کیلئے شام تشریف لے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ طاعون عمواس کے سال ۱۸ھ میں انتقال ہوا۔ بعض نے کہا ہے یرموک میں شہید ہوئے اور بعض نے کہا کہ دمشق میں وفات پائی۔ ان کے جسم پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر تھی۔

(۵۸۵) وَعَنْهُ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ، فَلَمْ تَحُجَّ، حَتَّى مَاتَتْ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ، حُجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكَ دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيَتَهُ؟ أَفَضُّوا اللَّهَ، فَاللَّهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ»۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ قبیلہ جھینہ کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا: بے شک میری ماں نے حج کرنے کی منت مانی تھی لیکن وہ حج نہیں کر سکی اور فوت ہو گئی ہے کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں! اس کی طرف سے حج کر، اگر تیری ماں کے ذمہ ادھار ہوتا تو کیا تو وہ قرض نہ اتارتی؟ اللہ کا حق پورا کرو کیونکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کا حق پورا کیا جائے۔“ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿جھینہ﴾ جیم پر پیش، ہا پر زیر۔ یہ تغیر ہے اور مشہور قبیلہ کا نام ہے۔ اکثر کا خیال ہے یہ قطان کی اولاد میں حمیر کی ایک شاخ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا تعلق معد بن عدنان سے ہے۔ ﴿حجی﴾ امر مخاطب کا صیغہ ہے اور یہ دلیل ہے کہ میت کی طرف سے حج بدل جائز ہے۔ ”دین“ وال پر زبر یعنی قرض اور اسے دین اس لئے کہا گیا تاکہ اس کی اہمیت اجاگر ہو جائے۔

(۵۸۶) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَيُّمَا صَبِيٍّ حَجَّ، ثُمَّ بَلَغَ الْحِنْثَ، فَعَلَيْهِ أَنْ يَحُجَّ حَجَّةً أُخْرَى، وَأَيُّمَا عَبْدٍ حَجَّ، ثُمَّ أُغْتِقَ فَعَلَيْهِ أَنْ يَحُجَّ حَجَّةً أُخْرَى»۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو بچہ حج کرے پھر وہ بلوغت کو پہنچ جائے تو اس پر ضروری ہے کہ دوسرا حج کرے اور جو غلام حج کرے پھر آزاد کر دیا جائے تو اس پر لازم ہے کہ دوسرا حج کرے۔“ (اسے ابن ابی شیبہ اور

اِخْتَلَفَ فِي رَفْعِهِ، وَالْمَحْفُوظُ أَنَّهُ مُوَفَّقٌ. مرفوع ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے اور محفوظ یہ ہے کہ یہ بیہقی نے روایت کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں مگر اس کے

حدیث موقوف ہے)

غلوٰی تشریح: ﴿بلغ الحنث﴾ کی حاء کے نیچے کسرہ، نون ساکن، اس کے معنی گناہ کے ہیں۔ یعنی اس عمر کو پہنچ گیا کہ اس کے نامہ اعمال میں جرم کی بنا پر گناہ لکھ دیا جاتا ہے کیونکہ بچپن میں کیا ہوا جرم اللہ کے ہاں قابل مواخذہ نہیں۔ بلوغت کی عام علامت احتلام کا ہونا ہے۔ جس سے وہ مرد بن جاتا ہے۔

(۵۸۷) وَعَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَخْطُبُ يَقُولُ: «لَا يَخْلُونَ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ، وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ»، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنْ أَمْرَأَتِي خَرَجَتْ حَاجَةً، وَإِنِّي اكْتُسِبْتُ فِي غَزْوَةٍ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: «انْطَلِقِي فَحُجَّجِ مَعَ امْرَأَتِكَ». مَثَّقَ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

نغوی تشریح: ﴿لَا يَخْلُونَ﴾ یہ نون تاکید کے ساتھ ”خلوة“ سے نھی کا صیغہ ہے ﴿ذو محرم﴾ میم اور راء پر زیر اور ان کے مابین حاء ساکن ہے۔ اس سے عورت کے وہ قریبی مراد ہیں جن سے اس کا نکاح حرام ہے۔ جیسے باپ، بیٹا، بھائی وغیرہ ﴿اکتبت﴾ باب افعال سے متکلم مجہول کا صیغہ ہے یعنی میرا نام مجاہدین کی فہرست میں شامل ہے۔ فلاں غزوہ کیلئے متعین کیا گیا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت محرم کے بغیر حج نہیں کر سکتی اور عورت کیلئے یہ بھی فی الجملہ ”من استطاع الیہ سبیلاً“ کے حکم میں شامل ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غیر محرم مرد اور عورت کیلئے تنہائی میں علیحدہ ہونا حرام ہے بلکہ ایک حدیث میں ہے جب بھی دونوں علیحدہ ہوں گے تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوگا۔ اس طرح عورت کو تنہا محرم کے بغیر سفر کرنا بھی حرام ہے۔ بعض فقہاء نے بعض اولہ کی بنا پر بوڑھی، قافلہ کی صورت میں یا ذی حشمت عورت کو اس کی اجازت دی ہے مگر حدیث کے صریح الفاظ اس کے خلاف ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت پر حج فرض ہو تو نماز کی طرح اس کی اجازت خاوند سے ضروری نہیں۔ البتہ

نفلی حج ہو تو عورت کو بہر نوع اجازت لے کر جانا چاہئے۔

(۵۸۸) وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ: لَتَبَيْتِكَ عَنْ شُبْرُمَةَ، قَالَ: «مَنْ شُبْرُمَةُ؟» قَالَ: أَخِي، أَوْ قَرِيبِي، قَالَ: «حَبَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ، ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ، وَالزَّاجِلِيُّ عِنْدَ أَحْمَدَ وَفُلَّه.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی سے سنا، وہ کہہ رہا تھا: ”شبرمہ کی طرف سے لبیک۔ آپؐ نے فرمایا ”شبرمہ کون ہے؟“ اس نے کہا میرا بھائی یا میرا قریبی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا ”تو نے اپنی طرف سے حج کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا“ پہلے اپنی طرف سے کر کر پھر شبرمہ کی طرف سے کر لیتا۔“ (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور

امام احمد کے نزدیک اس کا موقوف ہونا رائج ہے)

لغوی تشریح: ﴿شبرمہ﴾ شین اور راء پر پیش ہے ان کے مابین باء ساکن۔ ﴿او قریب لسی﴾ یہ راوی کا شک ہے کہ اس نے بھائی کہا یا کہ وہ میرا قریبی ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ اگر کسی نے خود حج نہیں کیا تو وہ دوسرے کی طرف سے نیابت نہیں کر سکتا اور اگر اس نے کسی کی جانب سے حج کی نیت سے احرام باندھا ہو تو وہ اسی کی جانب سے قرار پائے گا۔ دوسرے کی طرف سے نہیں۔

حاصل کلام: اس حدیث کی صحت و ضعف میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابن المنذر رحمہ اللہ نے اس کے مرفوع ہونے کی نفی کی ہے مگر امام احمد رحمہ اللہ سے اس کی تصحیح بھی منقول ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ ابن حبان رحمہ اللہ وغیرہ نے اسے صحیح کہا ہے جبکہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے مرسل کہا ہے۔ بہر نوع اگر اسے موقوف بھی قرار دیا جائے تب بھی یہ قابل استدلال ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کسی بھی صحابی سے مخالفت ثابت نہیں۔ اس لئے صحیح یہی ہے کہ حج بدل میں نائب پہلے خود حج کرے پھر نیابت کرے۔

(۵۸۹) وَعَنْهُ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ»، فَقَامَ الْأَقْرَعُ ابْنُ حَابِسٍ، فَقَالَ: أَفِي كُلِّ عَامٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «لَوْ قُلْتُهَا لَوَجَبَتْ. الْحَجُّ مَرَّةً، فَمَا زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ». رَوَاهُ الْحَمْسَةُ غَيْرَ التِّرْمِذِيِّ، وَأَضْلَهُ فِي مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا تو آپؐ نے فرمایا ”بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے“ تو اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا: کیا ہر سال، اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپؐ نے فرمایا ”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو یہ (ہر سال کے لیے) فرض ہو جاتا۔ حج ایک بار ہے پس اس سے جو زائد ہے وہ نفل ہے۔“ (اسے ترمذی کے علاوہ پانچوں نے روایت کیا

ہے اور اس کی اصل مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے)

حاصل کلام: یہ حدیث دلیل ہے کہ حج عمر بھر میں صرف ایک بار فرض ہے اس سے زائد نفل ہے اور اس روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ اگر میں ہر سال حج فرض ہونے کا کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ مگر یہ نہیں کہتا تا کہ امت پر مشقت نہ پڑ جائے۔ اس سے بعض علماء کا خیال ہے کہ احکام شرعیہ کا تقرر آنحضرت ﷺ بھی اپنی مرضی سے کر سکتے تھے لیکن اکثر علماء اسے درست نہیں سمجھتے اور یہی موقف درست ہے۔ آنحضرت ﷺ کا تشریعی حکم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا پر ہی موقوف ہوتا تھا۔ اس اصولی اختلاف کی تفصیل اصول و عقائد کی کتابوں میں موجود ہے جس کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔

راوی حدیث: ﴿اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ﴾ یہ قبیلہ تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جو وفد بنو تمیم کا آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس میں شامل تھے اور مؤلفہ القلوب میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ جاہلیت اور اسلام میں اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔

۲ - باب المواقیب (احرام کے میقات کا بیان)

(۵۹۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَقَفَتْ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحَفَةَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، هُنَّ لَهُنَّ، وَلَمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِهِنَّ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، وَمَنْ كَانَ ذُوْنَ ذَلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أُنْشَأَ، حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ والوں کے لئے ذوالحلیفہ، شام والوں کیلئے جحفہ، نجد والوں کیلئے قرن منازل اور یمن والوں کیلئے یلملم کو احرام باندھ کر نیت کرنے کی جگہیں مقرر کیا ہے اور یہ میقاتیں ان کیلئے ہیں (جن کا ذکر ہوا) اور ان لوگوں کیلئے بھی، جو دوسرے شہروں سے ان کے پاس سے حج یا عمرہ کے ارادہ سے گزریں اور جو کوئی ان میقاتوں کے ورے (اندروں) ہو وہ جہاں سے چلے وہیں سے (احرام باندھے) یہاں تک کہ مکہ والے مکہ سے احرام باندھیں۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب المواقیب﴾ یہ میقات کی جمع ہے۔ وہ ہے جو ایک عبادت کے وقت اور جگہ کی حد بنتی کرتا اور متعین کرتا ہے۔ اور یہاں ان سے وہ مقامات مراد ہیں جنہیں شارع علیہ السلام نے احرام کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ اس سے آگے احرام باندھے بغیر حرم کی طرف جانا جائز نہیں ہے۔ ﴿وقت﴾ یعنی

احرام کیلئے میقات مقرر کیا اور یہ توقيت سے تحدید و تعین کے معنی کیلئے ہے۔ ﴿ذوالحلیفہ﴾ حاء پر ضمہ، تصغیر ہے، جو مدینہ طیبہ کے وسط سے پانچ میل کی مسافت پر ہے جو آج کل ”بئر علی“ کے نام سے مشہور ہے۔ ”الجحفہ“ جیم پر پیش اور حاء ساکن، مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے جو سمندر کے قریب مکہ مکرمہ سے ساڑھے چار مراحل (مرحلہ ایک دن کی مسافت کے برابر فاصلے کو کہتے ہیں) پر اور مدینہ طیبہ سے پونے چھ مراحل پر واقع ہے اس کا نام مہیجہ تھا۔ سیلاب آیا تو وہ سب کچھ بہا لے گیا جس کی بنا پر اسے جحفہ کہا جانے لگا۔ یہ بہت بڑی بستی تھی مگر اب ویران ہو چکی ہے۔ اسی لئے آج کل اس سے کچھ پہلے ”راغ“ مقام سے احرام باندھتے ہیں۔ کیونکہ وہاں پانی کا انتظام ہے۔ ﴿قرن المنازل﴾ اسے ﴿قرن الثعالب﴾ بھی کہا گیا ہے یا یہ دو علیحدہ مقام ہیں۔ یہ بیضوی شکل کا چمکدار پہاڑ ہے جو مکہ مکرمہ سے مشرق کی جانب دو مرحلوں کی مسافت پر واقع ہے۔ ﴿یللم﴾ یاء اور دونوں لام پر فتح ہے اور درمیانی میم ساکن، جو مکہ مکرمہ سے جنوب کی طرف دو مرحلوں کی مسافت پر واقع پہاڑ کا نام ہے۔ مکہ مکرمہ اور اس کے درمیان تقریباً تیس میل کی مسافت ہے۔ ﴿ہن﴾ یعنی یہ میقات اور مقامات ﴿لہن﴾ ان مذکورہ اہل بلدان کے لئے ہیں۔ ﴿ممن اراد الحج والعمرة﴾ جو حج اور عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو حج اور عمرہ کی نیت سے نہ ہو وہ احرام کے بغیر مکہ مکرمہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ ﴿ومن كان دون ذلك﴾ اور جو اس کے ورے ہو یعنی جو میقات اور مکہ مکرمہ کے درمیان ہو تو وہ احرام باندھے ﴿من حيث انشاء﴾ جہاں سے نکلا ہے یا جہاں سے سفر کا آغاز کیا ہے۔ یعنی اپنے گھر اور اپنی بستی سے ہی احرام باندھے۔ ﴿حتى اهل مكة من مكة﴾ یہاں تک کہ اہل مکہ مکہ مکرمہ ہی سے احرام باندھیں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہل مکہ حج اور عمرہ کا احرام مکہ مکرمہ سے باندھیں جو حکماً اہل مکہ میں سے ہیں وہ بھی وہیں احرام باندھیں اور آج کل جو عمرہ کے احرام کیلئے میقات سے باہر جا کر احرام باندھنے کا طریقہ چل نکلا ہے، اس کی چنداں ضرورت نہیں۔

(۵۹۱) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حَضْرَتِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَقَّتْ اہل عراق کیلئے ذات عرق کو۔ میقات مقرر کیا (اسے لِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ۔ رَوَاهُ أَبُو الْوَدَّادُ اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل مسلم داؤد و التَّيَمِيُّ، وَأَصْلُهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے مگر اس کے راوی جابر، إِلَّا أَنَّ رَوَاهُ شَكٌّ فِي زَعْمِهِ۔ نے اس کے مرفوع ہونے میں شک کیا ہے)

وَفِي صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ: أَنَّ عُمَرَ اور صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذات عرق کو میقات مقرر کیا تھا۔ احمد، ابوداؤد اور ترمذی

وَعِنْدَ أَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ نبی ﷺ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نے مشرق والوں کیلئے عقیق کو میقات مقرر فرمایا

وَقَتَّ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيقَ. تھا۔“

لغوی تشریح: ﴿ذات عرق﴾ عین کے نیچے کسرہ ہے اور یہ مکہ مکرمہ سے دو مرحلوں کی مسافت پر واقع ایک جگہ کا نام ہے اور وہ قرن منازل کے شمال میں اس کے برابر واقع ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ ﴿وفی البخاری.....﴾ اور بخاری میں ہے کہ ذات عرق حضرت عمرؓ نے میقات مقرر کیا۔ تو یہ بظاہر حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت کے خلاف ہے اور ان دونوں میں جمع و تطبیق کی صورت یوں ہے کہ حضرت عمرؓ کو مرفوع روایت نہ پہنچی ہو۔ انہوں نے اس بارے میں اجتہاد کیا تو ان کا اجتہاد درست اور سنت کے مطابق نکلا۔ ﴿العقیق﴾ یہ ”ذات عرق“ سے کچھ پیچھے ایک جگہ کا نام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ”ذات عرق“ کی حدود میں داخل ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ ہر وادی جسے سیلاب نے وسیع کر دیا ہو اسے عقیق کہتے ہیں اور اہل مشرق سے اہل عراق اور ان کے راستے سے گزرنے والے مراد ہیں۔ ان دونوں احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ ”ذات عرق“ میقات واجب ہے اور ”عقیق“ میقات مستحب ہے کیونکہ وہ بھی ذات عرق ہی سے ہے۔

حاصل کلام: خوب یاد رہے کہ وادی ”مر الظہران“ جو آج کل وادی فاطمہ کے نام سے مشہور و معروف ہے، وہ طائف کے سامنے مکہ کی مشرقی جانب سے شروع ہوتی ہے اور جنوب جدہ کے قریب بحر احمر کے مغربی جانب جا کر ختم ہوتی ہے۔ اس وادی کے دو کنارے ہیں۔ ایک جنوبی کنارہ جو طائف کے راستے میں بڑی وادی کے پاس نخلہ یمانیہ سے پہلے ہے اور اسی کو ”قرن المنازل“ کہتے ہیں اور دوسرا شمالی کنارہ ضریہ کے قریب ہے جسے ”ذات عرق“ کہتے ہیں۔ جہاں سے اہل عراق، اہل نجد شمالی گزرتے ہیں اور یہ دونوں کنارے ایک دوسرے کے محاذات ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان بہت مسافت ہے اور یہ مسافت مکہ مکرمہ سے ایک جیسی ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے ذات عرق کو میقات مقرر کرنے میں اجتہاد سے کام لیا جو علاقے والوں کی ضرورت اور شریعت میں آسانی کے عین مطابق تھا جب وہ نبی ﷺ کے مقررہ میقات کے موافق ہوا تو گویا نور علی نور کا مصداق ہوا۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ جو شخص ان پانچوں میقات میں کسی ایک میقات پر سے نہ گزرے تو اسے چاہئے کہ وہ جو نئے میقات کے برابر سے گزرے۔ وہاں احرام باندھ لے۔ حضرت عمرؓ نے اسی میقات کے محاذ اور برابری کی وجہ سے ہی ذات عرق کو اہل عراق کیلئے مقرر کیا تھا اور تمام علماء اس اصول و ضابطہ پر متفق ہیں۔ محاذات کا مفہوم یہ ہے کہ جو میقات کسی کے دائیں یا بائیں جانب ہو اور وہ مکہ کی طرف جانے والا ہو۔ اس کی وضاحت یوں سمجھئے کہ جب ہم ان پانچوں میقات کو ایک خط کے ذریعے ملائیں تو مکہ مکرمہ کو ہر جانب سے وہ خط گھیرے میں لے لے گا۔ لہذا جب بھی کوئی شخص مکہ مکرمہ کی طرف ان میقات کے علاوہ کسی بھی جگہ سے آئے تو لازمی ہے کہ وہ اس خط پر سے گزرے گا جو دوسرے میقات سے ملا رہا ہوگا۔ یہ خط ہی دراصل میقات کے برابر کا خط ہے۔

اس لئے حاجی جب اس خط سے باہر ہوگا وہ آفاق میں ہوگا اس پر احرام واجب نہیں مگر جب اس خط کے پاس سے گزرے گا تو وہ میقات کے محاذ پر ہوگا اس لئے اسے بغیر احرام کے آگے بڑھنا جائز نہیں ہوگا۔ پھر یہ تمام میقات خشکی پر ہیں اور ان کو ملانے والے خطوط بھی خشکی پر ہوں گے لہذا جب تک کوئی شخص بحری جہاز کے ذریعے سمندر میں سفر کر رہا ہوگا وہ ان میقات کے برابر نہیں ہوگا۔ یہ صورت تو تھی ہوگی جب وہ سمندری سفر سے فارغ ہو کر خشکی کے راستے پر پڑے گا۔ ہماری تحقیق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان اور ہندوستان سے جو حجاج کرام بذریعہ بحری جہاز حج کرنے کیلئے جاتے ہیں ان پر جدہ تک پہنچنے سے پہلے احرام باندھنا واجب نہیں کیونکہ وہ سمندری سفر میں نہ تو میقات پر سے گزرے ہیں اور نہ ہی کسی میقات کے برابر سے گزرے ہیں۔ ان کا جہاز ابھی یلملم اور اس کے محاذات سے دور آفاق میں ہے جبکہ ان کے اور حدود میقات کے مابین تقریباً ایک سو میل کی مسافت ہے۔ ان کی مثال تو ابھی اس شخص کی سی ہے جو خرمہ سے طائف یا لیث سے طائف جا رہا ہے یا مدینہ طیبہ سے یا خیبر سے تنج کی طرف ذوالحلیفہ کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ سے جا رہا ہو۔ بلاشبہ میقات اس کے دائیں یا بائیں جانب آئے گا لیکن ابھی وہ میقات کے برابر نہیں آیا کیونکہ ابھی وہ حدود میقات کے پیچھے ہے۔ اسی طرح بحری جہاز پر سفر کرنے والا جب تک سمندر میں رہے گا وہ حدود میقات کے پیچھے ہوگا اس کے برابر قطعاً نہیں ہوگا تا آنکہ جدہ پر جا کر نہ اترے کیونکہ جو خط یلملم اور جحفہ کو ملاتا ہے وہ سمندر کے قریب جدہ سے کچھ آگے مکہ مکرمہ کی جانب پڑتا ہے۔

۲ - بَابُ وَجْهِهِ الْإِحْرَامِ وَصَفَتُهُ احرام کی اقسام اور صفت کا بیان

(۵۹۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَمِنَّا مَنْ أَهَلَ بِعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَ بِحَجٍّ وَغُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَ بِحَجٍّ، وَأَهَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْحَجِّ، فَأَمَّا مَنْ أَهَلَ بِعُمْرَةٍ فَحَلَّ عِنْدَ قُدُومِهِ، وَأَمَّا مَنْ أَهَلَ بِحَجٍّ، أَوْ جَمَعَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَلَمْ يَحِلُّوا حَتَّى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ. مَتَّقْ عَلَيْهِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے سال نکلے، ہم میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے عمرہ کیلئے تلبیہ کہا اور ہم میں سے کچھ وہ تھے جنہوں نے حج اور عمرہ کیلئے تلبیہ کہا اور ہم میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے حج کیلئے لبیک پکارا اور رسول اللہ ﷺ نے صرف حج کا تلبیہ پکارا۔ پھر جنہوں نے عمرہ کیلئے لبیک کہا تھا وہ حلال ہو گئے اور جنہوں نے حج کیلئے لبیک کہا یا حج اور عمرہ کو جمع کیا تھا وہ حلال نہ ہوئے یہاں تک کہ قربانی کا دن ہوا۔ (بخاری و مسلم)

نفعی تشریح: ﴿باب وجوه الاحرام و صفتہ﴾ الوجوه وجہ کی جمع ہے۔ اور اس سے اقسام احرام

اللہ ﷻ إِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . پاس۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿باب الاحرام﴾ احرام کا باب، یہ حج یا عمرہ میں داخل ہونے کا نام ہے۔ ”احرام“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں داخل ہو جانے والے پر بہت سی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو اس سے پہلے حلال تھیں۔ ﴿الامن عند المسجد﴾ مگر صرف مسجد کے پاس۔

حاصل کلام: مسجد سے مسجد ذوالخليفة مراد ہے۔ جس وقت آپؐ اپنی اونٹنی پر سیدھے کھڑے ہوئے تھے یہ بات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان حضرات کی غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لیے کہی ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ”بیداء“ کے مقام سے احرام باندھا تھا۔ احادیث میں منقول ہے کہ آپؐ نے تین بار لبیک پکارا تھا۔ جب آپؐ نے دو رکعات پڑھ لی تھیں۔ یعنی آپؐ مسجد کے اندر ہی تھے کہ آپؐ نے لبیک کہا اور یہ بھی منقول ہے کہ جب آپؐ ”بیداء“ کی چوٹی پر چڑھے تو آپؐ نے لبیک کہا۔ یہ احادیث بظاہر آپس میں متعارض ہیں مگر ان میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ آپؐ نے احرام تو مسجد کے اندر ہی باندھا اور جنہوں نے وہاں آپؐ کے احرام کا مشاہدہ کیا انہوں نے اسی کا ذکر کیا اور جب آپؐ مسجد سے باہر تشریف لائے اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر باواز بلند لبیک کہا تو باہر دیکھنے والوں نے سمجھا کہ اب آپؐ نے احرام باندھا ہے۔ پھر جب بیداء پر پہنچے اور لبیک کہا تو جن حضرات نے وہاں لبیک کہتے سنا تو انہوں نے سمجھا کہ آپؐ نے یہاں سے احرام باندھا ہے گویا ہر فرقہ نے اپنے مشاہدہ کے مطابق خبر دی۔ اس لئے ان روایات میں کوئی تاقض نہیں۔

(۵۹۴) وَعَنْ خَلَادِ بْنِ السَّائِبِ ، خَلَادِ بْنِ سَائِبٍ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : «أَنَا فِي جَبْرِيلَ ، مِيرے پاس آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے صحابہ فَأَمَرَنِي أَنْ أَمُرَ أَصْحَابِي ، أَنْ يَرْفَعُوا ”کو حکم دوں کہ لبیک کہتے ہوئے اپنی آوازوں کو أَصْوَاتُهُمْ بِالْإِهْلَالِ“ . رَوَاهُ الْحَنَسَةُ ، بلند کریں۔“ (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ جَبَّانَ . اور امام ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے)

حاصل کلام: یہ حدیث صریح دلیل ہے کہ بلند آواز سے لبیک کہنی چاہئے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ صحابہ کرامؓ اس قدر اونچی آواز سے تلبیہ کہتے کہ ان کا گلا بیٹھ جاتا۔ جمہور علماء کرامؓ کی یہی رائے ہے۔ مگر امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے تلبیہ صرف مسجد منیٰ اور مسجد حرام کے پاس کہنا چاہئے۔ (السل)

راوی حدیث: ﴿خلاد﴾ کی خاء پر زبر اور لام مشدود۔ یہ خلاد بن سائب بن خلاد بن سوید انصاری خزرجی ہیں۔ ثقہ تابعی ہیں جنہوں نے انہیں صحابی کہا انہیں وہم ہوا۔

﴿ابیہ﴾ ان کے والد سائب رحمہ اللہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کی کنیت ابو سلمہ ہے۔ اور وہ بدر میں شہید

ہوئے۔ غلام عمد معاویہ رضی اللہ عنہ میں یمن کے گورنر بنے۔ بعض نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یمن کا عامل مقرر کیا اور اہل ۱۷ھ میں فوت ہوئے۔

(۵۹۵) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ نَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَجَرَّدَ كَرِيمٍ مَلْبُوسٍ فِي احْرَامٍ بَانِدِ هِنَهِ كَ وَتِ كَپَرُ لَإِهْلَآلِهِ، وَاعْتَسَلَ. رَوَاهُ الشَّرْمِذِيُّ، اِتَارَے اور غسَل كِيا۔ (اسے ترمذی نے روایت كِيا ہے وَحَسَنَہ۔ اور اسے حسن كِما ہے)

حاصل كلام: امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو حسن كِما ہے مگر امام عقیلی رضی اللہ عنہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے لیکن اس بارے میں متعدد احادیث مروی ہیں اس لئے احرام کے وقت غسل کرنا مسنون ہے۔

(۵۹۶) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَمِعَ مَا يَنْبَسُ الْمُخْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ؟ قَالَ: «أَنْ يَنْبَسَ الْقَمِيصَ، وَلَا الْعَمَامَةَ، وَلَا السَّرَاوِيلَ، وَلَا الْبُرَانِسَ، وَلَا الْخِفَافَ، إِلَّا أَحَدًا لَا يَجُذُّ نَعْلَيْنِ فَلْيَنْبَسِ الْخَفَيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، وَلَا تَلْبَسُوا رَنَگَ كِی خوشبو دار بوٹی) لگا ہوا ہو۔“ (بخاری و مسلم شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ مَسَّهُ الرِّعْفَرَانُ، اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں) وَلَا الْوَرَسُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

لغوی تشریح: ﴿العمامة﴾ یہ عمامہ کی جمع ہے جو سر پر لپیٹا جاتا ہے اور ﴿السراويل﴾ چادر کی جگہ ٹانگوں میں پتی جاتی ہے۔ جس کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ﴿البرانس﴾ یہ برنس کی جمع ہے باء اور نون پر ضمہ اور راء ساکن ہے۔ یہ ہر اس کپڑے کو کہتے ہیں جس کا کچھ حصہ ٹوپی وغیرہ پر مشتمل ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ لمبی ٹوپی ہے جو ابتدائے اسلام میں حج کرنے والے پہنتے تھے۔ ﴿الخفاف﴾ خاف کے نیچے زیر۔ خف کی جمع ہے یعنی موزے۔ ﴿من الكعبين﴾ کہ انہیں ٹخنوں کے نیچے سے کٹ دے تاکہ وہ جوتے کے حکم میں ہو جائیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ احرام کے دوران ٹخنے ننگے رہیں اور ”کعب“ سے مراد وہ ابھری ہوئی دو ہڈیاں ہیں جو پاؤں اور پٹلی کے جوڑ کے قریب دائیں بائیں ہوتی ہیں۔ ﴿الودس﴾ واؤ پر زبر اور راء ساکن زرد رنگ کی خوشبو دار گھاس جس میں کپڑے رنگے جاتے ہیں۔ زعفران اور ورس کے رنگ سے رنگے ہوئے لباس کی ممانعت اس لئے ہے کہ ان میں خوشبو ہوتی ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ احرام باندھنے کیلئے قمیص، پاجامہ، شلوار، ٹوپی اور موزے پہننا درست نہیں۔ جو تا اگر میسر نہ ہو اور صرف موزے ہوں تو انہیں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لینے کا حکم ہے۔ فقہاء کے مابین اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ موزے پہننے کو جائز قرار دیتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں موزوں کو کاٹنے کا حکم منسوخ ہے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ابتداء احرام کے وقت تھی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں کاٹنے کا حکم نہیں اور یہ حکم آپؐ نے عرفات میں بیان فرمایا تھا۔ اس لئے کاٹنے کا حکم منسوخ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ کاٹنے کا حکم اس حدیث سے واجب نہیں رہا۔ مگر جمہور علماء کاٹنے کے قائل ہیں اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مطلق روایت کو مقید پر محمول کرتے ہیں۔ امام ابن قدامہ (صاحب المغنی) نے کہا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لیا جائے تاکہ اختلاف سے بچ نکلے۔ اسی طرح شلوار کے بارے میں بھی امام احمد رحمہ اللہ اور اکثر شوافع اس کو چادر نہ ہونے کی صورت میں مطلقاً پہننے کے قائل ہیں اور ان کا استدلال بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اس کے قطعاً قائل نہیں۔ البتہ امام محمد بن حسن شیبانی اور بعض شوافع کا کہنا ہے کہ اگر چادر میسر نہ ہو تو شلوار کو پھاڑ کر چادر نما بنا کر پہننا جائز ہے۔ مگر ان کا یہ قول محض قیاس پر مبنی ہے جس پر کوئی نص نہیں۔ اس لئے شلوار کے بارے میں صحیح موقف امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ ہی کا معلوم ہوتا ہے کہ چادر نہ ہونے کی بنا پر احرام میں شلوار پہننا جائز ہے۔ نیز اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زعفران اور ورس سے رنگا ہوا لباس بھی احرام میں جائز نہیں۔ یہ ممانعت رنگ کی وجہ سے نہیں بلکہ خوشبو کی وجہ سے ہے کیونکہ احرام کے بعد خوشبو لگانا بالاتفاق حرام ہے۔ البتہ اگر اسے دھو کر اس کی خوشبو زائل کر دی جائے تب جائز ہے۔

(۵۹۷) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كُنْتُ أَطِيبُ سَاحِلَ رِجْلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي حَرَمِهِ، وَلِحَجَلِهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِبَيْتِ اللَّهِ كَأَنَّهُ يَطُوفُ بِبَيْتِ اللَّهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: كُنْتُ أَطِيبُ سَاحِلَ رِجْلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي حَرَمِهِ، وَلِحَجَلِهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِبَيْتِ اللَّهِ كَأَنَّهُ يَطُوفُ بِبَيْتِ اللَّهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

پہلے میں رسول اللہ ﷺ کو احرام کے وقت اور احرام کھولنے کے وقت خوشبو لگاتی تھی۔ اس سے پہلے کہ آپؐ بیت اللہ کا طواف کریں۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿اطیب﴾ یہ تطیب سے مضارع متکلم کا صیغہ ہے کہ اس میں خوشبو لگاتی تھی۔ ﴿لاحرامہ﴾ یعنی احرام پہننے سے پہلے۔ اس سے ثابت ہوا کہ احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے گو اس کی خوشبو حالت احرام میں بھی آتی رہے مگر احرام کی حالت میں خوشبو لگانا حرام ہے۔ ﴿قبل ان يطوف بالبيت﴾ بیت اللہ کے طواف سے پہلے، اس سے مراد طواف زیارت ہے جو دس ذی الحجہ کو رمی جمار، قربانی اور حلق یعنی سرمندوانے کے بعد کیا جاتا ہے۔

(۵۹۸) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا ”احرام والا نکاح نہ کرے“ قَالَ: «لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ، وَلَا أَوْ لَا يَنْكِحُ»۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

لغوی تشریح: ﴿لا ینکح المحرم﴾ یعنی خود نکاح نہ کرے ﴿ولا ینکح﴾ یہ پہلے نکاح سے ہے یعنی نہ کسی دوسرے کو نکاح دے۔ ﴿ولا ینخطب﴾ یہ خطبہ خاء کی زیر سے ہے یعنی نہ منگنی کرے۔ نکاح کیلئے کسی عورت کا مطالبہ نہ کرے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں خود نکاح کرنا یا کسی کو نکاح دینا کسی کو اپنے لئے یا کسی اور کیلئے شادی کا پیغام دینا ناجائز ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو یہ مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا تھا تو یہ محض وہم ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

(۵۹۹) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کے جنگلی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - فِي قِصَّةِ غَدَهِ كُوشَكَارِ كَرْنِ كَقَصِّ مِیْل جَبْہ انہوں نے صَنِيدِ الْحِمَارِ الْوَحْشِيِّ وَهُوَ غَيْرُ احْرَامِ نَمِیْس بَانْدَا تھَا، مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مُحْرِمٌ - قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَے اُپنے صَحَابَہ سے فرمایا اور وہ احرام والے تھے لِأَصْحَابِهِ - وَكَانُوا مُحْرِمِينَ - هَلْ كَمِیَا تَمِیْل سے کسی نے اسے حکم دیا تھا یا اس کی مِیْنَكُمْ أَحَدٌ أَمْرَهُ، أَوْ أَشَارَ إِلَيْهِ طَرَفِ کسی چیز سے اشارہ کیا تھا؟“ انہوں نے کہا بِشَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: «فَكُلُوا مَا نَمِیْس، نَہِیْسَ عَلَیْہِ»۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

جوج گیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿فی قصۃ الحمار الوحشی﴾ جنگلی گدھے کو شکار کرنے کے قصد میں، اس قصہ کی تفصیل یہ ہے کہ ابو قتادہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کہیں نکلے تھے مگر اپنے چند ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے احرام نہیں باندھا تھا مگر ان کے ساتھی احرام کی حالت میں تھے۔ انہوں نے جب وحشی گدھا دیکھا تو اسے نظر انداز کر دیا مگر جب ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی نظر اس پر پڑی تو وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ساتھیوں سے کہا کہ میری لاشی پکڑاؤ مگر انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ پھر ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اس پر حملہ آور ہوئے اور اسے زخمی کر دیا۔ ذبح کر کے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا گوشت کھایا اور ان کے ساتھیوں نے بھی کھایا مگر پھر وہ پریشان ہو گئے۔ بالآخر جب وہ آنحضرت ﷺ سے جا ملے تو آپ نے یہ سارا ماجرا عرض کیا جس کا جواب اس روایت میں مذکور ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جنگلی جانور کا شکار جب غیر محرم کرے اور محرم نے اس سلسلے میں اس سے کوئی اعانت نہ کی ہو اور نہ ہی

اس بارے میں کوئی اشارہ کیا ہو تو محرم بھی اس سے کھا سکتا ہے مگر اس بارے میں مزید تفصیل ہے جو آئندہ حدیث کے تحت آرہی ہے۔

(۶۰۰) وَعَنْ الصَّعْبِ بْنِ جَثَامَةَ حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللّٰهِي رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، أَنَّهُ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک وحشی گدھا بطور اُھْدٰی لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ حِمَارًا تحفہ بھیجا اور آپ ﷺ ”ابواء“ یا ”ودان“ مقام پر تھے تو وَحْشِيًّا، وَهُوَ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ، آپ نے وہ انہیں واپس کر دیا اور فرمایا کہ ”ہم نے فَرَدُّهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ: «إِنَّا لَمْ نَرُدُّهُ يَہ اس لئے واپس کیا کہ ہم احرام والے ہیں۔“ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَا حُرْمٌ“۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿حمارا وحشیا﴾ یعنی وحشی گدھے کا ایک ککڑا۔ کیونکہ صحیح مسلم میں اس کے گوشت اور گوشت کا کچھ حصہ کے الفاظ بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو مسلم باب تحریم الصيد للمحرم ﴿بالابواء﴾ الف پر زبر اور باء ساکن ہے۔ یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے مابین ایک پہاڑ کا نام ہے جس کے پاس ایک بستی آباد ہے اور وہ بستی بھی اسی کی طرف منسوب ہے۔ آنحضرت ﷺ کی والدہ کا انتقال اسی جگہ پر ہوا اس کے اور جحفہ کے مابین بیس یا تیس میل کی مسافت ہے۔ ﴿ودان﴾ واؤ پر زبر اور دال مشد ہے۔ یہ ابواء کے قریب جگہ کا نام ہے۔ ﴿حرم﴾ حاء اور راء دونوں پر پیش ہے۔ یعنی ہم محرم ہیں۔ یہ حدیث بظاہر پہلی حدیث کے معارض ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم کیلئے شکار کا گوشت حرام ہے گو اس کی اجازت یا اشارہ وغیرہ سے شکار نہ کیا گیا ہو مگر پہلی حدیث میں اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان تطبیق یہ دی گئی ہے کہ شکار جب محرم کیلئے کیا گیا ہو تو اس کا کھانا بھی محرم کیلئے حرام ہے گو اس نے اس کا اشارہ وغیرہ بھی نہ کیا ہو کیونکہ مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں سند جید کے ساتھ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث میں مروی ہے کہ جب میں نے آپ ﷺ نے عرض کیا کہ جناب یہ شکار میں نے آپ ﷺ کیلئے کیا ہے تو آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ بھی تناول نہ فرمایا۔ اسی طرح ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”حالت احرام میں زمین کا شکار تمہارے لئے حلال ہے بشرطیکہ تم نے اسے شکار نہ کیا ہو یا تمہارے لئے وہ شکار نہ کیا گیا ہو۔“ جس سے معلوم ہوا کہ شکار جب محرم کے حکم سے یا اس کے اشارہ وغیرہ سے کیا گیا ہو یا شکار محرم کی ضیافت کیلئے کیا گیا ہو تو اس کیلئے اس کا کھانا ناجائز ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے۔

راوی حدیث: ﴿صعب رضی اللہ عنہ﴾ کی صادر پر زبر اور عین ساکن۔ بن ﴿جثامہ﴾ جیم پر زبر اور ”ثا“ مشد، اللیثی بیٹ قبیلہ سے تھے۔ ودان اور الابواء میں رہتے تھے۔ خلافت صدیقی میں ان کا انتقال ہوا مگر بعض کا قول ہے کہ خلافت عثمان تک زندہ رہے۔

(۶۰۱) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ

تَعَالَى عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا ”جانوروں میں سے پانچ سب کے سب
 ﷺ: خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ كُلُّهُنَّ شَرِيرٌ ہیں۔ حل اور حرم (سب جگہوں پر) مار دیئے
 قَوَاسِقُ، يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ: جائیں اور وہ ہیں بچھو، چیل، کوا، چوہا اور کٹ کھانے
 الْعَقْرَبُ، وَالْجِدَاةُ، وَالْغُرَابُ، وَالْاَكْتَا۔“ (بخاری و مسلم)
 وَالْفَارَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

لغوی تشریح: ﴿الدواب﴾ باء پر شد ہے اور دابة کی جمع ہے۔ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو زمین پر چلتا
 ہے پھر عموماً اس کا استعمال چوپائے جانوروں پر ہونے لگا۔ ﴿قواسق﴾ فاسقہ کی جمع اور ان کا فسق اور
 شران کی خباثت اور کثرت نقصان کی بنا پر ہے۔ ﴿الجداء﴾ حاء کی کسر کے ساتھ ”عنبہ“ کے وزن
 پر وہ خمیٹ جانور جسے چیل کہتے ہیں۔ ﴿العقرب﴾ یعنی بچھو اور اس میں سانپ بالاولیٰ شامل ہے۔ ﴿
 والکلب العقور﴾ عین پر زبر ﴿عقر﴾ سے ہے جس کے معنی قتل کرنا اور زخمی کرنا ہیں اور اس سے
 مراد ہر چیز نے پھاڑنے والا درندہ مراد ہے۔ جیسے شیر، چیتا، بھیرا وغیرہ۔

(۶۰۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بے شک نبی ﷺ نے سیگی لگوائی جب کہ آپ
 احرام کی حالت میں تھے۔ (بخاری و مسلم) اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

(۶۰۳) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: حُمِلْتُ
 إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَالْقَمَلُ يَتَنَازَرُ عَلَى وَجْهِي، فَقَالَ: «مَا كُنْتُ أَرَى
 الْوَجَعَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرَى، أَنْتَجِدُ شَاةً؟» قُلْتُ: لَا، قَالَ: «فَصُمْ ثَلَاثَةَ
 أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمِ سِتَّةَ مَسَاكِينٍ، لِكُلِّ مَسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔
 حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے
 رسول اللہ ﷺ کے پاس اٹھا کر لایا گیا اور جو میں
 میرے چہرے پر گر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا ”میرا
 یہ خیال نہ تھا کہ تم کو بیماری نے اس حالت کو پہنچا
 دیا ہو گا جو میں دیکھ رہا ہوں، کیا تیرے پاس بکری
 ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ: نہیں۔ آپ نے فرمایا
 ”تین دن روزہ رکھ یا چھ مسکینوں کو آدھا صاع ہر
 مسکین کے حساب سے کھانا دے۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿حملت﴾ صیغہ مجہول ہے یعنی مجھے اٹھا کر لایا گیا۔ ﴿القمل﴾ قاف پر زبر اور میم
 ساکن جنہیں جو میں کہتے ہیں۔ ﴿یتناثر﴾ یعنی کثرت کی وجہ سے وہ سر سے میرے منہ پر گر رہی تھیں
 اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ انہیں مارتے نہیں تھے کیونکہ وہ محرم تھے۔ ”ما کنت اری“ اری کے حمزہ پر پیش
 صیغہ مجہول کی وجہ سے یعنی مجھے یہ گمان نہ تھا۔ ﴿الوجع﴾ یعنی تکلیف ﴿ما اری﴾ حمزہ پر زبر۔ دیکھنے
 کے معنی میں۔ یعنی جو میں دیکھ رہا ہوں۔ ﴿انتجد شاة﴾ یعنی حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی یہ حالت دیکھ کر آپ
 نے انہیں سرمندوانے کا حکم دیا اور اس کے کفارہ کے طور پر ایک بکری ذبح کرنے یا تین دن کا روزہ رکھنے

کا یا چھ مساکین کو کھانا کھلانے کا حکم دیا۔

راوی حدیث: ﴿کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ﴾ عجرہ کے عین پر پیش اور جمیم ساکن، یہ جلیل القدر صحابی قبیلہ ”البسلی“ سے تعلق رکھتے تھے جو انصار کا حلیف تھا۔ کوفہ چلے گئے تھے بالآخر مدینہ طیبہ میں ۵۱ھ میں ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۶۰۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَمَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مَكَّةَ، قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي النَّاسِ، فَحَمِدَ اللَّهَ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيلَ، وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ، وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ تَمَّانَ قَبْلِي، وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، وَإِنَّهَا لَنْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي، فَلَا يَنْفِرُ صَيْدُهَا، وَلَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا، وَلَا يَحِلُّ سَاقِطُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ. وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ»، فَقَالَ الْعَبَّاسُ: إِلَّا الْإِذْخَرَ، يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي قُبُورِنَا وَبُيُوتِنَا، فَقَالَ: «إِلَّا الْإِذْخَرَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ کی فتح دی تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے پھر اللہ کی حمد و ثانیان کی اور فرمایا ”بے شک اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں کو مکہ سے روک دیا مگر اپنے رسول (ﷺ) اور مومنوں کو اس پر غلبہ عطا فرمایا اور تحقیق مجھ سے پہلے مکہ کسی پر حلال نہ تھا مگر میرے لئے دن کی ایک گھڑی حلال کر دیا گیا ہے اور یقیناً میرے بعد یہ کسی کیلئے حلال نہیں ہو گا یعنی نہ اس کا شکار بھگایا جائے، نہ اس کا کوئی کانٹے دار درخت کاٹا جائے اور نہ ہی اس کی گری ہوئی چیز سوائے شناخت کرنے والے کے کسی پر حلال ہے اور جس کا کوئی آدمی مارا جائے وہ دو بہتر سوچے ہوئے کاموں میں سے ایک کام میں اختیار رکھتا ہے۔“ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! ازخر (ایک قسم کی گھاس) کے سوا، کیونکہ اسے ہم اپنی قبروں اور چھتوں میں رکھتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا ”سوائے ازخر کے“ (یعنی اسے کانٹے کی اجازت ہے۔)۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿حبس﴾ یعنی روکا اور منع کیا۔ ﴿الفیل﴾ ہاتھی جسے ابیرہ اور اس کا لشکر بیت اللہ کو گرانے کیلئے لے کر آیا تھا۔ جس کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ ”وسلط“ یہ تسلط سے ہے یعنی غلبہ کے معنی میں ﴿ساعة من نہار﴾ دن کی ایک گھڑی اور اس سے بیت اللہ میں داخل ہونے سے عصر تک کا وقت مراد ہے۔ ﴿لا ینفر﴾ صیغہ مجہول تنفیر سے ہے یعنی بھگایا نہ جائے ﴿ولا یختلی﴾ یہ بھی صیغہ مجہول ہے یعنی نہ کاٹا جائے۔ ﴿ساقطہا﴾ یعنی اس کی گری پڑی چیز۔ ﴿الامنشد﴾ یہ انشاد

سے ہے یعنی اس کی گری پڑی چیز کھانے یا قبضہ کرنے کی نیت سے نہ اٹھائی جائے البتہ اس کو اس نیت سے اٹھانا جائز ہے کہ اسے لوگوں میں متعارف کرایا جائے تاکہ اس کا مالک مل جائے اور وہ اسے حاصل کرے۔ ﴿قتیل﴾ یعنی مقتول۔ ﴿فہو﴾ یعنی مقتول کا ولی۔ ﴿بخیر النظرین﴾ یعنی ولی کو دو میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق ہے، چاہے تو قصاص لے یا دیت وصول کرے۔ ﴿الا الاذخر﴾ یعنی آپؐ یہ فرمائیں ”الا الاذخر“ اذخر کے سوا کہ اس کو کاٹنے کی اجازت ہے۔ اذخر کے عمرہ اور خاء کے نیچے زیر ہے اور ذال ساکن۔ یہ لمبے پتوں والی خوشبو دار گھاس ہے جسے گھروں کی چھتوں میں لکڑیوں کے اوپر رکھا جاتا تھا اور قبروں کو بند کرنے میں بھی اس کا استعمال ہوتا تھا۔ مکہ مکرمہ کی حرمت کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں بسنے والوں کو قتل کرنا حرام ہے جو اس میں داخل ہو گیا اسے گویا امن مل گیا۔ اس کا شکار اور اس کے درخت اور جڑی بوٹی کاٹنا حرام ہیں۔ اس میں گری پڑی چیز اپنے استعمال کیلئے اٹھانی حرام ہے۔

(۶۰۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ بْنِ حَضْرَتِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَدَعَا لِأَهْلِهَا، وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ، كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ؛ وَإِنِّي دَعَوْتُ فِي صَاعِهَا وَمَدَّهَا بِمِثْلِ مَا دَعَا بِهِ إِبْرَاهِيمُ لِأَهْلِ مَكَّةَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تحقیق ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت دی اور اس کے بسنے والوں کیلئے دعا کی اور بے شک میں نے مدینہ کو حرمت دی۔ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام قرار دیا اور یقیناً میں نے مدینہ کے صاع اور اس کے مد کے متعلق ابراہیم علیہ السلام کی طرح دعا کی جو مکہ میں بسنے والوں کے متعلق تھی۔“

(بخاری و مسلم)

لعفی تشرح: ﴿حرم مکہ﴾ یہ تحریم سے ہے یعنی اس کو حرم بنایا اور مدینہ طیبہ کی تحریم کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا شکار حرام ہے۔ اس کے درخت کاٹنے حرام ہیں اور وہاں بدعات کا ارتکاب حرام ہے۔ حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ طیبہ بھی حرم ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت دی کا مفہوم یہ ہے کہ دعا سے اسے حرمت دی گئی کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ ان اللہ حرم مکہ کہ اللہ نے مکہ کو حرام قرار دیا ہے۔

(۶۰۶) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ حَضْرَتِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْمَدِينَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَبْرٍ إِلَى نُورٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”مدینہ حرم ہے عیر سے نور کے درمیان۔“

لعفی تشرح: ﴿عیر﴾ عین کے نیچے زیر اور یاء ساکن۔ یہ مدینہ طیبہ کے جنوب میں پہاڑ کا نام ہے جس

کے جنوب مغرب میں قباء واقع ہے ﴿نور﴾ ثناء پر زیر، واؤ ساکن، یہ چھوٹا سا گول پہاڑ ہے جو مدینہ طیبہ کے شمال میں جبل احد کے پیچھے واقع ہے۔ ایک روایت میں ہے ”ما بین عیر واحد“ کہ عیر اور احد کے درمیان یعنی ثور کی جگہ جبل احد کا ذکر ہے مگر دونوں میں کوئی جوہری فرق نہیں۔ احد اور ثور قریب قریب ہیں۔ جبل ثور کم کمرہ میں بھی ہے۔ اس میں ہجرت کے موقع پر آپؐ چھپے تھے اور اس کا ذکر قرآن پاک کی اس آیت میں بھی ہے ”اذھما فی الغار“ یہاں سے یہ جبل ثور نہیں بلکہ مدینہ طیبہ کا جبل ثور مراد ہے۔ اس حدیث سے شمالاً جنوباً حرم مدینہ کی تحدید معلوم ہوتی ہے۔ شرافاً غریاً اس کی تحدید کے متعلق مروی ہے کہ ”انھا حرام ما بین لابتیھا“ کہ دو حروں کے درمیان جو کچھ ہے حرام ہے اور اس سے مراد ایک ”حرۃ و برۃ“ ہے جو مدینہ طیبہ کے مغرب میں ہے اور دوسرا حرۃ و اقم جو مدینہ طیبہ کے مشرق میں ہے یوں چاروں سمت حرم مدینہ کی تحدید واضح ہو جاتی ہے۔

۵ - باب صِفَةِ الْحَجِّ وَذُخُولِ حَجِّ كَاطَرِيقِهِ اور مکہ میں داخل ہونے کا مَنَکَہ

بیان

(۶۰۷) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَجَّ، فَخَرَجْنَا مَعَهُ، حَتَّى إِذَا أَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ قَوْلَدَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ، فَقَالَ: «اغْتَسِلِي، وَاسْتَنْفِرِي بِثَوْبٍ، وَأَحْرِمِي»، وَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ، ثُمَّ رَكِبَ الْقُصْوَاءَ، حَتَّى إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ عَلَى الْبَيْدَاءِ، أَهَلَ بِالتَّوْحِيدِ: «لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ، لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ»، حَتَّى إِذَا أَتَيْنَا الْبَيْتَ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ، فَرَمَلَ ثَلَاثًا، وَمَشَى أَرْبَعًا، ثُمَّ أَتَى مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ فَصَلَّى، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کیا تو ہم آپؐ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ہم ذوالحلیفہ پہنچے تو اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے بچہ جنا۔ آپؐ نے فرمایا ”غسل کر اور کسی کپڑے سے لنگوٹ باندھ لے اور احرام باندھ لے۔“ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی اور قصواء (آپؐ کی اونٹنی کا نام) پر سوار ہو گئے یہاں تک کہ جب آپؐ بیداء کے برابر آئے تو آپؐ نے توحیدی تلبیہ پکارا ”حاضر ہوں“ اے میرے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بلا شک سب تعریفیں اور انعامات تیرے ہیں۔ بادشاہت بھی تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔“ یہاں تک کہ ہم بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ رکن (اسود) کو آپؐ نے بوسہ دیا، تین بار رمل کیا اور چار بار معمول کے مطابق چلے۔ پھر آپؐ مقام ابراہیم پر

الرُّكْنِ، فَاسْتَلَمَهُ، ثُمَّ خَرَجَ مِنْ
 الْبَابِ إِلَى الصَّفَا، فَلَمَّا دَنَا مِنَ
 الصَّفَا، قَرَأَ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ
 شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ «أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ»،
 فَرَفِيَ الصَّفَا حَتَّى رَأَى الْبَيْتَ،
 فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَوَحَّدَ اللَّهَ، وَكَبَّرَهُ،
 وَقَالَ: «لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَحْدَهُ، لَا
 شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ،
 وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلَهَ إِلَّا
 اللَّهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ،
 وَهَزَمَ الْأَخْزَابَ وَحْدَهُ»، ثُمَّ دَعَا بَيْنَ
 ذَلِكَ قَالٍ مِثْلَ هَذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ
 نَزَلَ مِنَ الصَّفَا إِلَى الْمَرْوَةِ، حَتَّى
 إِذَا انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِي بَطْنِ الْوَادِي
 سَعَى، حَتَّى إِذَا صَعِدَ مَشَى إِلَى
 الْمَرْوَةِ، فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ
 عَلَى الصَّفَا، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، وَفِيهِ:
 فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوا إِلَى
 مِنَى، وَرَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ، فَصَلَّى بِهَا
 الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ
 وَالْفَجْرَ، ثُمَّ مَكَثَ قَلِيلًا حَتَّى
 طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَأَجَازَ حَتَّى أَتَى
 عَرَفَةَ، فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ
 بِمِزَّةٍ، فَنَزَلَ بِهَا، حَتَّى إِذَا زَالَتِ
 الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقُضَاءِ فَرُجِلَتْ لَهُ،
 فَأَتَى بَطْنَ الْوَادِي، فَخَطَبَ النَّاسَ،
 ثُمَّ أَدَّنَ، ثُمَّ أَقَامَ، فَصَلَّى الظُّهْرَ،

آئے اور نماز پڑھی پھر رکن (حجر اسود) کی طرف
 واپس آئے اور اس کو بوسہ دیا۔ پھر مسجد حرام کے
 دروازہ سے صفا کی طرف نکلے جب صفا کے نزدیک
 پہنچے تو یہ آیت پڑھی۔ ”تحقیق صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ
 کی نشانیوں میں سے ہیں۔“ (پھر فرمایا) ”میں شروع
 کرتا ہوں (سعی کو) اس مقام سے کہ جہاں سے اللہ
 نے شروع کیا ہے۔“ پھر صفا پر چڑھے۔ یہاں تک کہ
 آپؐ نے بیت اللہ کو دیکھا۔ پھر قبلہ رخ ہوئے اور
 اللہ کی وحدانیت اور کبریائی بیان کی اور کہا ”اللہ کے
 سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک
 نہیں۔ بادشاہی اور سب خوبیاں اسی کی ہیں اور وہ ہر
 چیز پر قادر ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے
 اپنا وعدہ پورا کر دیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور کفار
 کی جماعت کو اکیلے اسی نے شکست دی۔“ پھر اس
 کے درمیان تین بار دعا کی۔ پھر صفا سے اترے اور
 مروہ کی طرف گئے۔ یہاں تک کہ جب آپؐ کے
 دونوں پاؤں وادی کے نشیب میں پڑے تو دوڑے
 یہاں تک کہ آپؐ نشیب سے اوپر چڑھے اور مروہ
 کی طرف چلے۔ مروہ پر وہی کچھ کیا جو صفا پر کیا تھا۔
 پھر جابر رضی اللہ عنہ نے ساری حدیث بیان کی جس میں یہ
 ہے کہ جب ترویہ کا دن (۸ ذی الحج) ہوا تو لوگ منیٰ
 کی طرف متوجہ ہوئے اور نبی ﷺ سوار تھے پھر
 وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نماز پڑھی۔
 پھر تھوڑی دیر ٹھہرے یہاں تک کہ سورج نکل آیا
 تو وہاں سے روانہ ہوئے اور مزدلفہ سے گزرتے
 ہوئے عرفات میں پہنچے تو خیمہ میں اترے جو آپؐ

ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ، وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئاً، ثُمَّ رَكَبَ حَتَّى أَتَى الْمَوْقِفَ، فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقُضْوَاءَ إِلَى الصَّخْرَاتِ، وَجَعَلَ جَبَلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفاً حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيلاً، حَتَّى إِذَا غَابَ الْقُرْصُ دَفَعَ، وَقَدْ شَنَقَ لِلْقُضْوَاءِ الزَّمَامَ، حَتَّى إِنَّ رَأْسَهَا لَيُصِيبُ مَوْرِكَ رَحْلِهِ، وَيَقُولُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَسْكِبْنَةَ، أَلَسْكِبْنَةَ»، وَكُلَّمَا أَتَى جَبلاً أَرْخَى لَهَا قَلِيلاً حَتَّى تَضَعَدَ، حَتَّى أَتَى الْمُرْدَلِفَةَ، فَصَلَّى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ، وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئاً، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ، فَصَلَّى الْفَجْرَ حِينَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ، بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، ثُمَّ رَكَبَ حَتَّى أَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَدَعَا، وَكَبَّرَ، وَهَلَّلَ، فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفاً حَتَّى أَسْفَرَ جِدًّا، فَدَفَعَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ، حَتَّى أَتَى بَطْنَ مُحَسَّرٍ، فَحَرَّكَ قَلِيلاً، ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيقَ الْوُسْطَى الَّتِي تَخْرُجُ عَلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرَى، حَتَّى أَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِي

کیلئے نمرہ میں لگایا گیا تھا۔ پھر جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ نے قصواء پر پالان رکھنے کا حکم دیا۔ آپ سوار ہو کر وادی کے درمیان میں آئے اور لوگوں کو خطبہ دیا پھر اذان دلائی پھر اقامت کہلائی تو نماز ظہر ادا کی پھر اقامت کہلائی تو عصر کی نماز پڑھی اور ان دونوں کے درمیان کوئی نماز نہ پڑھی۔ پھر سوار ہو کر ٹھہرنے کی جگہ پر پہنچے تو اپنی اونٹنی قصواء کا پیٹ پتھروں کی طرف کر دیا اور راہ چلنے والوں کو اپنے سامنے کر لیا اور اپنا رخ قبلہ کی جانب کر لیا۔ پھر آپ اس وقت تک ٹھہرے رہے کہ سورج غروب ہونے لگا اور تھوڑی سی زردی ختم ہو گئی حتیٰ کہ سورج مکمل طور پر غروب ہو گیا پھر آپ اسی حالت میں واپس ہوئے۔ آپ نے قصواء کی باگ اتنی تنگ کر رکھی تھی کہ اس کا سر آپ کے پالان کے اگلے ابھرے ہوئے حصے کو پہنچتا تھا اور آپ اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرماتے تھے ”اے لوگو! تسکین و اطمینان اختیار کرو“ اور جب بھی آپ کسی ٹیلے پر آتے تو باگ تھوڑی سی ڈھیلی کر دیتے کہ وہ اوپر چڑھ جاتی یہاں تک کہ آپ مزدلفہ تشریف لائے اور وہاں ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اور دونوں کے درمیان کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی۔ پھر لیٹ گئے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ جب صبح کا وقت ظاہر ہوا تو آپ نے اذان اور اقامت سے فجر کی نماز پڑھی۔ پھر سوار ہو کر مشعر حرام پر آئے۔ پس آپ قبلہ رو ہوئے دعا کی اور تکبیر و تہلیل کہتے رہے۔ آپ وہاں اچھی طرح

عِنْدَ الشَّجَرَةِ، فَرَمَاهَا بِسَبْعِ سَفِيدٍ ظَاهِرِ هُونِے تَک ٹھہرے رہے پھر سورج نکلنے حَصَبَاتٍ، يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ سے پہلے واپس ہو کر وادی محسر کے نشیب میں آگئے مِّنْهَا، مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ، رَمَى تُو سُواری کو کچھ تیز کر دیا۔ پھر درمیانی راستہ پر چلے جو مِّنْ بَطْنِ الْوَادِي، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى جَمْرَةِ کَبْرٰی (بڑا شیطان) پر پہنچتا ہے پھر آپؐ اس جمرہ پر الْمَنْحَرِ، فَنَحَرَ، ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللَّهِ آئے جو درخت کے پاس ہے تو اسے سات کنکریاں ﷺ فَأَفَاضَ إِلَى الْبَيْتِ، فَصَلَّى وادی کے نشیب سے ماریں، ہر کنکری کے ساتھ اللہ بِمَكَّةَ الظُّهْرِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ مُّطَوَّلًا۔ اکبر کہتے تھے، ان میں سے ہر کنکری خذف (لوبیے

کے دانے) کے برابر تھی۔ پھر آپؐ قربان گاہ کی طرف گئے اور وہاں قربانی کی پھر رسول اللہ ﷺ سوار ہوئے اور بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پھر مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی۔ (اسے مسلم نے تفصیل سے بیان کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿اسماء بنت عمیس﴾ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ کا نام ہے اور جو بچہ اس وقت پیدا ہوا اس کا نام محمد رضی اللہ عنہ تھا۔ ﴿واستغفری﴾ یہ ”استغفار“ سے امر کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں لگٹو کسنا اور وہ یوں کہ عورت اپنی کمر سے کوئی چیز یا (رسی یا ازار وغیرہ) بند باندھ لیتی ہے پھر ایک چوڑا کپڑا خون کی جگہ پر رکھ کر اسے آگے پیچھے سے کمر کی رسی کے ساتھ باندھ لیتی ہے۔ ﴿واحرمی﴾ احرام باندھ لے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نفاس کی حالت میں احرام باندھنا درست ہے۔ ﴿القصواء﴾ قاف پر زیر اور صاؤ ساکن، اس کے اصل معنی تو کان کٹا ہوا، کے ہیں مگر یہاں یہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کا لقب ہے اس کا کان کٹا ہوا نہ تھا بلکہ آپؐ نے پیار سے اس کا یہ لقب رکھا تھا۔ ﴿البیداء﴾ دراصل بیابان جگہ جہاں کوئی چیز نہ ہو۔ اسے ”البیداء“ کہتے ہیں مگر یہاں ذوالحلیفہ کے قریب مخصوص جگہ کا نام مراد ہے۔ ﴿اہل﴾ اہلال سے ماضی کا صیغہ ہے یعنی آپ ﷺ نے اپنی آواز کو بلند کیا۔ ﴿بالتوحید﴾ یعنی تلبیہ میں صرف اللہ وحدہ لا شریک کا ذکر کیا جبکہ جاہلیت میں مشرکین تلبیہ میں شریک کلمات بھی کہتے تھے۔ ﴿لبیک﴾ لبی کا مصدر ہے جب ”لبیک“ کہے کا تو یہ مصدری معنی میں منصوب ہوگا اور اس کا عامل محذوف ہوگا اور مکرر ”لبیک“ سے مقصود تکثیر و تاکید ہے۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ کے دربار میں حاضر ہوں۔ یعنی آپ کی اطاعت پر قائم۔ آپ کی اطاعت پر قائم ہوں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ میں نے آپ کی دعوت کو قبول کر لیا، قبول کر لیا۔ اور یہ تلبیہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت حج کا جواب ہے۔ ﴿ان الحمد﴾ حمزہ کے نیچے زیر ہے جملہ مستانفہ کی بنا پر مگر تغلیل کی صورت میں اس پر زیر آئے گی۔ ﴿استلم الرکن﴾ رکن یعنی حجر اسود

پر ہاتھ رکھا اور اس کا بوسہ لیا۔ ﴿فرمل﴾ یعنی اپنے کندھوں کو ہلاتے ہوئے پہلوانوں کی طرح تیز تیز چلے۔ ﴿فلان﴾ یعنی سات میں سے تین چکر یوں دوڑ کر پورے کئے۔ ﴿ومشی اربعاً﴾ اور باقی چار حسب عادت چل کر پورے کئے۔ اس طواف کو طواف قدوم کہتے ہیں نیز اسے طواف دخول، طواف ورود بھی کہتے ہیں اور یہ حج کا پہلا طواف ہے۔ ﴿مقام ابراہیم﴾ وہ معروف پتھر جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کا نقش ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر اسی کے اوپر کھڑے ہو کر کی تھی۔ تعمیر کے وقت جب دیوار اوپر ہوتی تو یہ پتھر بھی خود بخود اوپر ہو جاتا تھا۔ ﴿فصلی﴾ پھر دو رکعت طواف کے بعد پڑھیں۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایہا الکفرون اور دوسری میں قل هو اللہ احد پڑھی۔ ﴿من الباب﴾ یعنی الصفا کا معروف دروازہ۔ ﴿دنا﴾ قریب ہوئے۔ ﴿شعائر﴾ یہ شعیرۃ کی جمع ہے یعنی علامت اور یہاں شعائر سے مراد وہ مناسک ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کی علامت قرار دیا ہے۔ صفا اور مروہ بھی انہی شعائر میں سے ہیں جن کے مابین سعی کی جاتی ہے۔ ﴿ابدا بما بدا اللہ﴾ یعنی میں صفا سے شروع کرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی صفا کا ذکر پہلے کیا ہے۔ اور مروہ کا بعد میں ﴿فرقی﴾ بل السلام میں ہے کہ قاف پر زبر ہے مگر مختار الصحاح میں ہے کہ اس کے نیچے زیر پڑھی جائے گی۔ یعنی چڑھے ﴿انجوز وعده﴾ یعنی اپنے رسول اور دین کے بارے میں غلبہ کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا۔ ﴿نصر عبده﴾ اپنے بندے کی مدد کی۔ بندہ سے خود آپ کی ذات گرامی مراد ہے۔ ﴿وہم الاحزاب﴾ یہ حزب کی جمع ہے اس کے معنی جماعت اور لشکر ہے۔ یعنی ان کے لشکر کو ختم کر دیا اور شکست سے دوچار کیا۔ ﴿ثم دعابین ذلک﴾ یعنی مذکورہ ذکر کے درمیان دعا کی۔ ﴿ثلاث مرات﴾ تین مرتبہ اس سے لازم آتا ہے کہ آپ نے یہ ذکر تین بار کیا۔ ﴿حتی اذا انصب﴾ یہ انصب سے ہے یعنی وادی میں نیچے اترے۔ ﴿حتی اذا صعد﴾ یعنی وادی کے نشیب سے اوپر چڑھے۔ ﴿فذکر الحدیث﴾ یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مکمل حدیث ذکر کی، مگر مصنف رحمہ اللہ نے اس میں سے بقدر ضرورت ذکر کی۔ ﴿یوم الترویہ﴾ ثناء پر زبر راء ساکن اور واؤ کے نیچے زیر اور یاء مخفف یہ مصدر ہے۔ "ارواء" یعنی پینے کے معنی میں اور "یوم الترویہ" ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ ہوتی ہے۔ اسے یوم ترویہ اس لئے کہتے ہیں کہ اسی دن حجاج میدان عرفات کی ضرورت کیلئے پانی لیتے تھے کیونکہ وہاں ان دنوں پانی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ﴿توجهوا﴾ یعنی انہوں نے قصد کیا اور روانہ ہو گئے۔ ﴿فصلی بھا﴾ یعنی مٹی میں پیچنے کے بعد پانچوں نمازیں وقت کے مطابق ادا کیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک دن اور ایک رات قیام فرمایا تھا ﴿ثم مکث قلبلاً﴾ یعنی نوزی الحج کی نماز فجر کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرے۔ ﴿فاحجاز﴾ یعنی پھر چلے اور آگے بڑھے ﴿حتی اتی عرفہ﴾ یعنی میدان عرفات کے قریب پہنچ گئے۔ ﴿القبۃ﴾ قاف پر پیش، چھوٹے خیمے کو کہتے ہیں۔ ﴿بنمرۃ﴾ نون پر زبر، میم کے نیچے زیر اور راء پر زبر میدان عرفات سے کچھ پہلے معروف جگہ کا نام ہے جو عرفات کا حصہ نہیں۔ ﴿فرحلت﴾ مجہول کا صیغہ ہے۔ یہ ترحیل سے ہے یعنی اس پر کجاوا رکھا اور چلنے کی تیاری کی۔ ﴿فاتی بطن الوادی﴾

اس وادی سے مراد وادی عرنہ ہے جس کے عین پر پیش راء پر زبر اور اس کے بعد نون۔ وادی عرنہ امام شافعی رحمہ اللہ اور اکثر علماء کے نزدیک میدان عرفات میں سے نہیں مگر امام مالک رحمہ اللہ اسے عرفات کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ ﴿الموقف﴾ قاف کے نیچے زیر یعنی عرفات میں ٹھہرنے کی جگہ۔ ﴿الی الصخرات﴾ پتھروں کی طرف۔ اس سے مراد وہ بکھرے ہوئے پتھر جو جبل رحمت کے دامن میں ہیں۔ یہ میدان عرفات کا درمیانی حصہ ہے اور یہاں ٹھہرنا مستحب ہے۔ ﴿حبل المشاة﴾ حاء کے اوپر زبر اور باء ساکن اور مشاة کی میم پر پیش "ماش" کی جمع ہے اس کے معنی ہیں پیدل چلنے کا راستہ۔ ریت کے درمیان ٹیلے کو بھی جبل کہتے ہیں اور بعض نسخوں میں یہ لفظ "جبل" بھی آیا ہے۔ ﴿وذہبت الصفرة قليلا﴾ یعنی سورج غروب ہونے کے بعد اس کی کچھ زردی بھی ختم ہو گئی۔ جس سے اس کے غروب کا یقین ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ میدان عرفات میں اپنے موقف میں اچھی طرح سورج غروب ہونے تک ٹھہرا جائے اور میدان عرفات میں وقوف کا وقت عرفہ کے دن سورج ڈھلنے سے لے کر یوم النحر کی طلوع فجر تک ہے۔ جو شخص اس وقت میں میدان عرفات میں ٹھہرے گا اس کا موقف صحیح ہے اور جو اس دوران یہاں قیام نہ کر سکا اس کا حج فوت ہو گیا۔ ﴿حتى اذا غاب القرص﴾ یعنی جب سورج کی نکیہ غائب ہو گئی اور وہ اچھی طرح غروب ہو گیا۔ قرص کسی گول چیز کو کہتے ہیں۔ ﴿دفع﴾ یہ "اذا" کا جواب ہے یعنی آپ عرفات سے روانہ ہوئے۔ ﴿وقد شق﴾ واؤ حالیہ ہے اور ﴿شفق﴾ کی نون پر زبر یعنی ملا اور کھینچنے سے تنگ ہوا۔ ﴿الزمم﴾ زاء کے نیچے زیر یعنی اونٹنی کی مہار یعنی مہار کو کھینچنا تنگ کیا تاکہ وہ نہ بھاگے۔ ﴿ليصب﴾ لام تاکید کا ہے اور اس پر زبر ہے یعنی چھوٹا تھا اور پہنچ جاتا تھا۔ ﴿موردك﴾ میم پر زبر واؤ ساکن راء کے نیچے زیر۔ کجاوے کا اگلا حصہ جس پر سوار ہونے والا تھک کر کبھی اپنے پاؤں بھی رکھ لیتا ہے۔ ﴿السكينة﴾ اس پر زبر ہے یعنی اطمینان کو لازم پکڑو۔ ﴿كلما اتى حبلا﴾ حاء کے ساتھ یعنی جب بھی ریت کے کسی ٹیلے پر آتے ﴿ارحى لها﴾ تو اس کی مہار ڈھکی کر دیتے ﴿لم يسبح﴾ یہ تسبیح سے ہے یعنی نفل نہیں پڑھے۔ ﴿اضطجع﴾ یعنی سونے کیلئے لیٹ گئے۔ ﴿لاتبين﴾ یعنی ظاہر ہوا۔ ﴿لمشعر الحوام﴾ یہ مزدلفہ میں مشہور پہاڑ کا نام ہے جسے قزح بھی کہا جاتا ہے۔ ﴿وهلل﴾ یہ تحلیل سے ہے یعنی لا الہ الا اللہ پڑھا۔ ﴿اسفر﴾ یعنی جب روشن ہو گیا۔ ﴿بطن محسر﴾ میم پر پیش حاء پر زبر سین کے نیچے زیر اور شد مشہور وادی کا نام ہے جو منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ہے اور یہ نہ منیٰ کا حصہ ہے اور نہ ہی مزدلفہ کا اس کا نام "وادی محسر" اس لئے رکھا گیا کہ ابرہہ کے ہاتھی یہاں رک گئے اور آگے پیش قدمی سے عاجز آ گئے۔ ﴿فحركك﴾ یہ تحریک سے ہے یعنی آپ نے اپنی اونٹنی کو حرکت دی تاکہ وہ تیز چلے اس لئے کہ یہ وادی عذاب کی جگہ ہے جیسے آپ سفر کے دوران میں قوم ثمود کی بستی سے جلدی سے گزر گئے تھے۔ ﴿ثم سلك الطريق الوسطی﴾ دونوں راستوں کے درمیان والے راستہ پر چلے اور یہ وہ راستہ تھا جو عرفات کے راستہ کے علاوہ تھا ﴿النی تخرج علی الجمرة الكبرى﴾ اسے جمرة عقبہ بھی کہتے ہیں اور "جمرة" کنکریوں

کے جمع ہونے کا نام ہے۔ ﴿حَتَّىٰ آتَى﴾ یعنی یہاں تک کہ آپؐ وہاں پہنچے۔ ﴿الْجُمُرَةُ الَّتِي عِنْدَ الشَّجَرَةِ﴾ یہ جمرات میں سے سب سے آخری جمرہ ہے۔ سبل السلام میں ہے کہ یہ منیٰ کی حد کیلئے منیٰ کا حصہ نہیں۔ آپؐ کے زمانہ میں وہاں درخت تھا تبھی اسے کہا گیا ہے کہ جو جمرہ درخت کے قریب ہے۔ ﴿الْخُذْفُ﴾ فاء پر زبر ذال ساکن، انگلیوں کے پوروں سے کنکری پھینکنا جو لویا کے دانہ کے برابر ہوتی ہو۔ ﴿رَمَىٰ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي﴾ یعنی وادی کے نشیب سے کنکریاں ماریں۔ بایں طور پر کہ منیٰ، عرفہ اور مزدلفہ آپؐ کی دائیں جانب اور مکہ مکرمہ بائیں جانب تھا۔ اس رمی کے بعد تلبیہ ختم ہو جاتا ہے۔ ﴿الْمَنْحَرُ﴾ یعنی قریان گاہ اور وہ منیٰ ہے۔ ﴿نَحْرُ﴾ یہ لہ سے ہوتا ہے جیسے حلق سے دوسرا جانور ذبح کیا جاتا ہے ﴿افاض﴾ یعنی آپؐ روانہ ہوئے اور وہاں سے کوچ کیا۔ ﴿الْحِجَابُ﴾ یعنی کعبہ مکرمہ کی طرف طواف زیارت کیلئے اور اسے طواف افاضہ اور طواف الرکن بھی کہتے ہیں۔ یہ طواف حج میں فرض ہے۔ یوم النحر کو اگر یہ طواف نہ ہو سکے تو یہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ہر صورت میں یہ طواف کرنا پڑے گا۔

(۶۰۸) وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ حَضَرْتُ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا فَرَّغَ مِنْ تَلْبِيهِ فِي حَجٍّ أَوْ فَارِغَ هَوْتِ تَوَلَّى اللَّهَ تَعَالَى مِنْ اس کی رضامندی اور عُمْرَةً سَأَلَ اللَّهَ رِضْوَانَهُ وَالْجَنَّةَ، جنت طلب کرتے اور اس کی رحمت کے ساتھ آگ وَاسْتَعَاذَ بِرَحْمَتِهِ مِنَ النَّارِ. رَوَاهُ سے پناہ مانگتے۔ (اسے امام شافعی رحمہ اللہ نے ضعیف سند سے الشَّافِعِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ. روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿اِذَا فَرَّغَ مِنْ تَلْبِيهِ﴾ اس سے مراد ہر وہ تلبیہ ہے جو محرم کسی بھی وقت کہے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد دعا مستحب ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ فراغت سے مراد وہ وقت ہو جب لبیک کہنا ختم ہو جاتا ہے اور یہ روایت اس لئے ضعیف ہے کہ اس کا راوی محمد بن ابی زائدہ ضعیف ہے۔ راوی حدیث ﴿حَضَرْتُ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ﴾ انصار کے قبیلہ اوس کی عظمیٰ شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی کنیت ابوعمارہ ہے۔ بدر اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ فتح مکہ کے دن عظمیٰ قبیلہ کا جھنڈا آپؐ ہی کے ہاتھ میں تھا۔ جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے ہمراہ تھے اور اسی موقع پر شہید ہوئے۔

(۶۰۹) وَعَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «نَحَرْتُ هَهُنَا، وَمِنَى كُلُّهَا مَبْنَحَرٍ، فَانْحَرُوا فِي رِحَالِكُمْ، وَوَقَفْتُ هَهُنَا، وَعَرَفْتُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ،» حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میں نے قریان اس جگہ کی ہے مگر منیٰ سارے کا سارا قریان گاہ ہے۔ لہذا تم اپنے اپنے ٹھہرنے کے مقامات پر قریان کر دو اور میں نے اس جگہ قیام کیا ہے مگر عرفات کا سارا میدان جائے قیام

وَوَقَفْتُ هَهُنَا، وَجَمَعْتُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ». ہے اور میں نے یہاں قیام کیا مگر مزدلفہ سارا جائے رَوَاہُ مُنْقَلِبًا۔
قیام ہے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿وجمع کلہا موقف﴾ الجمع میں جیم پر فتح اور میم ساکن ہے۔ مزدلفہ کا دوسرا نام ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے جمع اس لئے کہتے ہیں کہ جب حضرت آدم و حوا کو جنت سے زمین پر اپنے مقام و ٹھکانے پر اتارا گیا تو دونوں کی اس مقام پر ملاقات ہوئی۔ ان کے یہاں جمع ہونے کی بنا پر اس جگہ کا نام جمع پڑ گیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ لوگوں کے اجتماع اور اکٹھے ہونے یا اس مقام پر مغرب اور عشاء دونوں نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنے کی وجہ سے اسے "الجمع" کہا گیا ہے۔

(۶۱۰) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا جَاءَ إِلَى مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ أَعْلَاهَا، وَخَرَجَ مِنْ أَسْفَلِهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب حج کیلئے مکہ میں داخل ہوئے تو اس موقع پر مکہ کی بالائی جانب سے داخل ہوئے اور جب واپس جانے کیلئے مکہ سے نکلے تو زیریں حصہ سے نکلے۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کا مکہ میں داخل ہونے اور نکلنے کا راستہ بیان ہوا کہ آپؐ تثنیہ علیا کے راستے سے داخل ہوئے اور تثنیہ سفلی سے واپس ہوئے۔ بعض کے نزدیک حج کیلئے مکہ میں داخل ہونا انہی راستوں سے مسنون ہے اور بعض نے اسے سہولت اور آسانی پر محمول کیا ہے اور اسے مسنون قرار نہیں دیا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس طرح مکہ میں داخلہ کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ بالائی جانب سے مکہ میں داخلہ کی صورت میں شہر مکہ اور خانہ کعبہ سامنے کی جانب پڑتے ہیں۔

(۶۱۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّهُ كَانَ لَا يَقْدُمُ مَكَّةَ إِلَّا بَاتَ بِبَذِي طُوى، حَتَّى يُصْبِحَ، وَبِغَسِيلٍ، وَيَذْكُرُ ذَلِكَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ جب بھی مکہ میں آتے تو بذی طوی میں صبح تک شب بسر کرتے اور غسل کرتے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿بات﴾ رات گزارتے۔ ﴿بذی طوی﴾ طوی کے "طا" پر ضمہ اور آخر پر تینوں۔ مکہ کے قریب ایک مقام و جگہ۔ (کہ جو آج کل --- ایک پرانے کنویں کی وجہ سے --- بڑی طوی کے نام سے مشہور ہے)

(۶۱۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ

(متفق علیہ)

(۶۱۵) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی اس کے راوی ہیں قَالَ: لَمْ أَرِ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَسْتَلِمُ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سوائے دونوں یمنیِّیْنَ مِنَ الْبَيْتِ غَيْرِ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَّيْنِ . رکنوں کے بیت اللہ کے کسی رکن کو چھوتے ہوئے رَوَاهُ مُسْلِمٌ . نہیں دیکھا۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿یَسْتَلِمُ﴾ یعنی ہاتھ سے چھوتے۔ یہ ہر طواف میں مسنون ہے ﴿غیر الرکنین الیمانیین﴾ نون کے بعد والی ”یا“ مخفف ہے اور یمن کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے اس پر تشدید ہے اور یمن کی طرف ان کا رخ ہے، اس لئے ان کو رکن یمنی کہتے ہیں اور ﴿رکن البیت﴾ یعنی حجر اسود کا رخ بھی اسی طرف ہے اور یہ دونوں رکن حجر اسود اور دوسرا رکن وہ ہے جو کعبہ کے جنوب مغرب میں ہے۔ ان دونوں کا استلام اس وجہ سے ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی رکھی ہوئی بنیادوں پر قائم ہیں۔ دونوں شامی رکنوں کی یہ حیثیت نہیں ہے۔

(۶۱۶) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حجر تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَبَلَ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ، اسود کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ مجھے اچھی طرح معلوم وَقَالَ: إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا ہے کہ تو پتھر ہے کسی قسم کے نفع و نقصان کا مالک تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ نہیں۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ . دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر اسود کو بوسہ اسے نفع و نقصان دینے والا سمجھ کر نہیں دیا جاتا۔ عمل تو صرف رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کی پیروی میں کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے مشرکین کے اس نظریہ کی تردید مقصود تھی جو پتھروں کو بذات خود نفع و نقصان کا مختار و مالک سمجھتے تھے۔

(۶۱۷) وَعَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ رَضِيَ حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا ہے اللہ ﷺ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، وَيَسْتَلِمُ آپؐ نوکیلے سرے والی چھڑی جو آپؐ کے پاس تھی، الرُّكْنَ بِمِخْجَنِ مَعَهُ، وَيُقَبِّلُ سے حجر اسود کو چھوتے اور اس چھڑی کو بوسہ دیتے الْمِخْجَنَ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ . تجھے۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿بِمِخْجَنٍ﴾ میم پر کسرہ۔ ٹیڑھے سرے والا ڈنڈا۔ خم دار چھڑی۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر اژدھام اور رش زیادہ ہو اور حجر اسود کو بوسہ دینا مشکل یا ناممکن نظر آئے تو چھڑی لگا کر اس چھڑی کو چوم لے۔ مسند احمد میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”تو طاقتور اور زور آور آدمی ہے۔ حجر اسود تک رسائی حاصل کرنا تیرے لئے کوئی دشوار کام نہیں ہے مگر دھکم پیل سے کمزوروں کو اذیت اور تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے اگر تمہیں فارغ وقت میسر آجائے تو ہاتھ سے مس کر لیا کرو بصورت دیگر حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہی کہہ لیا کرو۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ مناسک حج کے ادا کرتے ہوئے دوسروں کو تکلیف و اذیت دینا جائز نہیں اور اگر حجر اسود کا استلام صرف ہاتھ کے اشارہ سے ہو تو ہاتھ کو چومنا نہیں چاہئے کیونکہ ہاتھ اور چھڑی وغیرہ کو تہی بوسا دینا ہے جب وہ حجر اسود سے لگیں۔

راوی حدیث ﴿ابوالطفیل رضی اللہ عنہ﴾ عامر بن واثلہ لیثی کنانی رضی اللہ عنہ۔ حیات نبی ﷺ کے آٹھ سال پائے۔ ۱۰۰ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی اور ایک قول کے مطابق ۱۰۲ھ میں وفات پائی اور ایک قول ان کی وفات کے بارے میں ۱۰۳ھ کا بھی ہے۔ روئے زمین پر بننے والے صحابہ کرامؓ میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے یہ خوش قسمت صحابی ہیں۔

(۶۱۸) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: طَافَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُضْطَبِعاً بِبُرْدٍ أَخْضَرَ. رَوَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف کیا جس کو اللہ ﷻ مضطبعاً ببرد اخضر۔ رواہ آپؐ نے دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ (اسے نسائی کے سوا پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿مضطبعاً﴾ اضطباع سے ماخوذ ہے۔ اپنی چادر کے درمیانی حصہ کو اپنی دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔ اس طرح دایاں کندھا نگاو برہنہ رہتا ہے۔

حاصل کلام: اضطباع پہلے پہل عمرہ القضاء میں کیا گیا کیونکہ اس وقت مشرکین کو یہ بتانا مقصود تھا کہ مسلمان جسمانی و بدنی طور پر کمزور نہیں۔ اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق رمل اور اضطباع دونوں ہمیشہ کیلئے مسنون قرار پائے۔ اب اس طرح کے لباس کے علاوہ مردوں کیلئے دوسرے کسی بھی طرز و ڈھنگ کا لباس جائز نہیں۔ البتہ یہ اضطباع صرف پہلے سات چکروں کیلئے اور بعض نے کہا ہے کہ صرف رمل کی صورت میں اضطباع ہے بعد کے چار چکروں میں نہیں۔ (سبل)

راوی حدیث: ﴿یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ﴾ ان کی کنیت ابو صفوان تہمی ہے۔ مکہ کے رہنے والے تھے اور قریش کے حلیف تھے۔ مشہور و معروف صحابی رسول ہیں۔ حنین، طائف اور تبوک کے معرکوں میں حاضر ہو کر داد شجاعت دیتے رہے۔ حضرات ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے عامل مقرر کئے جاتے رہے۔ تقریباً پچاس برس کی عمر تک بعید حیات رہے۔

(۶۱۹) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ يَهْلُ مِنَّا الْمُهْلُ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ، وَيُكَبِّرُ مِنَّا الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ لا الہ الا اللہ کہتے تھے، اسے بھی برا نہیں سمجھا جاتا تھا اور بعض ہم میں سے تکبیریں کہتے تھے ان کو بھی برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: اس حدیث میں منی سے عرفات جانے کی کیفیت کا بیان ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس مقام پر تلبیہ کی جگہ تکبیر کہنا بھی صحیح اور درست ہے۔

(۶۲۰) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ ﷺ فِي الثَّقَلِ، أَوْ قَالَ: فِي الصَّعَقَةِ، مِنْ جَمْعٍ، بِلَيْلٍ مُتَّفَقٍ عَلَيْهِ. (منی کی جانب) بھیج دیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

نفعی تشریح: ﴿فی الشغل﴾ ٹا اور قاف دونوں پر فتح۔ سامان مسافر ﴿الضعفة﴾ ضاد، عین اور فاف پر فتح ضعیف کی جمع ہے۔ اس سے مراد خواتین، بچے، خادم وغیرہ ﴿من الجمع﴾ مزدلفہ سے منیٰ کی طرف لے جانے کیلئے مجھے بھیجا۔ ﴿بلیل﴾ رات کے وقت۔ طبی کی رائے یہ ہے کہ کمزور و ضعیف حضرات کو اڑدھام کی زحمت اور تکلیف سے بچنے کی غرض سے پہلے بھیج دینا مستحب ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کمزور حضرات کیلئے مزدلفہ میں پوری رات گزارے بغیر ہی منیٰ کی جانب روانگی کی رخصت ہے اور جو اس اڑدھام اور کثرت میں آئے اس کیلئے مزدلفہ سے نماز فجر سے پہلے واپس روانہ ہونا جائز نہیں۔

(۶۲۱) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ
تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: أَسْتَأْذِنُ سَوْدَةَ
رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةَ الْمُرْدَلِقَةِ أَنْ
تَدْفَعَ قَبْلَهُ، وَكَانَتْ ثُبُطَةً، يَغْنِي
نَفِيلَتَهُ، فَأَذِنَ لَهَا. مَعْنَى عَلَيْهِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت سودہ
رضی اللہ عنہا نے مزدلفہ کی رات آپؐ سے اجازت
طلب کی کہ وہ آپؐ سے پہلے واپس آجائے (یہ
اجازت انہوں نے اس لئے طلب کی) کہ بھاری جسم
والی تھیں۔ (اس وجہ سے آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر
کر چلتی تھیں) آپؐ نے ان کو اجازت دے دی۔
(بخاری و مسلم)

حاصل کلام: بیماری اور جسمانی کمزوری کے علاوہ بھاری بھر کم جسم بھی معذوری میں شامل ہے۔ ایسے حاجی کو بھی مزدلفہ میں پوری رات گزارے بغیر منی کی طرف جانے کی رخصت و اجازت ہے۔

راوی حدیث ﴿ حضرت سوده بنت زمعه بن عبد شمس قرشیہ عامریہ رضی اللہ عنہا ﴾

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ شَهِدَ صَلَاتَنَا نَماز میں شامل ہوا اور ہمارے ساتھ وقوف کیا یہاں ہذِهِ، يَغْنِي بِالْمُزْدَلِفَةِ، فَوَقَّفَ مَعَنَا تک کہ ہم نے کوچ کیا اور اس سے قبل عرفات میں حَتَّى نَذْفَعُ، وَقَدْ وَقَّفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ رات یا دن میں قیام کر چکا ہو تو اس کا حج مکمل ہو گیا ذَلِكَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا، فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ، اور اس نے اپنی میل کچیل اتار لی۔“ (اسے پانچوں نے وَقَضَى تَفْتَهُ، رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ روایت کیا ہے۔ ترمذی اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حُزَيْمَةَ۔ ہے)

لغوی تشریح: ﴿من شهد صلاتنا هذه﴾ جس نماز کیلئے اب ہم نکلے ہیں اس میں جو حاضر ہو گیا۔ ﴿لیلا و نھارا﴾ اس میں ایک فقہی مسئلہ بیان ہوا ہے کہ عرفہ کے روز زوال آفتاب کے بعد سے لے کر دسویں ذی الحجہ کی صبح تک جو عرفات میں قیام پذیر رہا اس نے حج پالیا جیسا کہ خطابی نے کہا ہے۔ ﴿فقد تم حجه﴾ اس نے حج کو پورا کر لیا سے مراد ہے حج کا بڑا حصہ مکمل کر لیا۔ اس سے عرفہ کا وقوف مراد ہے کیونکہ اسی کے فوت ہونے کا خوف اور اندیشہ ہوتا ہے ﴿وقضى نفسه﴾ اس نے اپنے مناسک حج ادا کر لئے۔ ”تفت“ دراصل سر کے بال منڈوانے یا ترشوانے کے بعد محرم حلال ہونے کے موقع پر جو کچھ کرتا ہے اس میں اونٹوں کی قربانی اور دیگر سارے مناسک حج ادا کرنے بھی شامل ہیں کیونکہ ”تفت“ تو اس کے بعد ہی پورا ہوتا ہے۔ اصل میں ”تفت“ میل کچیل کو کہتے ہیں۔ اس حدیث کے شروع کا حصہ یوں ہے کہ عروہ بن مضرس نے فرمایا کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس مزدلفہ میں اس وقت پہنچا جب آپ نماز کیلئے تشریف لے جا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا میں ”طے“ کے پہاڑوں سے آ رہا ہوں۔ میں نے اپنی سواری کو دوڑا دوڑا کر تھکا دیا ہے اور اپنے نفس کو مشقت میں مبتلا کیا ہے۔ خدا کی قسم میں ہر پہاڑ پر قیام کرتا رہا ہوں، کیا اب بھی مجھ پر حج کے کوئی ارکان باقی ہیں؟ پھر ساری حدیث ذکر کی۔

راوی حدیث ﴿عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ﴾ میم پر ضمہ، ضاد پر فتح اور راء مشدداً اس کے نیچے زیر، سلسلہ نسب یوں ہے۔ ابن اوس بن حارث بن لام الطائی۔ حمید الوداع میں شامل ہوئے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کر لی۔ ان سے دس احادیث مروی ہیں۔

(۶۲۵) وَعَنْ عَمْرِو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مشرکین طلوع آفتاب تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: إِنَّ الْمُشْرِكِينَ كَانُوا کے بعد واپس لوٹتے تھے اور کہتے تھے شیر تو (ایک لَا يُمَيِّضُونَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، پہاڑ کا نام) روشن ہو گیا اور نبی ﷺ نے ان کی وَيَقُولُونَ: أَشْرِقَ بُيُوتُ! وَإِنَّ النَّبِيَّ مخالفت کی اور طلوع آفتاب سے پہلے واپس تشریف ﷺ خَالَفَهُمْ، فَأَقَاصَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ لے آئے۔ (بخاری) الشَّمْسُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

لغوی تشریح: ﴿لا یفیضون﴾ واپس نہیں آتے تھے یعنی مزدلفہ سے منیٰ کی جانب۔ ﴿اشرق﴾ اشراق

سے امر کا صیغہ ہے۔ اشراق کہتے ہیں روشنی میں دخول کو۔ یعنی چاہیئے کہ تجھ پر سورج طلوع ہو۔ شیر کی ٹا پر فتح اور باء کے نیچے کسرہ۔ مبنی علم الضم ہے۔ نداء محذوف کا منادئی ہونے کی وجہ سے شیر ہے۔ منی کی طرف جانے والے کے ہائیں پہلو معروف پہاڑ کا نام ہے۔ مکہ کے بڑے عظیم پہاڑوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ قبیلہ ہذیل کے شیر نامی ایک شخص کے نام پر معروف ہوا۔ اسی پہاڑ پر وہ دفن ہوا۔ ایک روایت میں اتنا اضافہ بھی ہے ”کیما نغیر“ تاکہ ہم غارت گری کر سکیں۔ یا ہم چل سکیں۔ اس کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں تاکہ ہم چلیں اور ہمارے گھوڑے ہمیں لے کر سرپٹ دوڑیں۔ اس حدیث سے یہ دلیل ملتی ہے کہ مزدلفہ سے واپسی طلوع آفتاب سے پہلے روشنی میں ہونی چاہئے اور جو طلوع سورج تک وہاں وقوف نہ کر سکا اس کا وقوف فوت ہو گیا۔

(۶۲۶) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، دُونِ سَمِ مَرِي هِي كِي كَرَمِ مَرِي عَقِبِي قَالَا: لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ يُلَبِّي حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ﴾ جمرہ عقبہ کو کنکری مارنے کے عمل سے فارغ ہونے کے بعد تلبیہ اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ یہ امام احمد رحمہ اللہ کی رائے ہے اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جو نبی پہلی کنکری ماری جائے گی تلبیہ ختم ہو جائے گا۔

(۶۲۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ جَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ، وَمِنَى عَنْ يَمِينِهِ، وَرَمَى الْجَمْرَةَ بِسَبْعِ حَصِيَّاتٍ، مَرَّةً وَارْفَمَا كِي يِي ان كے كُھڑے ہونے کی جگہ وَقَالَ: هَذَا مَقَامُ الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ هِي كِي سُرَّةُ الْبَقَرَةِ. مَثَّقٌ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: ﴿رَمَى الْجَمْرَةَ﴾ اس جمرہ سے جمرہ عقبہ مراد ہے۔ ﴿اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُرَّةُ الْبَقَرَةِ﴾ سورہ کا بالخصوص ذکر اس لئے کیا کہ حج کے اکثر احکام اس میں بیان ہوئے ہیں۔ گویا اس سے اس پر متنبہ اور خبردار کرنا مقصود ہے کہ حج کے اعمال توقیفی ہیں۔ ان میں رد و بدل اور ترمیم و تنسیخ کا کوئی مجاز نہیں۔

راوی حدیث ﴿اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ﴾ ان کی کنیت ابو محمد یا ابو زید تھی۔ اسامہ کے حمزہ پر ضمہ ہے۔ نسب نامہ اس طرح ہے۔ اسامہ بن زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی۔ رسول اللہ ﷺ کے پیارے اور محبوب آزاد کردہ غلام کا بیٹا۔ ان کی والدہ محترمہ ام ایمن رسول اللہ ﷺ کی رضاعی والدہ۔ اپنی وفات سے

میدان کی طرف آنے کے ہیں۔ زمین کا نشیبی حصہ۔ ﴿برمی الوسطی﴾ وسطیٰ سے مراد جمرہ ثانیہ (دوسرا جمرہ) جو دونوں جمروں کے درمیان ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جمرہ کو سنگریزے مار کر وہیں کھڑے نہ رہتے بلکہ وہاں سے چل کر میدان میں آکھڑے ہوتے اور پورے اطمینان کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر طویل دعا فرماتے۔ لہذا کنکریوں کے مارے جانے کے بعد وہیں کھڑے نہیں رہنا چاہئے بلکہ میدان میں کھلی جگہ آکر طویل دعا ہاتھ اوپر اٹھا کر کرنی چاہئے۔ اس طرح اژدھام کی زد سے بھی محفوظ رہے گا۔

(۶۳۰) وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «اللَّهُمَّ اَرْحَمْ الْمُحَلِّقِينَ»، قَالُوا: وَالْمَقْصُرِينَ، يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: «وَالْمَقْصُرِينَ». مَنَّكَ عَلَيْهِ. حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی یہ حدیث بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الٰہی سرمنڈوانے والے حاجیوں پر رحم فرما۔“ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! بال ترشوانے والے پر بھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا ”بال ترشوانے والوں پر بھی۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿المحلقین﴾ تحلیق سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حج اور عمرہ سے حلال ہونے کے موقع پر اپنے سر منڈواتے ہیں۔ حلق دراصل بالوں کو جڑوں تک صاف کر دینا۔ ﴿والمقصرین﴾ یہ عطف تلقین ہے یعنی آپ یہ کہیں قل والمقصرین اور تقصیر بال ترشوانے کو کہتے ہیں جن میں بال جڑ سے صاف نہیں کئے جاتے۔

(۶۳۱) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَّاعِ، فَجَعَلُوا يَسْأَلُونَهُ، فَقَالَ رَجُلٌ: لَمْ أَشْغُرْ، فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ، قَالَ: «أَذْبَحْ وَلَا حَرَجَ»، وَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ: لَمْ أَشْغُرْ، فَتَحَرَّثُ قَبْلَ أَنْ أَزِمِّي، قَالَ: «أَزِمِ وَلَا حَرَجَ»، فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ: «افْعَلْ وَلَا حَرَجَ». مَنَّكَ عَلَيْهِ. حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع میں ایک مقام پر کھڑے ہو گئے۔ صحابہؓ نے آپؐ سے سوالات کرنے شروع کئے۔ کسی نے کہا مجھے علم نہیں تھا میں نے قربانی سے پہلے حجامت بنوائی۔ آپؐ نے اسے فرمایا قربانی کرو کوئی حرج نہیں اور ایک آدمی نے عرض کیا مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر لی۔ آپؐ نے اسے فرمایا ”اب کنکریاں مار لے کوئی حرج نہیں۔“ اس روز آپؐ سے کسی عمل کے مقدم و مؤخر کرنے کے متعلق استفسار پر آپؐ نے فرمایا ”جاؤ اب کر لو، کوئی حرج نہیں۔“

(بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ﴿وَقَفَ فِي حِجَّةِ الْوُدَاعِ﴾ دسویں ذی الحجہ کے روز زوال آفتاب کے بعد جب آپؐ اپنی سواری پر سوار رہتے ہوئے جمرہ کے پاس خطاب فرمانے کھڑے ہوتے۔ ﴿لَمْ اشْعُرْ﴾ اشعر میں عین پر ضمہ، معنی ہے مجھے اس کا علم نہیں ہوا۔ میں سمجھ نہ سکا۔ ﴿قَدَمٌ وَلَا أُخْرَ﴾ قدم، اخیر دونوں باب تفعیل سے ماخوذ ہیں صیغہ مجہول ہیں۔ یاد رہے کہ قربانی کے روز حجاج کرام کے ذمہ چار کام بالترتیب انجام دینا ہوتے ہیں۔ پہلا جمرہ عقبہ کو سنگریزے مارنا۔ دوسرا قربانی کرنا۔ تیسرا سر منڈانا یا بال ترشوانا۔ چوتھا طواف افاضہ۔ علماء کا اس پر توافق و اجماع ہے کہ یہ ترتیب شرعی طور پر مطلوب و مقصود ہے لیکن ان کے درمیان بعض معمولات کے آگے پیچھے ہونے کے جواز میں اختلاف ہے۔ اسی طرح یہ ترتیب آگے پیچھے ہونے پر وجوب دم میں بھی اختلاف ہے اور اس حدیث سے ان حضرات کی تائید ہوتی ہے جو تقدیم و تاخیر کے جواز کے قائل ہیں اور دم کے بھی قائل نہیں ہیں۔

(۶۳۲) وَعَنْ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ حَضْرَتِ مَسُورِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَزَحَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ، وَأَمَرَ بِأَمْرٍ پهلے کی اور اپنے صحابہؓ کو بھی اس کا حکم دیا۔ (بخاری) أَصْحَابَهُ بِذَلِكَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

راوی حدیث: ﴿مَسُورِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا﴾ مسور کے میم کے نیچے کسرہ ہے۔ سین ساکن اور ”واو“ پر فتح، بن مخرمہ۔ مخرمہ میں میم پر فتح اور ”خاء“ ساکن اور ”راء“ پر فتح۔ زہری قرشی ہیں۔ صاحب فضل لوگوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مکہ منتقل ہو گئے۔ یزید بن معاویہ نے جب ۶۳ھ کے آغاز میں مکہ کا محاصرہ کیا تو اس وقت نماز پڑھتے ہوئے ان کو منجنیق کا گولہ آکر لگا اور وہ وفات پا گئے۔

(۶۳۳) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حَضْرَتِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا رَمَيْتُمْ وَحَلَقْتُمْ، فَقَدْ حَلَّ لَكُمْ الطَّيْبُ، وَكُلُّ شَيْءٍ، إِلَّا هَرَجِزَ حُلَالٍ هُوَ كُفَى.» (اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا النَّسَاءُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَفِي إِسْنَادِهِ اور اس کی سند میں ضعف ہے۔) صَغُفَ.

لغوی تشریح: ﴿الْأَنْسَاءُ﴾ یعنی بیویوں سے مجامعت جائز نہیں کیونکہ بیویوں سے مباشرت و ہم بستری طواف افاضہ کے بعد جائز ہوتی ہے ﴿وَفِي سَنَدِهِ ضَعْفٌ﴾ اس لئے کہ اس کی سند میں حجاج بن ارطاة ایسا راوی ہے جس کے متعلق کلام ہے۔

(۶۳۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ حَضْرَتِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم

اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نے فرمایا کہ ”عورتوں کیلئے سر منڈوانا نہیں قَالَ: «لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ حَلْقٌ، بَلْ كُنَّ كَمَا كُنَّ» (اسے ابو داؤد وَانَّمَا عَلَى النِّسَاءِ التَّقْصِيرُ)۔ رَوَاهُ أَبُو نے حسن سند سے روایت کیا ہے) دَاؤد بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواتین کو سر کے بال منڈوانا نہیں بلکہ انہیں صرف بال کترانا چاہئے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کیلئے بال کترانا ہی مشروع ہے۔

(۶۳۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اسْتَأْذَنَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَبِيتَ بِمَكَّةَ لَيْلًا مَنَى، مِنْ أَجْلِ وَهَبَ زَمْرًا يَلْبَسُهَا تَوَاقُّفًا لِيَسْتَقْبِلَهُ، فَأَذِنَ لَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ (بخاری و مسلم) دی۔

لغوی تشریح: ﴿لِیَسَالِی مَنَی﴾ منیٰ کی راتوں سے مراد ۱۱ ویں، ۱۲ ویں اور ۱۳ ویں کی راتیں ہیں۔ یہ اجازت انہوں نے اس مقصد اور غرض کیلئے طلب کی کہ وہ اور اس کے ساتھی رات کو آب زمزم کھینچ کر حوض بھر لیتے تھے اور فی سبیل اللہ اس کو تقسیم کرتے تھے۔ ”فاذن له“ یہ اجازت اس بات کی دلیل ہے کہ جو لوگ معذور نہ ہوں ان کو منیٰ ہی میں یہ راتیں گزارنی واجب ہیں اور جس کو کوئی عذر پیش آجائے مثلاً منیٰ میں نیچے میں آگ بھڑک اٹھے اور طویل رات گزارنا ناممکن و مشکل نظر آئے تو وہاں رات گزارنا ضروری نہیں اور تیسری رات بھی وہاں گزارنا واجب نہیں کیونکہ جو شخص جلدی کر کے دو دن ہی منیٰ میں رہ کر چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا ہے۔

(۶۳۶) وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرْخَصَ لِرِعَاةِ الْإِبِلِ فِي الْبَيْتُوتَةِ عَنْ مَنَى، يَزْمُونَ يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ يَزْمُونَ الْعَدَّ وَمِنْ بَعْدِ الْعَدِّ لَيَوْمَيْنِ، ثُمَّ يَزْمُونَ يَوْمَ النَّفَرِ. رَوَاهُ الْحَسَنُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ جِبَانَ۔ (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے، ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے) اے صحیح قرار دیا ہے) اے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿ارْخَص﴾ اور ایک نسخہ میں رخص ہے۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے یعنی رخصت و اجازت دے دی۔ ﴿رَعَا﴾ ”را“ پر ضمہ راع کی جمع ہے۔ ﴿فِي الْبَيْتُوتَةِ﴾ بات کا مصدر ہے۔ رات

گزارنا کے معنی ہیں اور رات گزارنے سے مراد منیٰ میں مذکورہ راتوں میں سے رات کا بسر کرنا۔ عن منیٰ عن یہاں بعد اور دوری کیلئے ہے۔ یعنی منیٰ سے باہر اس سے دور رہتے ہوئے یعنی نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنے اونٹوں کی دیکھ بھال اور منیٰ سے دوران کی حفاظت و حراست کیلئے منیٰ میں رات نہ گزارنے کی اجازت دے دی۔ ﴿ثم یرمون الغد ومن بعد الغد لیومین﴾ یعنی وہ گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کو کنکریاں مارتے تھے۔ مراد ہے کہ وہ دو دن کی رمی کو جمع کرتے تھے۔ ﴿ثم یرمون یوم النفر﴾ منیٰ سے واپسی کا دن اور اس سے مراد ہے تیرہویں تاریخ۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ عام حاجیوں کیلئے منیٰ میں شب باقی واجب ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ رخصت و اجازت واجب ہی کی صورت میں ہوتی ہے ورنہ اجازت کی ضرورت ہی نہیں۔

راوی حدیث: ﴿عاصم بن عدیؓ﴾ ان کی کنیت ابو عبید اللہ یا ابو عمرو ہے۔ بنو عبید بن زید کے حلیف تھے۔ بنو عبید کا تعلق بنو عمرو بن عوف جو انصار سے تھے، کے ساتھ تھا۔ غزوہ بدر اور بعد کے غزوات میں حاضر رہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بدر کے روزیہ قبائل عالیہ پر امیر تھے۔ نبی ﷺ نے ان کیلئے حصہ مقرر فرمایا۔ ۴۵ھ میں فوت ہوئے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ جنگ یمامہ کے روز شہید ہوئے اس وقت ان کی عمر ۱۲۰ برس تھی۔

(۶۳۷) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ، الْحَدِيثُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (بخاری و مسلم)

حاصل کلام: حج کے دورانیہ میں نبی کریم ﷺ سے کئی خطبے ثابت ہیں۔ مالکیہ اور احناف کے نزدیک ایک خطاب ساتویں ذی الحجہ کو اور دوسرا عرفہ میں اور تیسرا گیارہویں ذی الحجہ کو۔ دسویں ذی الحجہ یعنی قربانی کے دن کے خطاب کو مالکیہ اور حنفیہ خطبہ نہیں صرف چند صحیحین کہتے ہیں۔ یہ عید کا خطبہ نہیں کیونکہ آنحضور ﷺ نے نماز عید تو ادا فرمائی نہیں تھی۔ بعض اسے بھی خطبہ ہی کہتے ہیں اس طرح چار خطبے مسنون ہو جاتے ہیں۔

(۶۳۸) وَعَنْ سَرَاءَ بِنْتِ نَبْهَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الرُّءُوسِ فَقَالَ: «أَلَيْسَ هَذَا أَوْسَطَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ؟» - (اسے ابو داؤد الحَدِيثُ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ۔ حضرت سراء بنت نبھان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سروں والے دن خطاب فرمایا اور فرمایا ”کیا یہ دن ایام تشریق کا درمیانہ دن نہیں ہے؟“ اور ساری حدیث ذکر کی۔)

نغوی تشریح: ﴿یوم الرووس﴾ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ یوم الرووس سے ذوالحجہ کی ۱۳ویں تاریخ مراد ہے۔ اس کا نام یوم الرووس اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس روز کثرت سے قربانی کے جانوروں کے

سروں کو پکایا اور کھایا جاتا ہے۔ ﴿اوسط ایام التشریق﴾ سبل السلام میں ہے کہ اس سے اس دن کے افضل ہونے کا بھی احتمال ہے اور اوسط سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ دونوں کے درمیان میں واقع ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یوم النحر بھی ایام تشریق میں شامل ہے مگر بہت سے علماء کی رائے یہ ہے کہ ایام تشریق سے مراد قربانی کے دن کو چھوڑ کر باقی تین دن ہیں کیونکہ وہاں کے لوگ ان تین ایام میں قربانی کے گوشت کو خشک کرنے کیلئے دھوپ میں رکھتے تھے۔ اس لئے ان ایام کا نام ایام تشریق ہے۔

راوی حدیث: ﴿سراء بنت نبهان رضی اللہ عنہا﴾ سراء کے راپر فتح اور تشدید اور نبھان کے نون پر فتح اور باساکن ہے۔ قبیلہ غنو سے تھیں۔ ربیعہ بن عبد الرحمن نے اس سے روایت بیان کی ہے۔

(۶۳۹) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: "تیرا بیت اللہ کا طواف کر لینا «طَوَّافُكِ بِالْبَيْتِ، وَسَعْيُكَ بَيْنَ صفا اور مروہ کے مابین سعی کر لینا حج اور عمرے کیلئے الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، يَكْفِيكَ لِحَجِّكَ كَافِي»۔" (مسلم) وَعُمْرَتِكَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

لغوی تشریح: معلوم رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تبلیہ عمرہ کا کہا تھا۔ مگر وہ ایام ماہواری میں مبتلا ہو گئیں تو ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا "عمرے کو چھوڑ دو اور ان سے فرمایا کہ حج کا احرام باندھ لو۔" ﴿رفضها﴾ کے معنی ہیں اسے ترک کر دے اور عمرے کے اعمال و افعال کو نظر انداز کر دے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عمرے سے نکل جا اور اسے باطل کر دے۔ یہ ابطال کا فعل حج اور عمرہ میں صحیح نہیں۔ بجز اس صورت کے کہ احکام سے فراغت کے بعد حلال ہو جائے۔ جب انہوں نے حج کا احرام باندھ لیا تو اب وہ قارن بن گئیں۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ قارن کیلئے حج اور عمرہ دونوں کیلئے ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کافی ہے۔

(۶۴۰) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ لَمْ يَزُمْلُ فِي السَّبْعِ الَّذِي أَفَاضَ فِيهِ. (پھیروں) میں کسی چکر میں بھی رمل نہیں فرمایا۔ "رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ. (اسے ترمذی کے علاوہ پانچوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تشریح: ﴿فِي السَّبْعِ الَّذِي أَفَاضَ فِيهِ﴾ طواف افاضہ کے طواف کے ساتھ پھیرے۔ حاصل کلام: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف افاضہ میں رمل نہیں اور نہ ہی طواف وداع میں۔ رمل صرف طواف قدوم میں ہے۔ طواف قدوم اس طواف کو کہتے ہیں جو مکہ میں پہلے داخلہ کے وقت کیا جاتا ہے۔ نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ رمل صرف مردوں کیلئے ہے۔ خواتین کیلئے نہیں ہے ہاں اگر

کسی وجہ سے کسی حاجی کا طواف قدوم میں رمل چھوٹ گیا ہو تو اس کی تلافی کیلئے طواف افاضہ میں رمل کر لے۔

(۶۴۱) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ صَلَّيْ فِي بَيْتِ اللَّهِ حَضْرَتِ النَّبِيِّ ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّيْ فِي بَيْتِ اللَّهِ حَضْرَتِ النَّبِيِّ ﷺ نے (بالترتیب اپنے اپنے وقت میں) ظہر اور عصر، الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں اور پھر مقام ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَةً بِالْمَحْصَبِ، ثُمَّ رَكِبَ محصب پر تھوڑا سو گئے پھر سوار ہو کر بیت اللہ کی إِلَى الْبَيْتِ، فَطَافَ بِهِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. جانب تشریف لے گئے اور طواف کیا۔ (بخاری)

لغوی تشریح: ﴿رَقَدَ رَقْدَةً﴾ یعنی تھوڑا سا سو گئے۔ ﴿بِالْمَحْصَبِ﴾ محصب اس جگہ کا نام ہے جہاں آپؐ نے نمازیں ادا فرمائیں اور استراحت بھی فرمائی اور یہ کوچ کا آخری دن تھا۔ یعنی ایام تشریق کا تیسرا دن۔ محصب بروزن محمد۔ جگہ کا نام ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان پھیلی ہوئی ہے۔ وہ یہ نسبت مکہ سے منی کے زیادہ قریب ہے اسے ابطح اور خیمت بنی کنانہ بھی کہتے ہیں۔ فطاف بہ۔ اس سے طواف وداع مراد ہے اور یہ حج کا سب سے آخری طواف ہوتا ہے۔

(۶۴۲) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنْ النَّبِيِّ ﷺ صَلَّيْ فِي بَيْتِ اللَّهِ حَضْرَتِ النَّبِيِّ ﷺ سے مروی ہے کہ وہ ابطح (محصب) تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّهَا لَمْ تَكُنْ تَفْعَلْ میں فروکش ہونے کا عمل نہیں کرتی تھیں اور فرماتی ذَلِكْ - أَيْ النَّزُولَ بِالْأَبْطَحِ - تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر اس لئے وَقَعُوا: إِنَّمَا نَزَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قیام فرمایا تھا کہ یہاں سے واپسی میں آسانی و سہولت لِأَنَّهُ كَانَ مَنْزِلًا أَسْمَحَ لِمَخْرُوجِهِ. رَوَاهُ يَافِعُ. زیادہ تھی۔ (مسلم)

لغوی تشریح: ﴿بِالْأَبْطَحِ﴾ ابطح سے محصب مراد ہے۔ ﴿أَسْمَحَ﴾ زیادہ سل و آسان ﴿لِمَخْرُوجِهِ﴾ مکہ سے مدینہ کو جانے کیلئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محصب میں قیام کرنا ان مناسک حج میں سے نہیں ہے جو مستحب ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ آپؐ اس مقام پر اس لئے اترے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں قریش نے بنو ہاشم سے نبوت کے ساتویں سال میں قطع تعلق کا عہد و پیمان کیا اور وہاں بیٹھ کر اس بائیکاٹ کا معاہدہ لکھا اور نبی ﷺ یہاں اللہ کا شکر ادا کرنے کیلئے اترے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور اپنے رسول کو غلبہ عطا فرمایا۔ اس لئے ان کا قول ہے کہ حاجیوں کو یہاں فروکش ہونا چاہئے۔ مگر میرے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہی درست ہے۔ واللہ اعلم۔

(۶۴۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَمَرَ النَّاسُ اللّٰهُ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ سب سے آخر میں أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ، إِلَّا تَهَارًا عَمَلَ بَيْتَ اللَّهِ كَاطُوفٍ هُوَ مَكْرِيَامٌ مَاهَوَارِي وَالِي

أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . عورتوں کیلئے تخفیف کر دی گئی ہے۔ (بخاری و مسلم)
حاصل کلام: یہ طواف واداع ہے جو سب مناسک حج کے اتمام و اختتام پر کیا جاتا ہے۔ یہ طواف امام مالک رحمہ اللہ کے سوا سب کے نزدیک واجب ہے۔ اگر کسی وجہ سے رہ جائے تو دم دینا پڑتا ہے مگر ان عورتوں کیلئے معاف ہے جو ایام ماہواری میں ہوں۔

(۶۴۴) وَعَنْ ابْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا، أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيَمَا سِوَاهُ، مُقَابِلَهُ فِي هَذَا مَسْجِدٍ فِي مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةٍ فِي مَسْجِدِي هَذَا بِمِائَةِ صَلَاةٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ جِبَانَ.
 حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”میری اس مسجد میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب دوسری مساجد میں نماز ادا کرنے کے مقابلہ میں ہزار گنا زیادہ ہے۔ بجز مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں ایک نماز کی ادائیگی میری اس مسجد میں سو نماز پڑھنے سے افضل ہے۔“ (اسے احمد نے روایت فی مسجدی هذا بمائة صلاة) کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔

حاصل کلام: اس حدیث میں مسجد نبویؐ اور بیت اللہ میں نماز پڑھنے کا ثواب مذکور ہے۔ آپؐ نے اپنی مسجد کی طرف لفظ هذا سے جو اشارہ فرمایا ہے اس سے یہ مطلب مفہوم ہوتا ہے کہ جتنی مسجد نبویؐ عہد نبویؐ میں تھی اس میں ایک نماز کا ثواب دوسری مساجد میں ایک ہزار نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ بعد کے ادوار میں جو اضافے اور وسعت ہوئی ہے وہ گویا اس میں شامل نہیں مگر اضافہ شدہ حصہ بھی چونکہ اصل مسجد نبویؐ کے ساتھ ملحق ہے اس لئے وہ بھی مسجد نبویؐ کے حکم میں ہے اور اس میں بھی ثواب اسی قدر ملے گا جو حدیث میں بیان ہوا ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ مسجد اقصیٰ میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب پانچ صد نمازوں کے ثواب کے برابر ملتا ہے اور مسجد نبویؐ میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر اور مسجد حرام میں ایک نماز کی ادائیگی کا دوسری مساجد میں ایک لاکھ پڑھی جانے والی نمازوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔

راوی حدیث: (ابن الزبیر رضی اللہ عنہ) ان کی کنیت ابوبکر ہے۔ نام ان کا عبد اللہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہے۔ قریش کے قبیلہ اسد سے ہیں۔ اس لئے قرشی اسدی کہلائے۔ ان کی والدہ محترمہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا ہجرت مدینہ کے وقت حمل سے تھیں۔ جن ہی یہ بقاء پہنچیں ابن زبیر کی ولادت ہو گئی۔ ہجرت کے بعد پیدا ہونے والا یہ پہلا نومولود تھا۔ بکثرت روزے رکھتے۔ بہت نمازیں پڑھتے۔ بڑے جسیم اور مضبوط گرفت کے مالک تھے۔ فصیح اللسان تھے۔ حق و صداقت کو قبول کرنے والے اور رشتہ داروں کے دکھ تکلیف کو پہنچنے والے تھے۔ ۶۳ھ میں یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد ان کی بیعت کی گئی۔ حجاز، عراق، یمن، مصر اور اکثر علاقہ شام پر یہ غالب آئے۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے مکہ میں ان کا محاصرہ کر لیا اور ان

کو ۷۳ھ میں پھانسی پر لٹکا کر شہید کر دیا گیا۔

۶ - باب الفوات والإحصار حج سے رہ جانے اور روکے جانے کا

بیان

(۶۴۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَدْ أُحْصِرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَحَلَقَ رَأْسَهُ، وَجَامَعَ نِسَاءَهُ، وَنَحَرَ هَدْيَهُ، حَتَّى اغْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا گیا تو آپؐ نے اپنا سر منڈوایا اور قربانی کی اور اپنی ازدواج و جماعِ نساءؑ، و نحَرَ ہدیہ، حتیٰ اغتمَرَ عامًا قابلاً۔ رواہ البخاری۔

لغوی تشریح: ﴿باب الفوات والاحصار﴾ فوات کے فاء پر فتح۔ یعنی اس کا کیا حکم ہے۔ جس نے حج کا احرام باندھا ہو مگر وہ حج نہ کر سکے۔ جیسے وہ شخص جو عرفہ میں اس وقت پر نہ پہنچ سکا جس میں وقوف عرفہ ضروری اور فرض ہے اور احصار کے معنی رکنا ہے۔ جیسے کوئی بیمار ہو جائے یا پہنچنے سے عاجز ہو جائے یا اس کے اور بیت اللہ کے درمیان دشمن حائل ہو جائے جو اسے بیت اللہ پہنچنے میں رکاوٹ ہو۔ جب دشمن کی وجہ سے پہنچنا ناممکن ہو تو دشمن کی اس رکاوٹ و ممانعت کو حصر کہتے ہیں۔ ﴿احصر﴾ صیغہ مجہول یعنی عمرہ سے روک دیا گیا۔ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ۶ھ میں پیش آیا تھا۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ محصر کو جہاں روک دیا گیا ہو وہیں احرام کھول کر حلال ہو جائے اور وہیں اپنی قربانی کر دے۔ ﴿حتى اعتمر عاما قابلا﴾ حتیٰ کہ آئندہ سال عمرہ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عمرہ کی قضاء واجب ہے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ یہی خبر ہے کہ آپؐ نے کیا اور یہ وجوب کو مقتضی نہیں ہے بلکہ اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ یہ عمرہ آپؐ کا پہلے عمرہ کی قضا تھی۔ بلکہ یہ تو مستقل طور پر دوسرا عمرہ تھا اور اس کا نام عمرۃ القضاء تو صرف اس لئے رکھا گیا کہ حدیبیہ کے موقع پر اس مسئلہ کا فیصلہ دونوں فریق کیلئے تھا۔

حاصل کلام: اس حدیث میں صلح حدیبیہ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ احرام بند ہو کر اپنے اصحاب کے ہمراہ مکہ کی طرف آئے۔ مشرکین نے حدیبیہ کے مقام پر آگے بڑھنے سے روک دیا۔ آپؐ نے وہیں احرام کھول دیا، قربانی کی اور سر کے بال منڈائے۔ صحابہ نے بھی تھوڑے سے تامل کے بعد احرام کھول دیئے اور جن کے پاس قربانی کے جانور تھے وہیں خرو و ذبح کر دیئے۔

احصار میں کون سی چیزیں شمار ہوتی ہیں۔ جمہور کہتے ہیں کہ حج و عمرہ کے بجالانے میں جو چیز بھی مانع ہو اور رکاوٹ بنے اسی سے احصار پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ احصار صرف دشمن کے مانع آنے کی صورت ہی میں ہوتا ہے۔ محصر کی قربانی کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا مذہب ہے

کہ جس جگہ احرام کھولا جائے اسی جگہ قربانی کر دی جائے گی خواہ وہ جگہ حل ہو یا حرم اور یہی قول رائج ہے۔ مگر احناف کے نزدیک قربانی ہر صورت میں حرم میں ذبح و نحر ہونی چاہئے اور اسے کسی کے ذریعہ سے حرم میں بھیج دیا جائے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ اگر قربانی کا جانور حرم میں پہنچانا ناممکن ہو تو جہاں ہو وہیں ذبح کر دے۔ رہا یہ مسئلہ کہ محصر پر قربانی واجب ہے یا نہیں اکثر علماء تو اسے واجب کہتے ہیں مگر امام مالک رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ واجب نہیں کیونکہ حضور ﷺ کے تمام اصحاب کے پاس حدی تو نہیں تھی اگر واجب ہوتی تو پھر سب کیلئے اس کا وجوب ہوتا۔ حالانکہ ایسا ثابت نہیں اور یہی بات رائج معلوم ہوتی ہے۔

(۶۴۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا بِنْتِ زَيْبِرِ بْنِ عَبْدِ الْمَطْلَبِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّهَا قَالَتْ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى ضَبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، (ﷺ) میں حج کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں مگر میں بیمار فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ، وَأَنَا شَاكِيَةٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «حُجِّي وَاشْتَرِطِي أَنْ مَحَلِّي جَمَالَ أَعْلَى اللَّهِ! تَوْنِي جُحَّى رَوَا: (بخاری و مسلم)

لعوی تشریح: ﴿شاکہ﴾ بیمار۔ ﴿محلی﴾ میم پر فتح اور ”حا“ کے نیچے کسرہ یعنی حج سے خروج کا وقت اور احرام کھول کر میرے حلال ہو جانے کی جگہ۔ یعنی وقت اور مقام دونوں کا بیان مقصود ہے۔ ﴿حبستنی﴾ صغہ مخاطب یعنی اے اللہ! جہاں تو مجھے روک لے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام میں شرط لگانا صحیح ہے۔ شرط لگانے والے کو جب کوئی مانع پیش ہو جائے تو محصر کی طرح اس پر قربانی وغیرہ کرنا لازم نہیں۔

(۶۴۷) وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ حُجَّاجِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَ، وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ»، قَالَ عِكْرِمَةُ: فَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَا: صَدَقَ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَحَسَنَةُ التِّرْمِذِيُّ. حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے حجاج بن عمرو انصاری رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس کا پاؤں توڑا جائے یا لنگڑا ہو جائے وہ احرام سے باہر آگیا اب اس پر آئندہ سال حج کرنا لازمی و ضروری ہے۔“ عکرمہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق دریافت کیا تو ان دونوں نے جواب دیا کہ حجاج بن عمرو نے ٹھیک اور سچ کہا ہے۔ (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔)

قَالَ مُصَنَّفُهُ - حَافِظُ الْعَصْرِ، بلوغ المرام کے مصنف حافظ العصر، قاضی القضا
قَاضِي الْقَضَاءِ أَبُو الْفَضْلِ أَحْمَدُ بْنُ قَاضِي الْقَضَاءِ أَحْمَدُ بْنُ
عَلِيٍّ بْنِ حَجَرِ الْكِنَانِيِّ الْعَسْقَلَانِيِّ الْعَسْقَلَانِيِّ الْعَسْقَلَانِيِّ
الْمِصْرِيِّ، أَبَقَاهُ اللَّهُ فِي خَيْرٍ -: زندہ رکھے نے کہا ہے کہ اتنا حصہ جزء اول کا
آخِرُ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ، وَهُوَ النِّصْفُ مِنْ آخری حصہ ہے اور وہ اس کتاب کا نصف ہے۔
هَذَا الْكِتَابِ الْمُبَارَكِ، قَالَ: وَكَانَ انہوں نے بتایا کہ میں ۸۲۷ھ ماہ ربیع الاول کی ۱۲/
الْفَرَاعُ مِنْهُ فِي ثَانِي عَشَرَ شَهْرٍ رَبِيعِ تاریخ کو اس سے فارغ ہوا اور یہ عبادات کے
الْأَوَّلِ سَنَةً سَبْعَ وَعِشْرِينَ چوتھائی کا آخری حصہ ہے۔ اب اس کے ساتھ دوسرا
وَتَمَانِمَائَةٍ، وَهُوَ آخِرُ رُبْعِ نصف کتاب الیہود کا آغاز ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے
الْعِبَادَاتِ، يَتْلُوهُ فِي الْجُزْءِ الثَّانِي. کتب اور اس کے والدین اور جمیع مسلمین کو اپنے
كِتَابُ الْيُيُوعِ. وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى دامن مغفرت میں ڈھانپ لے اور اللہ ہمارے لئے
سَيِّدَنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّم کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔
تَسْلِيمًا كَثِيرًا دَائِمًا أَبَدًا. غَفَرَ اللَّهُ
لِكِتَابِيهِ وَلِوَالِدَيْهِ وَلِكُلِّ الْمُسْلِمِينَ،
وَحَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

لعنوی تشریح: ﴿کسر﴾ صیغہ مجہول۔ ﴿اوعرج﴾ عین اور را دونوں پر فتح۔ پاؤں میں ایسی چوٹ آنا جو
پیدائشی نہ ہو اور جب پیدائشی ہو تو اس صورت میں عرج را کو کسر سے پڑھا جائے گا۔ ﴿فقد حل﴾ یعنی
اس کیلئے احرام ترک کر دینا جائز ہے اس کے بعد وہ اپنے وطن اور گھر کی طرف لوٹ سکتا ہے۔ ﴿وعليه
الحج من قابل﴾ آئندہ سال حج کی قضائی دے گا جبکہ یہ فرض حج ہو لیکن اگر حج نفلی ہو تو پھر کچھ بھی
نہیں۔ اس سلسلے میں علامہ الیمانی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا تینوں احادیث سے یہ معلوم ہوا
کہ حرم احرام سے تین امور کی وجہ سے نکل سکتا ہے۔ (۱) احصار کی وجہ سے۔ یہ احصار خواہ کسی مانع کی
وجہ سے پیدا ہوا ہو۔ (۲) اس نے شرط کر لی ہو۔ (۳) کسی حادثہ کی وجہ سے پاؤں وغیرہ میں چوٹ آگئی ہو یا
وہ لنگڑا ہو گیا ہو۔ جس شخص کا حج احصار کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے فوت ہوا ہو اس کے بارے میں
ایک قول یہ ہے کہ حج اور عمرہ کیلئے جو احرام باندھا تھا اس سے حلال ہو جائے۔ حضرت عمرؓ اور زید
بن ثابتؓ سے اسی طرح مروی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عمرہ کے لئے تلبیہ کہے گا اور از سر نو
دوبارہ احرام باندھے گا پھر جس کا حج فوت ہو جائے اس کیلئے دم دینے میں اختلاف ہے۔ ظاہر بات یہی ہے
کہ دم دینا واجب نہیں ہے۔ (دم دینا۔۔۔ یعنی قربانی کرنا)

حدیث کے بعد والی عبارت ۱۲۹۹ھ کے مطبوعہ نسخہ مطبع صدیقیہ جو بھوپال کا ایک سرکاری مطبع ہے میں موجود ہے۔ یہ نواب صدیق حسن خاں کے زمانہ کا مطبع ہے۔ اس طباعت کی چند خصوصیات و امتیازات ہیں۔ یہ مطبوعہ نسخہ شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاری کے تحریر کردہ مخطوطہ نسخہ سے لیا گیا ہے جو مؤلف کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں۔ انہوں نے اس نسخہ کو اول تا آخر پوری احتیاط اور تحقیق سے ان کے روبرو پڑھا۔ اس مخطوطہ نسخہ میں ان کے بڑے بڑے شاگردوں کے نام بھی ہیں جنہوں نے شیخ الاسلام زکریا کے سامنے اس نسخہ کو پڑھا تھا۔ انہوں نے اس میں اپنے اپنے دستخطوں اور مہروں کے ساتھ اپنی شنید اور سنی ہوئی باتیں اور پیغامات اور اجازات کو ثبت کر دیا۔ مثلاً امام یوسف جو مصنف کی اولاد ہیں۔ شیخ عبدالباسط بن احمد میثمی، ازہری، شیخ محمد بن عبداللطیف ملمعی اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مشائخ کا ذکر ہے۔ اس نسخہ کی طباعت نواب صدیق حسن خاں والی بھوپال کی زیر نگرانی ہوئی اور اس کی مراجعت و تصحیح بڑے بڑے محققین علماء نے فرمائی اور اس کے آخر میں کچھ کلمات جناب شیخ علی علاء الدین آلوسی مؤلف روح المعانی کے پوتے کے ہیں جو جمادی الاولیٰ ۱۲۹۹ھ میں بھوپال میں تشریف لائے تھے۔

راوی حدیث: ﴿ضباعہ بنت زبیر﴾ ان کی کنیت ام حکیم ہے۔ ضباعہ کے ضادر پر ضم۔ پورا نام ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی چچا زاد بہن ہیں۔ مقداد بن اسود کی اہلیہ تھیں اور ان کے دو بچے عبداللہ اور کریمہ تھے۔ حضرت علیؑ کی خلافت میں فوت ہوئیں۔ ﴿عکرمہ﴾ عکرمہ کے عین پر کسرہ، کاف ساکن اور راء پر کسرہ۔ ابو عبداللہ کنیت۔ عکرمہ مدنی، عبداللہ بن عباسؓ کے غلام تھے۔ بربر قبیلہ سے تھے۔ بڑے بڑے علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ فقہاء مکہ میں سے تھے۔ تابعین کے درمیانے درجے میں شامل ہیں۔ ۱۰۷ھ میں اسی سال کی عمر یا کر فوت ہوئے۔ بعض نے سن وفات میں اختلاف کیا ہے۔

﴿حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ﴾ ان کا پورا نام حجاج بن عمرو بن غزیہ انصاری مازنی مدنی ہے۔ شرف صحابیت سے سرفراز ہیں۔ حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ صفین میں شامل ہوئے۔ ان سے دو احادیث مروی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے۔

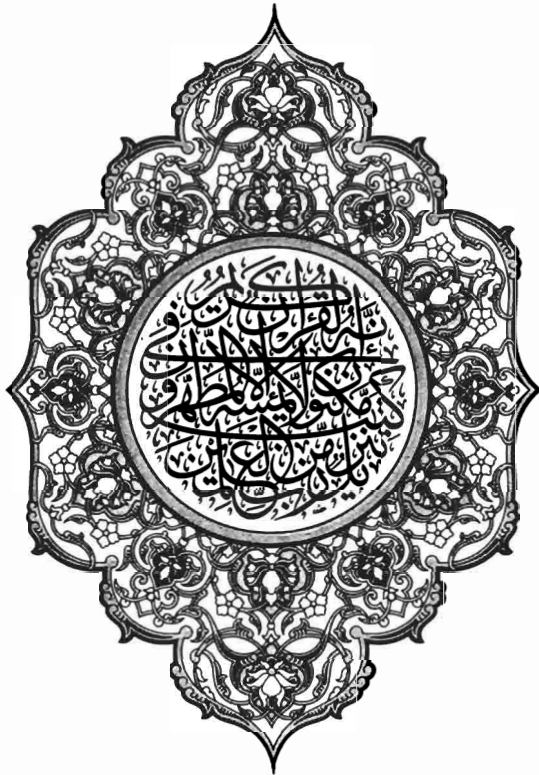
القرآن الكريم
وترجمة معانيه وتفسيره إلى
اللغة الأردية

Translation of the Meanings and
interpretations of
THE NOBLE QURAN
in the Urdu Language

الْفَرَاغِ الْمَكْرُمِ

وَرَجْمَةُ مَعَانِيهِ وَتَفْسِيرُهُ
إِلَى اللُّغَةِ الْأُرْدِيَّةِ

اَلَمْ يَجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا اِلٰهًا اٰلَآءَ اِلٰهِ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ



اس قرآن کریم مع ترجمہ و تفسیر کی طباعت کے حکم دیئے کا شرف فرما رہے ہیں ملک سعودی عرب خادم حسین شینین شاہ نمبرین
عبدالعزیز آل سعود کو حاصل ہوا۔

تَدْرُسُ بِالْاَرَبِيَّةِ هَذَا الْمُصْحَفَ الشَّرِيفَ وَتَرْجُمُهُ مَعَالِيَهُ
خَاتَمُ الْمُحَرِّرِينَ الشَّرِيفِينَ اَلْمَلِكُ هَادِدُ بْنُ اَلْعَزِيزِ اَلْمُحَمَّدِي
مَلِكُ الْمَمْلُوكَةِ الْعَرَبِيَّةِ السُّعُوْدِيَّةِ

هَذَا الْمُصْحَفُ الشَّرِيفُ وَتَرْجُمَةُ مَعَانِيهِ
هَدِيَّةٌ مِنْ خَادِمِ الْحَرَمَيْنِ الشَّرِيفَيْنِ الْمَلِكِ فَهْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ آلِ سَعُودٍ

شَوْعَ مَجَانًا



مَجِيعُ الْمَلِكِ فَهْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الشَّرِيفِ

یہ قرآن شریف مع ترجمہ و تفسیر خادمِ حرمین شریفین
شاہ فہد بن عبد العزیز آل سعود کی طرف سے ہدیہ ہے

مفت تقسیم کے لئے



شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس



سورۂ حجرات مدنی ہے اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو^(۱) اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔ (۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْصِدُوا آيَةَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ①

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ (۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْصِدُوا آيَةَ اللّٰهِ
وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ
أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ②

ہے، اس کے بعد بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان میں شک کرنے والا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیوں کر دعوائے مسلمانی میں سچا سمجھا جاسکتا ہے؟

☆ یہ طوالت مفصل میں پہلی سورت ہے۔ حجرات سے نازعات تک کی سورتیں طوالت مفصل کھلاتی ہیں۔ بعض نے سورۃ ق کو پہلی سورت قرار دیا ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) ان کا فخر کی نماز میں پڑھنا مسنون و مستحب ہے اور عیسٰی سے سورۃ الشمس تک اوسط مفصل اور سورۃ ضحٰی سے والناس تک قصار مفصل ہیں۔ ظہر اور عشا میں اوسط اور مغرب میں قصار پڑھنی مستحب ہیں (امیر القاسم)

(۱) اس کا مطلب ہے کہ دین کے معاملے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کرو نہ اپنی سمجھ اور رائے کو ترجیح دو، بلکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعات کی ایجاد، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی ناپاک جسارت ہے جو کسی بھی صاحب ایمان کے لائق نہیں۔ اسی طرح کوئی فتویٰ، قرآن و حدیث میں غور و فکر کے بغیر نہ دیا جائے اور دینے کے بعد اگر اس کا نص شرعی کے خلاف ہونا واضح ہو جائے تو اس پر اصرار بھی اس آیت میں دیئے گئے حکم کے منافی ہے۔ مومن کی شان تو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سامنے سر تسلیم و اطاعت خم کر دینا ہے نہ کہ ان کے مقابلے میں اپنی بات پر یا کسی امام کی رائے پر اڑے رہنا۔

(۲) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس ادب و تعظیم اور احترام و تکریم کا بیان ہے جو ہر مسلمان سے مطلوب ہے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کرو تو تمہاری آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ امْضَحْنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ
وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ②

إِنَّ الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ③

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ④

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَجْأَوْا فَرِيقًا مِنْ بَنِي قَبِيلَتِكُمْ

بیشک جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے حضور میں اپنی
آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں
کو اللہ نے پرہیز گاری کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے
مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے۔ (۳)

جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں
سے اکثر بالکل بے عقل ہیں۔ (۴)

اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ آپ خود سے نکل کر
ان کے پاس آجاتے تو یہی ان کے لیے بہتر ہوتا، (۵)
اللہ غفور ورحیم ہے۔ (۶)

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی
اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو (۷) ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی

و سلم کی آواز سے بلند نہ ہو۔ دوسرا ادب، جب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرو تو نہایت وقار اور سکون سے کرو،
اس طرح اونچی اونچی آواز سے نہ کرو جس طرح تم آپس میں بے تکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ بعض نے
کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا محمد، یا احمد نہ کہو بلکہ ادب سے یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرو اگر ادب و احترام کے
ان تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھو گے تو بے ادبی کا احتمال ہے جس سے بے شعوری میں تمہارے عمل برباد ہو سکتے ہیں اس آیت
کی شان نزول کے لیے دیکھئے صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الحجرات، تاہم حکم کے اعتبار سے یہ عام ہے۔
(۱) اس میں ان لوگوں کی تعریف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت کا خیال رکھتے ہوئے اپنی
آوازیں پست رکھتے تھے۔

(۲) یہ آیت قبیلہ بنو تمیم کے بعض اعرابیوں (گنوار قسم کے لوگوں) کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے ایک روز دوپہر
کے وقت، جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیلو لے کا وقت تھا، حجرے سے باہر کھڑے ہو کر عامیانہ انداز سے یا محمد یا محمد کی
آوازیں لگائیں تاکہ آپ ﷺ باہر تشریف لے آئیں۔ (مسند احمد ۳/ ۶۰۸۸-۶۰۸۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان کی
اکثریت بے عقل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان اور آپ ﷺ کے ادب و احترام
کے تقاضوں کا خیال نہ رکھنا، بے عقلی ہے۔

(۳) یعنی آپ ﷺ کے نکلنے کا انتظار کرتے اور آپ ﷺ کو نہادینے میں جلد بازی نہ کرتے تو دین و دنیا دونوں لحاظ سے بہتر ہوتا۔
(۴) اس لیے مؤاخذہ نہیں فرمایا بلکہ آئندہ کے لیے ادب و تعظیم کی تاکید بیان فرمادی۔

(۵) یہ آیت اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنہیں رسول اللہ صلی

تُصِيبُوا قَوْلًا يَجْعَلُ اللَّهُ فَتْنًا حَاضِرًا لِمَنْ يَفْعَلْ ثُمَّ يَذَرْنِي ۝
وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ
لَعَزَمْتُمُوهُ وَلَكِن لَّاتُطِيعُكُمْ إِلَّا بِنُصْرَتِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ
لَذِكْرًا لَّكُمْ ۝ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ
هُمُ الرُّشِدُونَ ۝

فَضَلَّ عَنْ اللَّهِ وَفِتْنَةً ۝ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

وَلَكِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِتَنَّبُوا فِتْنَةً يَّاتِيهِمَا

قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔ (۶)
اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں، (۱) اگر
وہ تمہارا کہا کرتے رہے بہت امور میں، تو تم مشکل میں پڑ
جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنادیا
ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے
اور کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں
ناپسندیدہ بنادیا ہے، یہی لوگ راہ یافتہ ہیں۔ (۷)
اللہ کے احسان و انعام سے (۲) اور اللہ دانا اور باحکمت
ہے۔ (۸)

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان
میں میل ملاپ کر دیا کرو۔ (۳) پھر اگر ان دونوں میں سے

اللہ علیہ وسلم نے بنوا المصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن انہوں نے آکریوں ہی رپورٹ دے دی
کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے جس پر آپ ﷺ نے ان کے خلاف فوج کشی کا ارادہ فرمایا، تاہم پھر یہ
لگ گیا کہ یہ بات غلط تھی اور ولید بن مسعودؓ تو وہاں گئے ہی نہیں۔ لیکن سند اور امر واقعہ دونوں اعتبار سے یہ روایت صحیح
نہیں ہے۔ اس لیے اسے ایک صحابی رسول ﷺ پر چسپاں کرنا صحیح نہیں ہے۔ تاہم شان نزول کی بحث سے قطع نظر اس
میں ایک نہایت ہی اہم اصول بیان فرمایا گیا ہے جس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر نہایت اہمیت ہے۔ ہر فرد اور
ہر حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے پاس جو بھی خبر یا اطلاع آئے بالخصوص بدکردار، فاسق اور مفسد قسم کے لوگوں
کی طرف سے، تو پہلے اس کی تحقیق کی جائے تاکہ غلط فہمی میں کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔

(۱) جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی تعظیم اور اطاعت کرو، اس لیے کہ وہ تمہارے مصالح زیادہ بہتر جانتے ہیں، کیونکہ ان پر
وحی اترتی ہے۔ پس تم ان کے پیچھے چلو، ان کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش مت کرو۔ اس لیے کہ اگر وہ تمہاری پسند کی
باتیں ماننا شروع کر دیں تو اس سے تم خود ہی زیادہ مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ۝ وَلَوْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ
الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَآتَيْنَاكُم مِّنْهَا أَجْرًا ۝ (المؤمنون ۷۷)

(۲) یہ آیت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت، ان کے ایمان اور ان کے رشد و ہدایت پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔
وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۔

(۳) اور اس صلح کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں قرآن و حدیث کی طرف بلایا جائے یعنی ان کی روشنی میں ان کے اختلاف کا
حل تلاش کیا جائے۔

فَلَنْ يَغْتَابَ احِدًا مِّنْهُمْ عَلَى الْاُخْرَىٰ فَقَالُوا الَّذِي يَنْفَعِي حَتَّى يَنْفَعِي
اِلَىٰ اَمْرِ لَّهِ وَلَنْ يَأْتِيَ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا الْعَدْلَ وَاَقْبِطُوا
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ اٰخَوْنِكُمْ وَاَقْبِطُوا
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے،^(۱) اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو^(۲) اور عدل کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔^(۳) (۹)

(یاد رکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو،^(۴) اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔^(۵) (۱۰)

(۱) یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے مطابق اپنا اختلاف دور کرنے پر آمادہ نہ ہو، بلکہ بغاوت کی روش اختیار کرے تو دوسرے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ سب مل کر بغاوت کرنے والے گروہ سے لڑائی کریں تاکہ وہ اللہ کے حکم کو ماننے کے لیے تیار ہو جائے۔

(۲) یعنی باغی گروہ، بغاوت سے باز آجائے تو پھر عدل کے ساتھ یعنی قرآن و حدیث کی روشنی میں دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرا دی جائے۔

(۳) اور ہر معاملے میں انصاف کرو، اس لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور اس کی یہ پسند اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ انصاف کرنے والوں کو بہترین جزا سے نوازے گا۔

(۴) یہ پچھلے حکم کی ہی تاکید ہے۔ یعنی جب مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو ان سب کی اصل ایمان ہوئی۔ اس لیے اس اصل کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ایک ہی دین پر ایمان رکھنے والے آپس میں نہ لڑیں بلکہ ایک دوسرے کے دست و بازو، ہمدرد و غم گسار اور مونس و خیر خواہ بن کر رہیں۔ اور کبھی غلط فہمی سے ان کے درمیان بعد اور نفرت پیدا ہو جائے تو اسے دور کر کے انہیں آپس میں دوبارہ جوڑ دیا جائے۔ (مزید دیکھیے سورہ توبہ، آیت ۱۰۱ کا حاشیہ)۔

(۵) اور ہر معاملے میں اللہ سے ڈرو، شاید اس کی وجہ سے تم اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پا جاؤ۔ (ترجمی (امید والی بات) مخاطب کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ اللہ کی رحمت تو اہل ایمان و تقویٰ کے لیے یقینی ہے۔

اس آیت میں باغی گروہ سے قتال کا حکم ہے دراصل حالیکہ حدیث میں مسلمان سے قتال کو کفر کہا گیا ہے۔ تو یہ کفر اس وقت ہو گا جب بلا وجہ مسلمان سے قتال کیا جائے۔ لیکن اس قتال کی بنیاد اگر بغاوت ہے تو یہ قتال نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے جو تاکید و استہباب پر دال ہے۔ اسی طرح باغی گروہ کو قرآن نے مومن ہی قرار دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف بغاوت سے، جو کبیرہ گناہ ہے، وہ گروہ ایمان سے خارج نہیں ہو گا۔ جیسا کہ خوارج اور بعض معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبائر ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ اب بعض نہایت اہم اخلاقی ہدایات مسلمانوں کو دی جا رہی ہیں۔

کرو^(۱) اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔^(۲) کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی،^(۳) اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (۱۲)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (بی) مردود عورت سے پیدا کیا ہے^(۴) اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پچپانوں کہنے اور قبیلہ بنادینے^(۵) ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب

إِنَّمَا رُزِقْتُمْ سَوَاءً وَلَا تَعْتَبُوا بِمَعْصُكُمُ بَعْضًا كِبَىٰ أَحَدُكُمُ يَأْكُلُ لَحْمَ أَخِيهِ مِمَّا كَفَّرَ هُنُوهُ ۖ وَأَتَعُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝۱۲

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝۱۳

ور نہ فسق و فجور میں مبتلا لوگوں سے ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کے گناہوں پر بدگمانی رکھنا، یہ وہ بدگمانی نہیں ہے جسے یہاں گناہ کہا گیا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے۔ إِنَّ الظَّنَّ الْقَبِيحَ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْخَيْرُ، لَا يَجُوزُ، وَإِنَّهُ لَا حَرَجَ فِي الظَّنِّ الْقَبِيحِ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْفَبِيحُ (القرطبی)

(۱) یعنی اس ٹوہ میں رہنا کہ کوئی غامی یا عیب معلوم ہو جائے تاکہ اسے بدنام کیا جائے، یہ تجسس ہے جو منع ہے اور حدیث میں بھی اس سے منع کیا گیا ہے۔ بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی کی غامی، کوتاہی تمہارے علم میں آجائے تو اس کی پردہ پوشی کرو۔ نہ کہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے پھرو، بلکہ جستجو کر کے عیب تلاش کرو۔ آج کل حریت اور آزادی کا بڑا چرچا ہے۔ اسلام نے بھی تجسس سے روک کر انسان کی حریت اور آزادی کو تسلیم کیا ہے لیکن اس وقت تک جب تک وہ کھلے عام بے حیائی کا ارتکاب نہ کرے یا جب تک دوسروں کے لیے ایذا کا باعث نہ ہو۔ مغرب نے مطلق آزادی کا درس دے کر لوگوں کو فساد عام کی اجازت دے دی ہے جس سے معاشرے کا تمام امن و سکون برباد ہو گیا ہے۔

(۲) غیبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے سامنے کسی کی برائیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کیا جائے جسے وہ برا سمجھے اور اگر اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں جو اس کے اندر موجود ہی نہیں ہیں تو وہ بہتان ہے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں ہی بڑے جرم ہیں۔

(۳) یعنی کسی مسلمان بھائی کی کسی کے سامنے برائی بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا۔ مردار بھائی کا گوشت کھانا تو کوئی پسند نہیں کرتا۔ لیکن غیبت لوگوں کی نہایت مرغوب غذا ہے۔

(۴) یعنی آدم و حوا علیہما السلام سے۔ یعنی تم سب کی اصل ایک ہی ہے ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ مطلب ہے کسی کو محض خاندان اور نسب کی بنا پر فخر کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ سب کا نسب حضرت آدم علیہ السلام سے ہی جا کر ملتا ہے۔

(۵) شُعُوبٌ، شُعْبٌ کی جمع ہے۔ برادری یا بڑا قبیلہ شعب کے بعد قبیلہ، پھر عمارہ، پھر بطن، پھر فیصلہ اور پھر عشیرہ ہے (فتح القدیر) مطلب یہ ہے کہ مختلف خاندانوں، برادریوں اور قبیلوں کی تقسیم محض تعارف کے لیے ہے۔ تاکہ آپس میں

میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔^(۱)

یقین مانو کہ اللہ وانا اور باخبر ہے۔ (۱۳)

دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجئے کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے (مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے) حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔^(۲) تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔

بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۴)

مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں؛ (اپنے دعوائے ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں۔^(۳) (۱۵) کہہ دیجئے! کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری سے

قَالَتِ الْاَكْثَرُ اِمَّا قُلْتُ تَتُؤْمِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ قُلُوْا اَسَلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاَنْ تُطِيعُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لَا يَلْبِسَكُمْ مِنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اِيْمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ لَمْ يَزَالُوْا وَّجْهًا وَّآيَا مَوْاٰلِيْهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

قُلْ اَعْلَمُوْنَ اللّٰهُ يَدِيْنُكُمْ وَاَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ السَّمٰوٰتِ

صلہ رحمی کر سکو۔ اس کا مقصد ایک دوسرے پر برتری کا اظہار نہیں ہے۔ جیسا کہ بد قسمتی سے حسب و نسب کو برتری کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے آکر اسے مٹایا تھا اور اسے جاہلیت سے تعبیر کیا تھا۔

(۱) یعنی اللہ کے ہاں برتری کا معیار خاندان، قبیلہ اور نسل و نسب نہیں ہے جو کسی انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ معیار تقویٰ ہے جس کا اختیار کرنا انسان کے ارادہ و اختیار میں ہے۔ یہی آیت ان علما کی دلیل ہے جو نکاح میں کفالت نسب کو ضروری نہیں سمجھتے اور صرف دین کی بنیاد پر نکاح کو پسند کرتے ہیں (ابن کثیر)

(۲) بعض مفسرین کے نزدیک ان اعراب سے مراد بنو اسد اور خزیمہ کے منافقین ہیں جنہوں نے قحط سالی میں محض صدقات کی وصولی کے لیے یا قتل ہونے اور قیدی بننے کے اندیشے کے پیش نظر زبان سے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ ان کے دل ایمان، اعتقاد صحیح اور خلوص نیت سے خالی تھے (فتح القدیر) لیکن امام ابن کثیر کے نزدیک ان سے وہ اعراب (بادیہ نشین) مراد ہیں جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور ایمان ابھی ان کے اندر پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا۔ لیکن دعویٰ انہوں نے اپنی اصل حیثیت سے بڑھ کر ایمان کا کیا تھا۔ جس پر انہیں یہ ادب سکھایا گیا کہ پہلے مرتبے پر ہی ایمان کا دعویٰ صحیح نہیں۔ آہستہ آہستہ ترقی کے بعد تم ایمان کے مرتبے پر پہنچو گے۔

(۳) نہ کہ وہ جو صرف زبان سے اسلام کا اظہار کر دیتے ہیں اور مذکورہ اعمال کا سرے سے کوئی اہتمام ہی نہیں کرتے۔

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ يَخْلُ سُبْحًا عَلَيْهِ ⑤

آگاہ کر رہے ہو،^(۱) اللہ ہر اس چیز سے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے بخوبی آگاہ ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔^(۲) (۱۶)

يَتُوبُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَتَوَاعَلْ إِلَّا مَعَكُمْ بَلِ
اللَّهُ يَبْنِي عَلَيْكُمْ أَنْ هَذَا كُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ⑥

اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو۔^(۳) (۱۷)

یقین مانو کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔ (۱۸)

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بَيْنَمَا
تَعْمَلُونَ ⑦

سورہ ق کی ہے اور اس میں پینتالیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔



(۱) تعلیم، یہاں اعلام اور اخبار کے معنی میں ہے۔ یعنی اَمَّنَّا کہہ کر تم اللہ کو اپنے دین و ایمان سے آگاہ کر رہے ہو؟ یا اپنے دلوں کی کیفیت اللہ کو بتا رہے ہو؟

(۲) تو کیا تمہارے دلوں کی کیفیت پر یا تمہارے ایمان کی حقیقت سے وہ آگاہ نہیں؟

(۳) یہی اعراب نبی ﷺ کو کہتے کہ دیکھو ہم مسلمان ہو گئے اور آپ ﷺ کی مدد کی، جب کہ دوسرے عرب آپ ﷺ سے برسرِ یار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرماتے ہوئے فرمایا، تم اللہ پر اسلام لانے کا احسان مت جتلاؤ، اس لیے کہ اگر تم اخلاص سے مسلمان ہوئے ہو تو اس کا فائدہ تمہیں ہی ہو گا، نہ کہ اللہ کو۔ اس لیے یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں قبول اسلام کی توفیق دے دی نہ کہ تمہارا احسان اللہ پر ہے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز میں سورہ ق اور أَفْتَرَبْتَ السَّاعَةَ پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، باب ما یقرأہ فی صلاة العیدین) ہر جمعے کے خطبے میں بھی پڑھتے تھے (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عیدین اور جمعے میں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑے مجموعوں میں یہ سورت پڑھا کرتے تھے، کیونکہ اس میں ابتدائے خلق، بعث و نشور، معاد و قیام، حساب، جنت و دوزخ، ثواب و عتاب اور ترغیب و ترہیب کا بیان ہے۔